اللہ
اسوا
محمد
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
رسول اللہ
کی خارجہ پالیسی
اسد سلیم شیخ

Marfat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کی خارجہ پالیسی

اسد سلیم شیخ

سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور

Marfat.com

297.63 Sheikh, Asad Saleem
Rasool Allah(Sallallaho-Alaihi wa Sallam) / Asad Saleem Sheikh.- Lahore : Sang-e-Meel Publications, 2018.
238pp.
1. Muhammad (pbuh) - Islam.
I. Title.

اس کتاب کا کوئی بھی حصہ سنگ میل پبلی کیشنز/ مصنف سے با قاعدہ تحریری اجازت کے بغیر کہیں بھی شائع نہیں کیا جاسکتا۔ اگر اس قسم کی کوئی بھی صورتحال ظہور پذیر ہوتی ہے تو قانونی کارروائی کا حق محفوظ ہے۔

2018ء
افضال احمد نے
سنگ میل پبلی کیشنز لاہور
سے شائع کی۔

ISBN-10: 969-35-3152-3
ISBN-13: 978-969-35-3152-7

Sang-e-Meel Publications
25 Shahrah-e-Pakistan (Lower Mall), Lahore-54000 PAKISTAN
Phones: 92-423-722-0100 / 92-423-722-8143 Fax: 92-423-724-5101
http://www.sangemeel.com e-mail: smp@sangemeel.com

حاجی حنیف اینڈ سنز پرنٹرز، لاہور

Marfat.com

رحمۃ للعالمین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام

جن کے تشکیل کردہ بین الاقوامی اصول

آج بھی اُمتِ مسلمہ کے لئے مشعلِ راہ ہیں

Marfat.com

Marfat.com

فہرست

1	ابتدائیہ	7
2	باب ۱۔ بعثتِ نبویؐ کے وقت عالمی نظام کے خدوخال	11
3	باب ۲۔ عالمی لیڈر کی شرائط اور حضرت محمد ﷺ	24
4	باب ۳۔ رسولؐ اللہ کی خارجہ پالیسی کے بنیادی اصول	30
5	باب ۴۔ ہجرت: رسول اللہ ﷺ کی سیاستِ خارجہ کی بنیاد	42
6	باب ۵۔ رسولؐ اللہ کی سفارتی حکمت عملی	60
7	باب ۶۔ رسولؐ اللہ کے سیاسی وفوجی اتحادات ومعاہدات	89
8	باب ۷۔ رسول اللہ (ﷺ) کی جنگی سرگرمیاں	130
9	باب ۸۔ رسول اللہ کی خارجہ سیاست کے اقتصادی پہلو	181
10	باب ۹۔ رسولؐ اللہ اور عالمی امن کا قیام	200
11	حبشہ کی دوسری ہجرت کے شرکاء کے اکثر نام	225
12	مہاجرین مدینہ کے بعض نام	227
13	بیعتِ عقبہ ثانی کے شرکاء کے نام	229
14	غزوۂ اُحد میں ستر شہداء کے نام	231
15	قریش کے مقتولین کے نام	233
16	غزوۂ خندق کے شہداء کے نام	233

Marfat.com

17	غزوۂ خیبر کے شہداء کے نام	234
18	جنگِ موتہ کے شہداء کے نام	234
19	پہلی اور دوسری جنگ عظیم میں تباہی کے اعداد وشمار	235
20	انسانی حقوق کا عہد آفرین چارٹر ''خطبہ حجۃ الوداع''	237

Marfat.com

ابتدائیہ ــــــ!

اسلام کے ظہور میں آنے تک بالیقین دو ہی اصول تھے جن کی بناء پر نوعِ انسانی آپس میں متحد ہوئی۔ ایک تو جغرافیائی اتصال تھا اور دوسرا نسلی قرابت۔ اسلام نے اپنی وسیع النظری کے تحت ربط و ضبطِ انسانیت کی ان شکلوں کو رد نہیں کیا بلکہ اس خطرے کے پیشِ نظر کہ اپنی حدود سے متجاوز نہ ہو جائیں ان کی قدر و قیمت گرادی اور انہیں صرف پہچان ''لِیَتَعَارَفُو'' تک محدود کر دیا۔ وطن جہاں آدمی رہے یا خون کا رنگ جو انسان کی رگوں میں دوڑے اسلام کی نظر میں عزت کا نشان نہیں۔ عزت کا معیار صرف تقویٰ ہے جسے جدید نظریے کی روشنی میں نفسِ امارہ پر قابو پانے کی صلاحیت سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ قرآن میں فرمایا گیا ہے:

> ''اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تم کو گروہ اور قبائل بنا دیا کہ تم آپس میں پہچانے جاؤ مگر درحقیقت معزز تم میں وہی ہے جو پرہیزگار ہے''۔ (۱۳:۴۹)

حضور ﷺ نے فرمایا:

> ''جس نے عصبیت کی طرف بلایا وہ ہم میں سے نہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو دنیا میں بھیجتے وقت یہی پیغام دیا تھا کہ وہ کسی مخصوص گروہ کو نہیں بلکہ ساری دنیا کو خدا سے ڈرانے والا اور سیدھی راہ دکھانے والا ہے۔ ارشاد فرمایا گیا ہے:

> ''ہم نے تم کو دنیا کے آگے گواہی دینے والا، سعادتِ انسانیت کی خوشخبری دینے والا، اللہ کی طرف اس کے بندوں کو بلانے والا اور دنیا کی تاریکیوں کے لئے ایک چراغِ نور بنا کر بھیجا''۔ (الاحزاب: ۴۵-۴۶)

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے:

> ''کیا ہی بابرکت رات ہے جس نے اپنے بندے پر

Marfat.com

الفرقان نازل کیا تا کہ وہ قوموں کو اور ملکوں ہی کیلئے نہیں
بلکہ تمام عالموں کی ضلالت کیلئے ڈرانے والا بنے''۔

چنانچہ بر بنائے رسالت رسول اللہ ﷺ پوری دنیا کو دعوتِ اسلام دینے پر مامور کئے گئے تھے۔ یوں تو آغازِ کار سے ہی رسول اللہ نے اپنی دعوت کو محدود ومخصوص نہیں کیا تھا۔آپؐ کی دعوت ہر قوم، ہر نسل، ہر قبیلے اور ہر مقام اور زمانے کے لئے تھی، آپؐ کے ماننے والوں میں ایسے لوگوں کی تعداد شروع سے ہی اچھی خاصی رہی ہے جن کا نسبی ونسلی تعلق عرب سے نہ تھا اور رنگ، زبان اور وطن کے لحاظ سے بھی وہ مختلف تھے۔تاہم جب تک آپؐ کا قیام مکہ میں رہا اسلامی تعلیمات کا اثر محدود پیمانے پر ظاہر ہوا۔لیکن جب آپؐ نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو یہ تعلیمات عالمگیر حیثیت اختیار کر گئیں۔ ہجرت کے باعث ہی مسلمانوں کے لئے سیاسی نظامِ مملکت کو تشکیل دینا ممکن ہوا اور مختلف جنگی مہمات میں امراء کا تقرر، غیر ممالک میں مختلف مقاصد کی غرض سے سفیروں کا تقرر، کاروبارِ مملکت کے لئے مشاورتی اجلاس، ملکی قوانین کا اجراء اور نفاذ اور سیاسی نظام کی صورت گری سے ایک ایسا ریاستی نظام وجود میں آیا جس کی مضبوط بنیادوں پر رسولِ اکرم ﷺ نے مسلمانوں کو ایک مضبوط اجتماعی قوت بنا دیا۔ریاست کا یہ اندرونی استحکام رسالت مآب کے لئے خارجہ مقاصد کے حصول کے لئے انتہائی سودمند ثابت ہوا۔کیونکہ کوئی بڑی سے بڑی سلطنت بھی جو سخت اندرونی خلفشار میں مبتلا ہو اکثر حقیر اور کمزور دشمنوں تک کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔تاریخِ عالم اس کی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔

مدینہ کی پہلی اسلامی ریاست اپنے قیام کے وقت یہود ونصاریٰ اور خود انصار کے دو گروہوں اوس وخزرج کی پرانی عداوت کی وجہ سے عدمِ استحکام کا شکار تھی۔دفاعِ مدینہ کے لئے ضروری تھا کہ ان تمام فرقوں اور گروہوں کو ایک سیاسی وحدت میں پرو دیا جائے۔چنانچہ رسالت مآب نے سب سے پہلے یہی کارنامہ سرانجام دیا کہ تمام فریقین کو ایک معاہدہ پر متفق کر لیا۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ میں امن کی زندگی بسر کرنے کے علاوہ قوت وطاقت اور وسائلِ عسکری کو فراہم کرنے میں اچھی طرح کامیاب ہو گئے۔

یہ حقیقت ہے کہ کسی بھی ملک کی خارجہ پالیسی کی کامیابی یا ناکامی کا انحصار اس بات پر ہوتا ہے کہ اس ملک کے عوام کی صلاحیت کا معیار کیا ہے اور کیا وہ کوئی واضح نصب العین رکھتے ہیں؟ علی الرغم اس بات کے کہ قلیل التعداد ہونے کے باوجود صرف مسلمان ہی جیشِ رسولؐ کی حیثیت رکھتے تھے اور دشمن کی غارت گری یا حملے کے وقت صرف اس جیش پر آپؐ اعتماد کر سکتے تھے۔رسول اللہ ﷺ ان کے دلوں میں عقیدۂ راسخ پیدا کرنے میں بھی کامیاب ہو گئے۔یہ لوگ اس عقیدے کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتے

Marfat.com

تھے۔ان کے سامنے ایک مقصد اور نصب العین تھا جو بالکل صاف اور واضح تھا اور مسلمان اس کے تحفظ اور دفاع کے لئے اپنی ہر چیز قربان کرنے کو تیار تھے۔مسلمانوں کا یہ جذبہ ایثار و قربانی رسولؐ اللہ کی سیاستِ خارجہ میں کامیابیوں کا ایک بہترین اصول قرار پایا۔

مسلمانوں کو جنگ کی اس لئے اجازت دی گئی کہ عدوان اور ظلم کو روکا جائے، دین کی آزادی برقرار رہے اور دعوتِ اسلامیہ کی نشر و اشاعت کی حفاظت کا سروسامان بہم پہنچ سکے۔اول تو آپؐ نے بلاجواز جنگ سے ہمیشہ گریز کیا اور ان راستوں کو پسند فرمایا جو صلح کی طرف مائل تھے اور جب بھی دیکھا کہ دشمن مائل بہ صلح ہے تو آپؐ نے اسے فوری قبول فرمایا۔چنانچہ رسالت مآبؐ نے جتنے غزوات لڑے یا سرایا ارسال فرمائے وہ تمام کے تمام دفاعی نوعیت کے تھے اور ان کا مقصد اسلامی ریاست کا دفاع، تبلیغِ اسلام کی راہ میں روڑے اٹکانے والوں کی بیخ کنی اور فتنہ و فساد کا خاتمہ تھا۔آپؐ نے اپنی جنگوں میں نہ صرف کامیابیاں حاصل کیں بلکہ دورِ جاہلیت کے تمام وحشیانہ جنگی طریقوں کو بھی بدل کر رکھ دیا اور ایسے قوانین نافذ فرمائے کہ جو آج بھی احترامِ آدمیت کا درس دیتے ہیں۔

آپؐ نے بے گناہوں کے جان و مال کی حفاظت کے علاوہ عورتوں بچوں اور معذوروں کو بھی تحفظ فراہم کیا۔اسلام سے پہلے اسیرانِ جنگ کے متعلق دو ہی متفقہ فیصلے تھے ایک قتل دوسرا دائمی غلام، تیسرا کوئی تصور موجود نہیں تھا۔رسولؐ اللہ نے جنگی قیدیوں کے متعلق واضح حکمتِ عملی اپنائی کہ ان کو قتل کیا گیا نہ ایذاء پہنچائی گئی بلکہ ان سے بہتر سلوک کی اعلیٰ ترین مثالیں قائم کیں۔

رسالت مآبؐ نے سیاستِ خارجہ میں معاہدات اور حلیفانہ تعلقات قائم کرنے کی طرف غیر معمولی توجہ فرمائی کیونکہ جنگ و جدل سے انتہائی ممکن حد تک بچ نکلنا چاہتے تھے تاکہ پُرسکون فضا میں دعوتِ حق کا کام بخوبی ہو سکے اور جنگی جذبات بیچ میں حائل نہ ہوں۔معاملات استوار کرنا اور حلیفانہ تعلقات قائم کرنا کوئی آسان کام نہیں ہوتا۔خصوصاً جبکہ مذہبی اختلافات اور سیاسی تعصّبات موجود ہوں اور کئی مخالف طاقتیں مداخلت بھی کر رہی ہوں۔پھر ایسے قبائل اور عناصر سے معاہدات طے کرنا اور بھی زیادہ مشکل ہو جاتا ہے جو سابق تعلقات نہ رکھنے کی وجہ سے بالکل اجنبی ہوں۔اس کام کے لئے بڑی سیاسی مہارت کی ضرورت ہوتی ہے۔مخاطب کے حالات اور رجحانات کو دیکھنا، قوت کو پہچاننا، توازنِ قوت کو سمجھنا، شرائط کے فوری اور دوررس نتائج پر نظر رکھنا ایسے بے شمار لوازم کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔محسنِ انسانیت نے اس دائرۂ کار میں حد درجے کی سیاسی بصیرت اور قائدانہ صلاحیتوں کا نمونہ پیش فرمایا۔خصوصاً بیزنطینی سلطنت کے قریب بسنے والے عیسائی قبائل کے ساتھ معاہدہ کر کے ان کو ریاستِ نبوی کے زیر اثر لانا حضورؐ کی سیاستِ خارجہ کا ایک بہت بڑا کارنامہ تھا۔اس سے رومی سلطنت کے منطقۂ اثر میں

Marfat.com

گہرے شگاف پڑ گئے جن کی وجہ سے صفر ۱۱ ہجری میں اسامہ بن زیدؓ کی وہ مہم بالآخر حضرت ابوبکرؓ کے دور میں کامیابی سے ہمکنار ہوئی جسے ابتدائی طور پر رسولؐ اللہ نے روانہ فرمایا تھا۔ اور پھر آگے چل کر اسی بنا پر بلادِ روم میں اسلام کے اثر ونفوذ، توسیع واشاعت اور فتوحات کے دروازے کھل گئے اور اسلام مستقبل قریب کی بین الاقوامی طاقت کی حیثیت سے محسوس کیا جانے لگا۔

اسلامی ریاست کی طرف سے رسولؐ اللہ نے کسی سفیر کی پہلی تقرری عسکری یا نیم عسکری مہموں کے دوران فرمائی تھی۔ ۳ھ (۶۲۵ء) میں جب بنونضیر کے غزوہ کے دوران رسولِ کریمؐ نے حضرت محمد بن مسلمہ اوس کو سفیر بنا کر بنونضیر کے یہودیوں کے پاس اس غرض سے بھیجا تھا کہ وہ ان کے معاملے میں رسولؐ اللہ کے فیصلے سے آگاہ کر دیں۔ رسولؐ اللہ نے اپنے عہد میں مختلف سفیروں کو مختلف اغراض و مقاصد کے لئے روانہ فرمایا۔ زیادہ اہم سفارتیں صلحِ حدیبیہ کے بعد پڑوس ملکوں کی طرف دعوتی خطوط دے کر روانہ کی گئی تھیں۔ سیاسی طور پر ان سفارتوں کا مقصد یہ تھا کہ پڑوسی شاہانِ وقت کو اسلامی دعوت کے ساتھ ساتھ اسلامی ریاست کے ساتھ کسی قسم کی مفاہمت اور صلح کے لئے آمادہ کیا جائے تا کہ ایک طرف تو اسلام کی عالمگیر تبلیغ کا دروازہ کھلے تو دوسری طرف تصادم و جارحیت کے امکانات یا خطرات میں کمی پیدا ہو۔ جن ملکوں اور قوموں کے سربراہوں اور فرمانرواؤں کو خطوط بھیجے گئے چند ہی برسوں میں وہاں اللہ کے آخری نبی ﷺ کا لایا ہوا حیات بخش نظامِ زندگی پوری طرح غالب ہو کر رہا۔ اس طرح ان مقدس اور بابرکت خطوط نے اس لشکر کے ہراول دستے کی حیثیت اختیار کر لی جس نے کفر و باطل، ظلم و جور اور انسانیت کش قوتوں کے غرور کو پاش پاش کر کے امن و عافیت، عدل و انصاف اور اخوت ومساوات کا علم بلند کیا۔ ان دعوتی خطوط لکھنے اور بھیجنے کے لئے وقت کا انتخاب ان کی عبارت میں اختصار، ایجاز، مکتوب الیہم کے ذہنی، نفسیاتی اور معاشرتی حالات کا لحاظ اور موزوں ترین سفیروں کا چناؤ ایسی باتیں ہیں جنہوں نے ان خطوط میں زبردست انقلاب آفرین قوت تاثیر پیدا کی اور یہ سب باتیں رحمۃ للعالمینؐ کی قائدانہ صلاحیتوں اور مدبرانہ قابلیتوں کا معجزانہ شاہکار ہیں۔ گویا حضور اکرم ﷺ نے اپنی خارجہ حکمتِ عملی میں جو جو اقدامات فرمائے وہ آپؐ کے بے مثال تدبر و فراست اور آئینِ جہانبانی کے آئینہ دار تھے اور آپؐ کے یہ روشن اور درخشاں پہلو آج بھی مسلمان ممالک کے لئے بین الاقوامی تعلقات میں بہترین قابلِ عمل نمونہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ بلکہ مسلمان ممالک کے باہمی ''انتشار اور نفاق'' کے خاتمہ کی ضمانت بھی ہیں ____!

اسد سلیم شیخ (اعزازِ فضیلت)

Marfat.com

باب ا

بعثتِ نبویؐ کے وقت عالمی نظام کے خدوخال

بعثتِ نبویؐ کے وقت دنیا کی مذہبی، سیاسی وجغرافیائی حالت:

بعثتِ نبویؐ کے وقت دنیا کے مختلف ممالک اور خطوں کی سیاسی، معاشرتی اور مذہبی حالت کیا تھی؟ رسول اللہ ﷺ کی خارجہ پالیسی ان حالات میں کس طرح تشکیل پائی؟ کون سے اصول ٹھہرے؟ کیا ترجیحات قائم ہوئیں؟ اور پھر ان ترجیحات کو کس طرح مقاصد کے قالب میں ڈھالا گیا۔ ان تمام عوامل کا جائزہ لینے کے لئے ظہورِ اسلام کے وقت عالمی حالات کا جائزہ لینا ضروری ہے۔

چھٹی اور ساتویں صدی عیسوی میں دنیا آج سے بہت کم تھی۔ نہ امریکہ کے دونوں براعظم دریافت ہوئے تھے اور نہ آسٹریلیا سے لوگ واقف تھے۔ افریقہ کے بڑے حصہ پر تاریکی کا تسلط تھا اور ایشیا و یورپ کے انتہائی شمالی علاقے بھی انسانی دسترس سے باہر تھے۔ البتہ، عرب، چین، ہندوستان، وسط ایشیا، ایران، عراق، شام، مصر، مغربِ اقصیٰ، حبشہ، نیز جنوبی یورپ کے کچھ ممالک یونان، اطالیہ، فرانس، اسپین اور وسطی وشمالی یورپ کے چند علاقے ضرور ایسے تھے جہاں آفتابِ تمدن ضوفگن تھا۔ لیکن روم و فارس ہی اس دور کی عظیم الشان سلطنتیں تھیں۔ دوسری چھوٹی چھوٹی ریاستیں ان کی ماتحتی میں تھیں۔ خود عرب کے اندر ساحلی علاقوں پر کئی ریاستیں بیزنطینیوں (رومیوں) کی باجگذار بنی ہوئی تھیں۔ ان دونوں طاقتوں میں برسوں سے محاذ آرائی چلی آرہی تھی۔ کئی خونریز جنگیں ان کے درمیان ہوچکی تھیں۔ کبھی ایک کو غلبہ حاصل ہوجاتا تو کبھی دوسری فتح سے ہمکنار ہوتی۔ یہ لڑائیاں انہی تک محدود نہ رہتیں بلکہ ان کی طفیلی ریاستوں کو بھی ساتھ شریک ہونا پڑتا۔ اس وجہ سے اپنے وقت کی یہ دونوں بڑی طاقتیں روبہ زوال تھیں۔ تہذیب وتمدن، صنعت وحرفت اور علوم وفنون کے مرکز سمجھے جانے کے باوجود اندرون خانہ جنگی کی حالت رہتی۔

بیزنطینی سلطنت کا اصل الاصول بادشاہت تھا۔ بادشاہ کے اختیارات غیر محدود تھے اور وہ تمام سیاسی اور مذہبی عہدوں کا سرچشمہ تھا۔ سلطنت کا تمام طرزِ عمل شاہی طرز کے تابع اور تمام تنظیمات کا تعلق بادشاہ سے ہی تھا اسی لئے جو ادارے مثلاً امراء کی مجلس (Senate) یا مجلسِ جمہوریہ (Concilium

Marfat.com

Plabis) بظاہر جمہوری نظر آتے ہیں وہ بالکل مصنوعی تھے۔ بادشاہت صرف ایک مخصوص گروہ، جماعت اور وطن کے اندر محصور تھی۔ حکمرانوں کی یہی وہ مخصوص جماعت تھی جس کی خاطر داری سلطنت کا مقصود تھی۔ اسی لئے رابرٹ بریفالٹ (Robert Briffault) لکھتا ہے کہ

> ''جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں رومی سلطنت انسانوں سے ظلم و
> زیادتی کے ذریعے ناجائز فائدہ اٹھا کر انسانوں کی مخصوص
> جماعت حکمرانوں کی راحت رسانی اور عیش و آرام کا سامان
> فراہم کرتی تھی۔ چنانچہ عوام پر ٹیکسوں کی اتنی بھرمار تھی کہ اہل
> ملک اپنی حکومت پر غیر ملکی حکومت کو ترجیح دینے لگے تھے۔
> بار بار انقلاب اور بغاوتیں ہوتی تھیں۔ صرف ۵۳۲ء کے
> ایک فساد میں قسطنطنیہ کے تیس ہزار آدمی قتل کئے گئے۔''(۱)

قبائلی اور علاقائی تقسیم نے خانہ جنگی کی سی کیفیت پیدا کر دی تھی۔ کیونکہ قسطنطنیہ کی مرکزی حکومت جسے سب پر حاوی اور غالب ہونا چاہیے تھا، کمزور ہو چکی تھی۔ اس صورتِ احوال کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہر سردار اپنے رقبے اور منطقے کی توسیع کی فکر میں رہنے لگا اور ایک دوسرے کے علاقوں پر بھی دست درازی کرنے لگے۔ بلکہ ان میں سے بعض تو اس درجہ زور پکڑ چکے اور طاقتور ہو چکے تھے کہ مرکزی حکومت سے بھی کبھی کبھی بھڑ جاتے تھے یا بغاوت کر کے اپنی آزادی اور خودمختاری کے پرچم لہرانے لگتے تھے۔ رومی غسانیوں اور دوسرے عرب قبائل پر، اپنی جنوبی حدود کے تحفظ اور حمایت پر بھروسہ کرتے تھے اور جنوب مشرقی حدود فارس کی حد تک چلی گئی تھی۔ عہدِ نبویؐ کے ابتدائی زمانے میں ایرانیوں نے اپنے حریفوں یعنی رومیوں سے مصر اور شام وغیرہ تک چھین لئے تھے مگر ۶ھ یعنی صلح حدیبیہ کے زمانے میں (نینویٰ) موصل کے میدان میں رومی شہنشاہ ہرقل نے ایرانیوں کو ایسی فیصلہ کن شکست دی کہ ان کے ہاں شاہ گردیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا اور ایران سنبھل نہ سکا۔ قسطنطنیہ کے رومی (بیزنطین) اس فتح سے کیا فائدہ اٹھاتے جبکہ صدیوں کی بیرونی جنگوں نے ایک طرف ملک کو تباہ و تاراج کر دیا تھا تو دوسری طرف مذہبی فتنے بھی ان کے ہاں ناقابلِ بیان تھے۔ عیسائی فرقوں اور جماعتوں میں شدید اختلافات و نزاعات پیدا ہو چکے تھے جن سے عوام و خواص سب متاثر تھے۔ چھٹی صدی عیسوی کے شروع میں شام و عراق کے عیسائیوں اور مصر کے عیسائیوں کی جنگ پورے شباب پر تھی۔ یہ جنگ حضرت مسیح کی حقیقت و ماہیت کے موضوع پر ہو رہی تھی اور اس کی وجہ سے مدارس، کلیسا اور گھر سب متحارب کیمپوں میں تبدیل ہو گئے تھے جو ایک دوسرے کی تکفیر میں مشغول اور ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ دو مذہبوں یا مخالف قوموں کی

Marfat.com

جنگ ہے۔اس کی وجہ سے عیسائیوں کواس کی فرصت نہ تھی کہ عالمگیر فساد کے انسداد اور اصلاح احوال کی کوشش کرتے اور انسانیت کوفلاح ونجات کا پیغام دیتے۔(۲)

اسی طرح یورپین قومیں جوشمال ومغرب کے اندر دور تک آباد تھیں جہالت و ناخواندگی کے مہیب سایہ میں تھیں جوآپس میں جنگوں میں مشغول تھیں۔ایرانی سلطنت (رومۃ الکبریٰ سے علیحدگی کے بعد) اپنے رقبہ، ذرائع آمدنی اور شان وشوکت میں زیادہ بڑی تھی۔اپنے عروج کے زمانہ میں اسیریہ، خوذستان، میڈیا، فاس، آذربائیجان، طبرستان، سرخش، مرجان، کرمان، مرو، بلخ، صفد، سیستان، برات، خراسان، خوارزم، عراق اور یمن سب اس کی قلمرو میں شامل تھے۔چھٹی صدی تک ایران کی حالت بہت بگڑ چکی تھی۔پورا ملک ان سلاطین کے رحم وکرم پر تھا جو موروثی طور پر تخت وتاج کے مالک بنتے تھے اور خود کو عام انسانوں سے بالاتر سمجھتے تھے۔اگر ایک خاندان میں کوئی مرد باقی نہ رہتا تو عورت ہی کو تاجِ شاہی پہنا دیتے تھے۔پھر تماشا یہ کہ تختِ شاہی پر نصب وعزل کا یہ کھیل اس شان سے کھیلا جاتا تھا کہ اس میں کسی اصول اور ضابطے کی قید اخلاق وکردار کی کوئی پابندی، رشتہ وعلائق کی کوئی پرواہ، چھوٹے بڑے کی کوئی تمیز اور حلال وحرام جائز وناجائز اور حق وناحق کا کوئی لحاظ نہ تھا۔بس فکر صرف تخت کی اور ہوس محض اقتدار کی تھی اور مقصد صرف یہ تھا کہ اقتدار وحکومت حاصل ہوجائے خواہ اس کے لئے کوئی بھی راستہ کیوں نہ اختیار کرنا پڑے اور خواہ اس کے لئے اپنے دشمنوں سے ہی مدد کیوں نہ مانگنی پڑے۔اسی لئے ہرمز سوم (۴۵۷ء تا ۴۵۹ء) کے مقابلہ پر اس کے بھائی فیروز اول نے (۴۵۹ء تا ۴۸۳ء) تاتاریوں (سفید ہن قبائل) سے مدد مانگی تھی۔اور جب قباد اول (۴۸۷ء تا ۵۳۱ء) نے مزدکی مذہب کی سرپرستی قبول کی تو ملک میں ایک ہنگامہ برپا ہوگیا جس کے نتیجہ میں قباد کو تخت سے معزول کردیا گیا اور اس نے قید سے بھاگ کر تاتاریوں کے پاس پناہ لی اور بالآخر ان ہی کی مدد سے دوبارہ تخت نشین ہوا۔اس اقتدار کی خاطر بلاش (۴۸۳ء تا ۴۸۷ء) کو معزول کیا گیا۔اسی تخت کی ہوس میں نوشیرواں سے (۵۳۱ء تا ۵۷۹ء) دعویدارِ سلطنت کے قتل کی حرکتِ قبیحہ سرزد ہوئی۔اسی کے لئے ہرمز چہارم اور خسرو پرویز (۵۹۰ء تا ۶۲۸ء) قتل ہوئے اور اردبن شیر بن شیریہ بمشکل ڈیڑھ سال حکمران رہا۔شہربراز (یا شہریار) صرف چار دن حکومت کے مزے لوٹ سکا۔اس کی جانشین بوران بنت کسریٰ پرویز صرف ایک سال چار ماہ تک بادشاہت کرسکی۔ان حوالوں سے واضح ہوجانا چاہیے کہ سلطنتِ فارس پر فائز فرمانرواؤں کا مطمحِ نظر کیا تھا۔ملک کی تمام دولت اور وسائل پر حکمران طبقہ قابض تھا وہی اس سے استفادہ کررہا تھا۔تفریح وتعیش اور دولت مند بننا ان کی زندگی کا اہم حصہ بن چکا تھا۔عورت کو ذاتی ملکیت بنالیا گیا تھا۔دوسری طرف غریب عوام پر ٹیکسوں کا اتنا بوجھ ڈال دیا گیا تھا کہ وہ سخت مفلوک الحال اور مویشیوں کی طرح زندگی گزار رہے تھے۔

Marfat.com

ایرانیوں کے نزدیک مذہب چند رسموں اور قدیم روایات سے زیادہ حیثیت نہ رکھتا تھا اور وہ بھی کئی فرقوں میں بٹا ہوا تھا۔ آتش پرستی ملک کے طول وعرض میں عام تھی۔ (۳)

ہندوستان کی حالت بھی روم وایران سے کچھ کم نہیں تھی چھٹی صدی عیسوی میں ہندوستان اجتماعی طور پر تاریک اور بدترین دور سے گزر رہا تھا۔ عہدِ نبویؐ سے پہلے وسط ایشیاء کے سفید خاں (Huns) خانوادے کی حکومت تھی۔ مگر ولادتِ نبویؐ سے پانچ سال پہلے (۵۶۵ء) دریائے جیحون پر اس حکومت کو شکست ہوئی۔ پھر تھانیسر کے راجہ کا چھوٹا بیٹا ہرس (زمانہ ۶۰۶ء تا ۶۴۸ء) شمالی ہند کا مالک بنا۔ آسام بنگال، نیپال، گجرات، کاٹھیاواڑ وغیرہ اس نے رفتہ رفتہ فتح کئے۔ مگر ۶۱۰ء میں ہجرتِ نبویؐ سے کچھ پہلے چلوکیا خاندان کے راجہ پی کے سن دوم نے اسے دریائے نربدا پر شکست دے دی۔ اپنی رعایا کو اس نے آرام طلب بنالیا تھا۔ اس کی موت کے ساتھ اس کی شہنشاہی کا خاتمہ ہوگیا اور پھر صدیوں تک تباہ کارانہ خانہ جنگیاں ہوتی رہیں۔ (۴)

ہندوستان اپنے پڑوسیوں اور دنیا کے دوسرے ملکوں کی برادری میں طبقاتی عدمِ مساوات اور انسانوں کے درمیان فرق وامتیاز میں بہت آگے تھا۔ ملک کے باشندوں کو چار واضح طبقوں میں تقسیم کردیا گیا تھا۔ آخری طبقہ مظلومیت اور پستی کی آخری منزلوں میں جا پہنچا تھا۔ باقی تینوں کی خدمت کرنا اور ان کو آرام وراحت پہنچانا ان کا مذہبی فریضہ اور مقدر بن چکا تھا۔ بے حیائی اور عیاشی ان کی عبادت گاہوں تک جا پہنچی تھی۔ عورت کی کوئی قیمت اور عزت وعصمت باقی نہ رہی تھی۔ شوہر اپنی بیوی کو جوئے میں ہار جاتا تھا۔ شوہر کے مرنے پر اس کی بیوی کو بھی زندہ درگور کردیا جاتا۔ بتوں کو ہندوستان میں خدا مانا جاتا اور ان کی پوجا کی جاتی۔ اس میں شبہ نہیں کیا جاسکتا کہ بت پرستی اس زمانہ میں ساری دنیا میں پھیلی ہوئی تھی۔ بحراوقیانوس سے بحرالکاہل تک دنیا بت پرستی میں غرق تھی۔ عیسائیت، سامی، بدھ مت گویا بتوں کی تعظیم وتکریم میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی کوشش میں مصروف تھے۔ لیکن ہندوستان میں صورتحال کچھ زیادہ سنگین تھی۔ عہدِ نبویؐ کے وقت گویا ہندوستان بدامنی اور مکمل انتشار کا شکار تھا۔ اس میں سینکڑوں ریاستیں تھیں جو اکثر برسرپیکار رہتی تھیں۔ ایک ہندو مصنف اپنی کتاب "Popular Hinduism, the Religion of the masses" میں رقمطراز ہے:

"خداسازی کا عمل یہیں پر ختم نہیں ہوگیا بلکہ مختلف زمانوں میں اس خدائی اکاڈمی یا کونسل میں اتنی بڑی تعداد کا اضافہ

Marfat.com

ہوگیا کہ اس کا شمار مشکل ہے۔ان میں بہت سے ہندوستان
کے قدیم باشندوں کے معبود تھے جن کو ہندو مذہب کے
دیوتاؤں اور خداؤں کے ساتھ شامل کرلیا گیا تھا۔ان کی کل
تعداد تیس ملین (۳ کروڑ) بتائی جاتی ہے''۔ (۵)

روم، ایران، اور ہندوستان کی طرح چین میں بھی آمریت اور مطلق العنانیت کا دور دورہ تھا ان کی حکومت شخصی، استبدادی اور موروثی تھی۔ بادشاہ ان کا فرمانروائے مطلق تھا۔اس کو تمام اختیارات حاصل تھے۔اس کے باوجود بعثتِ نبویؐ سے قبل چین میں سلطنت کو استحکام حاصل نہ ہوسکا۔ خانہ جنگیاں معمول بن چکی تھیں اور بیرونی حملہ آوروں نے پورے نظامِ سیاست کو برباد کر کے رکھ دیا تھا۔

جہاں تک دوسرے ممالک کے حالات کا تعلق ہے۔کمبوڈیا کے متعلق صرف اتنا معلوم ہوسکا ہے کہ بعثتِ رسولؐ کے وقت وہاں کھمبر خاندان کی حکومت تھی۔ جو ۶۰۰ء سے ۱۳۰۰ء تک قائم رہی۔

مصر سلطنت بازنطینی کا ایک حصہ تھا۔ جب ایرانیوں نے اس پر قبضہ کرلیا انہوں نے قبطیوں سے فیاضانہ سلوک کیا جو بازنطینی حکومت کے مذہبی مظالم سے تنگ آچکے تھے۔ایرانیوں نے قبطیوں میں ایک شخص کو ان کا حکمران بنادیا جسے مقوقس کا خطاب دیا گیا۔ ایرانیوں کو جب نینوا کے مقام پر ہرقل کے ہاتھوں ہزیمت اٹھانا پڑی تو وہ مصر بھی خالی کرنے پر مجبور ہوگئے۔ غالباً یہی دور تھا جب رسولِ خدا نے قبطیوں کے سردار کو خط لکھا اور اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔

حبشہ کا علاقہ یمن کے قریب تھا اور باب المندب کی تنگ کھاڑی اسے یمن سے جدا کرتی تھی۔ ظہورِ اسلام سے بہت پہلے مکہ سے حبشہ کے نہایت قریبی اقتصادی تعلقات قائم تھے۔حبشہ بھی اس وقت سلطنتِ رومہ کے زیر اثر تھا۔پہلی صدی عیسوی میں جب یمن میں حمیر خاندان کی حکومت قائم ہوئی تو حبشہ کے باشندوں نے اپنی آزادی کا اعلان کردیا اور اکسوم کو اپنا دارالحکومت قرار دیا۔ اس وقت سے یہاں بھی عیسائیت کو قبول کرلیا گیا۔ چنانچہ رسولؐ اللہ کی ولادت اور بعثت کے وقت یہاں عیسائیت رائج تھی اور یہاں کے بادشاہ کو نجاشی کہتے تھے۔

یورپ میں اسپین کی حالت بالخصوص نہایت ابتر تھی۔امیر جنہیں رومی شہنشاہوں کے ماتحت اعلیٰ مناصب اور عہدے حاصل تھے کی دولت وثروت اور اعلیٰ معیارِ زندگی کے مقابلے میں عوام الناس کی حالت نہایت شکستہ اور قابلِ رحم تھی۔غلاموں کے ساتھ جانوروں کا سا سلوک کیا جاتا تھا۔ وحشی اقوام کے حملوں نے ملک میں اور زیادہ ابتری پھیلا دی تھی۔ انہوں نے ہر طرف قتل عام کا بازار گرم کردیا اور ہزاروں عورتوں بچوں اور پادریوں کو غلام بنالیا۔ابن خلدون کے مطابق اسپین کے ملکوں میں سے تیئشوط

Marfat.com

رسولؐ اللہ کا ہمعصر تھا۔ رسولؐ اللہ کی بعثت کے وقت جزائر برطانیہ متعدد آزاد ریاستوں میں منقسم تھا۔ جن پر مختلف بادشاہ حکومت کرتے تھے۔ سیاسی، اخلاقی اور روحانی پستی پورے ملک میں تھی۔ باقی یورپ تمدن سے قطعاً نا آشنا تھا۔ وحشی اور غیر مہذب قبائل براعظم کے طول وعرض میں پھیلے ہوئے تھے۔ اب جہاں تک مشرق اور وسط ایشیا کی دوسری قوموں کا تعلق ہے تو ان کا حال برا تھا۔ نہ کوئی علمی دولت ان کے پاس تھی نہ کوئی نظامِ سیاست ان کے ہاں موجود تھا۔ فی الحقیقت یہ قومیں (مغل، ترک، جاپانی وغیرہ) اپنے عبوری دور میں تھیں اور جاہلانہ بُت پرستی سے نکل کر تمدن کی طرف آرہی تھیں۔ چند قومیں اور ایسی بھی تھیں جو اس وقت تک شہریت اور زندگی کی ابتدائی منزل میں تھیں اور عقلی وتمدنی حیثیت سے ان کا دورِ طفولیت تھا۔ اور وہ مغربی قومیں بالکل شمال ومغرب میں آباد تھیں، جہالت وناخواندگی کا شکار اور خونی جنگوں سے زار ونزار تھیں اور جنگ وجہالت کی پیدا کی ہوئی تاریکی میں ہاتھ پاؤں مار رہی تھیں۔ ان ممالک میں اب تک علم وتمدن کی صبح رونما نہ ہوئی تھی۔ مشہور انگریز مصنف H.G.Wells نے دنیا کی اس سماجی واخلاقی پستی پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے:

> ''اگر کوئی سیاسی پیشین گو ساتویں صدی کے آغاز میں دنیا کا جائزہ لیتا تو اس نتیجہ پر پہنچتا کہ صرف چند صدیوں کی بات ہے کہ پورا یورپ اور ایشیا منگولوں کے زیر اقتدار آجائے گا۔ مغربی یورپ میں نہ کوئی نظم تھا اور نہ اتحاد، بازنطینی اور ایرانی حکومتیں ایک دوسرے کو تباہ کرنے پر تُلی ہوئی تھیں، ہندوستان بھی منقسم اور تباہ حال تھا'' (٦)

رسولؐ اللہ کی پیدائش کے وقت عرب کی ملکی اور اخلاقی حالت یہ تھی کہ جنوب پر سلطنتِ حبش، مشرقی حصہ پر سلطنتِ فارس اور شمالی اقطاع پر روما کی مشرقی شاخ سلطنتِ قسطنطنیہ کا قبضہ تھا۔ پورا عرب ایک وحدت کی بجائے کئی خودمختار قبیلوں میں منقسم تھا جو اکثر باہم برسرپیکار رہتے۔ نسلی اور قبائلی عصبیت کی بناء پر لڑی جانے والی خونریز جنگیں کئی کئی سال تک جاری رہتیں۔ قافلوں کو لوٹنا اور بے گناہوں کو تیغ کرنا ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ عورت کی ان کے یہاں کوئی عزت نہ تھی۔ آدمی جتنی چاہتا شادی کرتا تھا۔ بیٹیوں کو زندہ دفن کر دینا ان کا معمول بن چکا تھا۔ جہالت نے ان میں بُت پرستی رائج کر دی تھی۔ عرب کے مختلف اطراف میں مختلف حکومتوں اور سلطنتوں کے تعلق کی وجہ سے تمام ملک میں مختلف مذاہب اور بھی پائے جاتے تھے یہودی، عیسائی اور صابی مذاہب کے لوگ بھی تھے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں نے اپنے آپ کو مذہب سے درست کرنے کی بجائے مذہب کو اپنی وجہ سے خراب کر دیا تھا۔ یا

Marfat.com

عرب صحیح دینی شعور سے بھی محروم تھے۔(۷)

جہاں تک عرب کے محلِ وقوع کا تعلق ہے کرۂ ارض کے نقشہ پر دیکھیں تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایشیا و یورپ و افریقہ کے چار براعظموں کے وسط میں واقع ہے۔اس کے شمال میں فلسطین و شام، مشرق میں حیرہ، دجلہ و فرات اور خلیج فارس، جنوب میں بحر اوقیانوس، ہند اور خلیج عمان اور مغرب میں بحیرۂ احمر واقع ہیں۔جنوب و مغرب میں دریا اور شمال و مشرق میں صحرا اور خلیج فارس نے اس کے اردگرد ایک قدرتی معیار کھینچ دیا ہے۔اس کا طول دو ہزار پانچ سو کلومیٹر اور عرض دو ہزار کلومیٹر ہے۔اس وسیع و عریض ملک میں ایک دریا بھی نہیں ہے۔ جزیرہ نمائے عرب اپنی ہمسایہ حکومتوں کے استعمار اور مذہبی اثرات سے کافی حد تک محفوظ رہا تو اس کی ایک وجہ اس کا جغرافیہ اور وسعت بھی تھی۔عرب میں قوافل کی آمد و رفت کے لئے دو راہوں کو زیادہ اہمیت حاصل تھی۔ایک راہ وہ جو خلیج فارس اور دجلہ سے گزر کر صحرائے شام کی راہ فلسطین پہنچتی ہے اور دوسری جو بحیرۂ احمر کے قریب سے گزرتی ہے۔مشرق و مغرب کے درمیان تجارت عرب کے زیادہ انہی راستوں کے ذریعے ہوتی تھی۔(۸)

ملوکیت اور بادشاہی کا رواج عرب کے متعدد علاقوں میں بہت مدت سے چلا آ رہا تھا اور ظہورِ اسلام کے وقت بھی بادشاہتیں اور حکومتیں کسی نہ کسی شکل میں موجود تھیں۔مختلف قبائل نے خودمختار اور آزاد چھوٹی شہری مملکتیں بھی قائم کر رکھی تھیں۔ چنانچہ مکہ، مدینہ، ینبوع، جرش، عدن، صحار، دبی، یمامہ، دومۃ الجندل، فدک، ایلہ اور مشرقی ساحل پر اچھی خاصی بستیاں تھیں جو کم و بیش شہری مملکتیں کہی جا سکتی تھیں۔ البتہ مکہ کی شہری ریاست کو دیگر شہری ریاستوں پر اس لئے برتری حاصل تھی کہ شاہراہِ تجارت پر واقع تھی اور اس کی ایک دینی حرمت بھی تھی۔عوام قریش کا احترام بھی کرتے تھے کہ یہ بیت اللہ الحرام کے پڑوسی ہیں۔ان پر پیش قدمی کی کسی کو جرأت نہ ہوتی تھی۔ان کی تجارت بھی محفوظ تھی کیونکہ بدو بھی ان پر غارت گری نہیں کرتے تھے۔اس طرح عرب ایک ایسی سرزمین تھی جہاں نہ تو کوئی مرکزی حکومت تھی اور نہ عرب معاشرہ کسی ایک بالاتر قوت و اختیار سے متعارف تھا۔وہاں کے بسنے والے بے قید آزادی کے سوا اطاعت کی روش سے ناواقف تھے۔اتحاد، یگانگت اور وحدتِ ملی پارہ پارہ تھی۔ ہر طرف انتشار اور قبائلی جنگوں کے غیر منقسم سلسلے جاری تھے۔قبیلہ، قبیلہ کے مقابل طبقہ، طبقہ کے مقابل اور فرد فرد کے مقابل کھڑا تھا اور ایک ناقابلِ علاج انفرادیت اہل عرب کے رگ و پے میں سرایت کر چکی تھی۔

یہ تھے بعثتِ نبویؐ کے وقت دنیا کے ممالک کے مکمل حالات جو بلاشبہ ایک ایسے عالمی نظام کا نتیجہ تھے جس کی بنیاد عدل و انصاف پر مبنی نہ تھی۔یہی وجہ ہے کہ پورے عالم میں بدامنی اور فساد پھیلا ہوا تھا۔ملکوں کے ان مکمل حالات جن کا تذکرہ اوپر کر آئے ہیں سے اس عالمی نظام کے خدوخال بالکل واضح

Marfat.com

ہو جاتے ہیں جو رسولِؐ خدا کی بعثت کے وقت دنیا کے اندر رائج تھا۔ یہ خدوخال درج ذیل ہیں۔

ا۔ دو طاقتی نظام

مروجہ عالمی نظام کی پہلی خصوصیت یہ تھی کہ دنیا کا توازن اس وقت کی دو بڑی سلطنتوں روم اور فارس سنبھالے ہوئی تھیں۔ یہی اپنے وقت کی طاقتور سلطنتیں شمار ہوتی تھیں۔ توازنِ طاقت کے نظریہ کے تحت عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ جب دنیا کے اندر مقابلے و آشتی میں رہتی ہے۔ لیکن روم و فارس مقابلے کی مملکتیں ہونے کے باوجود دنیا میں امن قائم رکھنے میں ناکام رہیں۔ ان دونوں کی محاذ آرائیوں کے نتیجے میں کئی خونریز جنگیں ہو چکی تھیں۔ یہ لڑائیاں پھیل کر ان کی طفیلی ریاستوں تک پہنچ چکی تھیں۔ اس طرح بڑی طاقتوں کی یہ خانہ جنگی پورے عالمی امن کو تباہ کیے ہوئے تھی۔

۲۔ دولت کی غیر منصفانہ تقسیم

یہ عالمی نظام دولت کی غیر منصفانہ تقسیم پر مبنی تھا۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے تقریباً تمام معاشروں میں دولت چند ہاتھوں میں مرتکز ہو کر رہ گئی تھی اور جس معاشرے میں دولت کی گردش رک جائے اور وہ چند ہاتھوں میں مجتمع رہے تو اس معاشرے میں امیر و غریب کا فرق نمایاں ہو جاتا ہے۔ دولت کے چند ہاتھوں میں ارتکاز کے سبب ایک محدود طبقہ تو عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتا ہے لیکن دیگر عوام غربت و افلاس کا شکار ہو جاتے ہیں۔ پھر ایک وہ وقت آتا ہے کہ معاشی طبقہ داریت معاشرے کے امن کو تہہ و بالا کر دیتی ہے۔

۳۔ نسلی و لسانی امتیازات

اس نظام کا ایک خاصہ یہ تھا کہ یہ نسلی و لسانی اور قبائلی امتیازات و تعصّبات پر مبنی تھا۔ اس نظام نے ایک ہی آدمؑ کی اولاد کو مختلف قسم کے طبقات میں تقسیم کر کے رکھ دیا تھا۔ حالانکہ توریت کی گرمی بھی انسان دیکھ چکا تھا، زبور کی شاعری بھی سن چکا تھا اور انجیل کی نرمی کو بھی اس نے محسوس کر لیا تھا۔ وید کی تقسیم انگیزی کا تجربہ بھی انسان کر چکا تھا۔ کنفیوشس کی تعلیم بھی رائج ہو چکی تھی۔ کاوٹیلیا کی ارتھ شاستر، ارسطو کی پالیٹکس، مہابھارت اور الیڈ واڑیسے جیسی کتابیں بھی لکھی جا چکی تھیں لیکن دنیا میں امن قائم نہ ہو سکا تھا اور نہ انسان کو انسانیت بخشی جا سکی تھی۔ کیونکہ یہ تمام کوئی ایسا نظریہ ہی نہ دے سکے جو انسان کی عظمت پر پورا اترتا۔ بلکہ قسم قسم کی طبقہ واریت اور عصبیتیں پیدا کر کے رکھ دی تھیں جن کی بناء پر ہمیشہ انسانوں کے درمیان نفرتیں پیدا ہوئیں اور امنِ عالم تباہ و برباد ہوا۔

Marfat.com

ایرانیوں کو اپنے گورے رنگ پر اتنا ناز تھا کہ حبشیوں کو کوے کہا کرتے تھے۔ عربوں کو اپنی زبان اور مفہوم کی ادائیگی کی صلاحیت پر اتنا ناز تھا کہ اپنے سوا ساری دنیا کو گونگا سمجھتے تھے۔ اسی بناء پر عربی، عجمی کا فرق پیدا ہوا۔ فرانسیسی تاریخ دان موسیو سیدو کے مطابق ''عربوں کو کلام میں حسن وخوبی پیدا کرنے کا بڑا اہتمام رہتا تھا۔ یہی سبب ہے کہ ان کو اپنی زبان پر بجا طور پر ناز تھا۔ اور اسی خوش بیانی میں وہ باہم غالب ومغلوب ہوا کرتے تھے۔'' عام انسانوں کا فطری مزاج ہے کہ نہ دوسرے کا احسان یاد رکھتے ہیں اور نہ دوسرے کی پہنچائی ہوئی تکلیف بھولتے ہیں۔ اگر ان کے اندر عفو ودرگزر سے کام لینے کا حوصلہ نہ ہو تو یہ مزاج انتقام در انتقام کے طویل سلسلے کو جنم دیتا ہے۔ عہدِ نبویؐ کے آغاز پر عرب کے قبائل کی جنگوں کا ایک سبب نہ ختم ہونے والا یہی جذبۂ انتقام تھا۔ اس کی ایک جھلک عرب شاعر کے اس شعر سے بھی نظر آتی ہے۔ (ترجمہ)

''میں اس گروہ سے تعلق رکھتا ہوں جس کے سردار بہادروں
کی اس پکار پر ہاں قبیلہ ونسب کو بچانے والے کہاں ہیں
اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیتے ہیں۔''

عرب قبائل میں ہی نہیں بلکہ ایران وروم کی ہزار سالہ کشمکش اور ہندوستان میں برہمن اور بدھ مت کی کشمکش بھی ایسی ہی تھی۔ خود رسول اللہ ﷺ نے مکہ میں نبوت کا اعلان فرمایا اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دی تو ان کو ہر طرح سے ایذا رسانی پہنچائی گئی۔ مدینہ ہجرت کر جانے کے بعد مسلمانوں کی جائیداد تک ضبط کر لی گئی۔ پھر انتقام کے جذبہ کے تحت بدر، اُحد اور خندق میں آنحضرتؐ اور آپؐ کے رفیقوں کو نیست ونابود کر دینے کی غرض سے مدینہ پر چڑھ دوڑے۔

۴۔ عدمِ مساوات

اس عالمی نظام کا ایک عنصر یہ تھا کہ یہ عدمِ مساوات پر مبنی تھا۔ یہ حقیقت ہے کہ معاشرہ میں وہ طبقے ہمیشہ باغیانہ رویہ اختیار کر لیتے ہیں جن کے ساتھ غیر مساوی اور ظلم وستم کا سلوک روا رکھا جائے۔ اس کے نتیجے میں ہمیشہ بغاوت جنم لیتی ہے۔ نبوتِ محمدؐ کے وقت پورے عالم میں کسی نہ کسی طرح سے ایک ہی آدمؑ و حوّا کی اولاد کو مختلف درجات میں تقسیم کر کے ان پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے۔ یہی خرابی اس وقت کے عالمی نظام کا ایک لازمی حصہ بن چکی تھی۔ ہندوستان میں جب آریہ حملہ آور پنجاب سے آگے بڑھے تو ان کے مذہبی طبقات نے مفتوحہ آبادی کو الگ تھلگ رکھنے کے لئے نہایت سخت قواعد وضع کئے۔ اگر مفتوحہ آبادی کا کوئی فرد فاتح طبقے کے کسی شخص کو چھو لیتا تو اس کو مذہباً ناپاک خیال کیا جاتا تھا۔ اعلیٰ

Marfat.com

ذاتوں کے مذہبی رسوم وشعائر شودروں کے لئے بالکل ممنوع تھے۔شودروں کو یہ اجازت تو ضرور تھی کہ وہ اپنے آباء واجداد کی یاد میں قربانیاں کریں لیکن ان مراسم میں کوئی شودر حصہ نہیں لے سکتا تھا اور اگر لیتا تو اسے سخت سزاؤں کا موجب قرار دیا جاتا تھا۔ایران میں شاہی خاندان، مذہب کے نمائندوں اور بعض اوپر والے طبقوں کو محصولات سے مستثنیٰ قرار دے کر واضح طور پر دو طبقے پیدا کر دیئے گئے تھے۔بات یہیں ختم نہیں ہو جاتی بلکہ زن ومرد کے درمیان عدمِ مساوات بھی موجود تھی۔جو عرب کے اندر ہندوستان کے اندر بھی شدت سے رائج تھی۔روم میں مرد کی حکومت اپنی بیوی پر جابرانہ تھی۔عورت ایک لونڈی کی حیثیت رکھتی تھی جس کا کوئی حصہ معاشرت میں نہ تھا۔قانونِ یونان میں انہیں کسی قسم کا حق حاصل نہ تھا۔ایران میں مرد ہر قسم کی اخلاقی، مذہبی اور قانونی گرفت سے آزاد تھا اور وہ خون کے قریب ترین رشتوں سے شادی کر سکتا تھا۔یہاں عورتوں کو گھروں میں بالکل مقفل رکھا جاتا تھا اور انہیں کسی حالت میں باہر جانے کی اجازت نہ تھی۔الغرض عورت ہر جگہ ظلم وستم کی چکی میں پس رہی تھی اور اس کی حیثیت مرد کے ہاتھوں محض ایک کھلونے کی سی تھی۔مرد وزن میں شدید عدمِ مساوات کا یہ عنصر عالمی امن کے قیام کی راہ میں ایک بہت بڑی رکاوٹ بنا ہوا تھا۔

۵۔مذہبی عدمِ رواداری اور فرقہ واریت

عہدِ نبویؐ کے آغاز کے وقت جو بین الاقوامی نظام رائج تھا اس کی ایک اور خصوصیت یہ تھی کہ مختلف مذاہب کے پیروکاروں میں مذہبی تعصب اور فرقہ پرستی کے رجحانات غلبہ حاصل کر چکے تھے۔اس بناء پر وہ اپنے سوا باقی تمام مذاہب اور فرقوں کو جھوٹے اور نجات کے لئے قطعاً ناموافق سمجھتے تھے۔بلکہ کئی ایک مذاہب کسی اجنبی کو اپنے اندر آنے کی بھی اجازت نہ دیتے تھے۔

مذہب کو نسل اور پیدائش سے محدود کر دیا گیا تھا۔قسطنطین پہلا بازنطینی فرمانروا تھا جس نے عیسائیت کو سرکاری مذہب قرار دیا تھا۔اس بادشاہ نے یہودیوں کے متعلق یہ قانون وضع کیا کہ اگر کوئی یہودی کسی ایسے شخص کو پتھر مارے یا اس کی زندگی خطرے میں ڈالے جس نے یہودی مذہب ترک کر کے عیسائیت قبول کی ہو تو ان تمام لوگوں کو زندہ جلا دیا جا سکتا ہے جو ایسی کارروائی میں شریک ہوں۔اس کے بعد ایک قانون یہ وضع کیا گیا کہ کوئی عیسائی یہودی مذہب اختیار نہیں کر سکتا۔مرنے سے چھ ماہ قبل قسطنطین نے ایک اور قانون کے ذریعے یہودیوں کو ممانعت کر دی کہ وہ کسی عیسائی کو غلام نہ رکھیں۔یمن میں ذونواس کے ہاتھوں میں عیسائیوں کو کس طرح تہ وتیغ کیا گیا۔قرآن میں اصحابِ اخدود کا قصہ بیان کر کے اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

Marfat.com

''خندق والے ہلاک ہو گئے اس حالت میں کہ اوپر سے ان پر آگ جلا دی گئی۔ آگ جلانے والا طبقہ خندق کے کنارے پر کھڑا ہوا ان کے جلنے کا تماشا دیکھ رہا تھا۔ مومنوں کے ساتھ انہوں نے جو بے رحمانہ سلوک کیا اس سے خود ان کے دل بھی متاثر ہوئے۔ دشمنوں کا ان مومنوں پر الزام یہ تھا کہ وہ عزیز و حمید خدا پر ایمان کیوں لے آئے؟'' (سورۃ البروج: ۸-۴)

واقعہ یہ تھا کہ ایک پاکباز مسیحی ''قیمیون'' روم سے ہجرت کر کے نجران میں سکونت پذیر ہو گیا تھا۔ قیمیون کے تبلیغ کے اثرات کے نتیجے میں نجران کے باشندے مسیحیت کی طرف مائل ہونا شروع ہو گئے اور رفتہ رفتہ ان کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا اس وجہ سے ان کی طاقت بھی بڑھتی گئی تھی۔ زونواس جو یہودی خیالات کا مالک تھا خبر ہونے پر نجران پہنچا اور لوگوں کو دین موسوی کی دعوت دی لیکن کسی نے بھی اس کی دعوت کو قبول نہ کیا۔ لہٰذا اس نے انتقاماً خندق کھودنے کے احکام صادر کئے، جب اس کام سے فراغت ہوئی تو خندق آگ سے بھر دی گئی۔ بعد ازاں زونواس کے حکم سے ایک ایک عیسائی کو گرفتار کر کے آگ کے الاؤ میں جھونک دیا۔ جو عیسائی آگ میں جلنے سے بچ گئے انہیں بے دردی سے تہ تیغ کیا گیا۔ عیسائی نذر آتش یا تہ تیغ ہوئے ان کی تعداد کسی بھی صورت میں بیس ہزار سے کم نہ تھی۔ اس کا بدلہ لینے کیلئے شہنشاہ روم جیٹیسنن کے کہنے پر شاہِ حبش نے یمن پر چڑھائی کی تھی۔

۶۔ انسانیت کی تذلیل

بعثتِ نبویؐ کے وقت دنیا کی دو عظیم الشان مملکتیں یعنی فارس اور روما الگ الگ مذہب و تہذیب کی علمبردار تھیں اور دونوں حکومتوں میں وطن، قومی اور مذہبی تعصب نے شدید جذبۂ منافرت پیدا کر دیا تھا۔ چنانچہ ظہورِ اسلام سے قبل اور بعد ایک عرصہ تک ان میں باہم جنگ و قتال جاری رہا۔ مگر ان کے تعصب و قومیت نے کچھ ایسی بھیانک شکل اختیار کر لی تھی کہ یہ لوگ حملہ و ہجوم کے وقت مذہب اور اخلاق و شرافت کے تقاضوں کو بالکل بھول جاتے تھے۔ چنانچہ خسرو پرویز نے جب فلسطین پر حملہ کیا تو عیسائیوں کی عبادت گاہ کو نذرِ آتش کر دیا اور نوے ہزار عیسائیوں کو قتل اور گرفتار کر لیا۔ فصلوں کو تباہ کرنا، باغوں کو تہس نہس اور عمارتوں کو مسمار کرنا بستیوں کو لوٹنا اور نذرِ آتش کر دینا ان کی لڑائیوں کا ایک ضروری جز و تھا اور عورتوں، بچوں اور بوڑھوں، زخمیوں، بیماروں اور مذہبی پیشواؤں کو بلا امتیاز تہ و تیغ کرنا یا غلام بنا لینا ان کے ہاں بالکل جائز سمجھا جاتا تھا۔

Marfat.com

جہاں تک اہلِ عرب کا تعلق ہے وہ فطری طور پر سخت جنگجو اور دلیر واقع ہوئے تھے اور ان میں مسلسل جنگیں جاری رہتی تھیں۔ ان میں جس طرح کے وحشیانہ اور اخلاق سوز افعال کا ارتکاب کیا جاتا تھا ان کے تصور سے ہی دنیا کانپ اٹھتی تھی۔ حاملہ عورتوں کے پیٹ تک چیر ڈالے جاتے۔ میدانِ جنگ میں ان کا مقصد پردہ دار سفید عورتیں ہوتیں یا چراگاہ سے واپس آنے والے اونٹ۔ ان کی تمام تر جنگیں لوٹ و غارت گری کیلئے ہوتی تھیں اور عورتوں کو بے پردہ کرنا، دشمن کی نعشوں کو گھسیٹنا، دشمن کے کان اور ناک کاٹ ڈالنا اور انہیں آگ میں زندہ جلانا ان کی جنگوں میں معمولی باتیں سمجھی جاتی تھیں۔

اسلام سے قبل کی جنگوں میں معاشی ضرورت کا پہلو زیادہ نمایاں تھا۔ چونکہ زمینِ عرب کی پیداوار اس کے باشندوں کیلئے بالکل ناکافی تھی اور دلیر اور تنومند انسانوں کیلئے اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہ تھا کہ اپنے وطن سے نکل کر دوسرے ممالک کے ذرائع پیداوار سے فائدہ اٹھائیں۔ چنانچہ قدیم عرب اقوام نے اس مقصد کے پیشِ نظر دنیا کے بیشتر ممالک پر یلغار کی اور سخت خونریزی اور سفاکی کے بعد ان ممالک کے باشندوں کو مغلوب کیا اور وہاں عظیم الشان مملکتیں قائم کیں اور جو لوگ عرب میں رہ گئے تھے ان میں ہمیشہ قبائلی جنگیں جاری رہتی تھیں۔ یہاں تک کہ ان کی شدید معاشی ضرورت اور جنگجو یانہ طبیعت کیلئے تین مہینوں (اشہرِ حرام) کی پابندی ناگوار تھی۔

الغرض ظہورِ اسلام کے وقت مختلف مذاہب بھلائی اور اخلاقی اصلاح پر مبنی نہ تھے۔ بلکہ ان تصورات کے تحت جتنی جنگیں لڑی جاتیں وہ سب قبائلی و نسلی عداوت، مال و دولت کی ہوس، وسعتِ سلطنت کی خواہش اور مذہبی تعصب کی بنا ہوتیں۔

یہ تھے عالمی نظام کے خدوخال جس کے تحت ظہورِ اسلام کے وقت اقوام عالم کا کاروبارِ زندگی چل رہا تھا۔ ان حالات میں حضرت محمد ﷺ عظیم ترین تبدیلی کا پیغام لے کر یک و تنہا اٹھے۔

●○●○●○●

۱۹۲۳۸۹

Marfat.com

حوالہ جات باب اوّل

۱۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا (Jutinian) بحوالہ ابوالحسن علی ندوی، "نبیؐ رحمتؐ"، ص ۳۴

۲۔ Alfred J.Butler "Arabs, Conquest of Egypy and Last Thirty Years of Roman Dominion,"(Oxford, 1902) ,pp.44-45

۳۔ ایران بعہد ساسانیان، ص ۳۳۹

۴۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا

۵۔ L.S.S.O'Malley, CI.E.I.C.S, Popular Hinduism: the Religion of the Masses (Cambridge, 1924) pp. 144

۶۔ H. G. Wells, A Short History of the World (London, 1924) pp. 144

۷۔ رئیس احمد جعفری، "آنحضرتؐ بحیثیت سپہ سالار، ص ص 91-90

۸۔ محمد حسین ہیکل، ''محمد رسول اللہ ﷺ''، ص ص ۹۳۔۹۵

Marfat.com

باب ۲

عالمی لیڈر کی شرائط اور حضرت محمد ﷺ

روم اور ایران کی دو بڑی ٹکراتی ہوئی تمدنی طاقتوں نے جو بحران پیدا کر دیا تھا اسے توڑنے کیلئے آپ ﷺ ایک تیسری طاقت بن کر اُٹھے اور آہستہ آہستہ یہ تیسری طاقت جب اپنے پیروں پر کھڑی ہوگئی تو اس نے روم و ایران دونوں کو چیلنج کیا۔ دونوں کی مرعوب کن قیادتوں کے تخت الٹا دیئے اور عوام الناس کو خوفناک تمدنی تنفس سے نکال کر آزاد فضاؤں میں اڑان کا موقع دیا۔ اس طرح اولادِ آدم کے سامنے ایک راہِ نجات نکل آئی، کاروانِ زندگی جو رہزنوں کے درمیان گھرا کھڑا تھا وہ فلاح و ارتقاء کی راہوں پر گامزن ہوگیا۔ مگر یہ سب کچھ یوں ہی سرانجام نہیں پا گیا۔ اس کیلئے محسنِ انسانیت نے انسانیت کی دنیا کو طوفانی موجوں سے نکالنے کیلئے باقاعدہ ایک نظام کی بنیاد رکھی، اس کے نفاذ کیلئے حکمتِ عملی اختیار فرمائی۔ اس نظام کا دائرۂ اثر کسی ایک قوم یا خطے تک نہ رکھا بلکہ اس کا پھیلاؤ تمام اقوامِ عالم اور پوری انسانیت تک پھیلا دیا۔ یوں حضرت محمد ﷺ نے اس نئے نظام کو قومی یا علاقائی حیثیت سے پیش نہیں کیا بلکہ ایک بین الاقوامی نظام کی حیثیت سے پیش کیا۔ اس نئے عالمی نظام نے عالمی حالات کی سنگینی کو ختم کر کے رکھ دیا اور پورے اجتماعِ انسان کو اندر سے بدل دیا، اور تمدن کے ایک ایک ادارے اور ایک ایک شعبے کی کایا پلٹ دی۔ اس طرح پوری کی پوری تبدیلی کے نتیجے میں جس کا دائرۂ اثر ہمہ گیر تھا۔ شر، فساد، بدامنی اور بگاڑ کو جڑ سے اُکھاڑ پھینک دیا گیا اور انسانی زندگی کو نشاۃِ ثانیہ حاصل ہوگئی اور ایک ایسے بین الاقوامی دورِ تاریخ کا افتتاح ہوا جس میں خیر و فلاح، تعمیر اور ارتقاء ہی ارتقاء تھا۔

بین الاقوامی سطح پر اس طرح کا عظیم ترین کارنامہ کوئی عالمی لیڈر ہی سرانجام دے سکتا ہے اور دنیا کا لیڈر ہونے کے لئے سب سے پہلی شرط یہ ہوتی ہے کہ اس نے کسی خاص قوم یا نسل یا طبقہ کی بھلائی کیلئے نہیں بلکہ تمام دنیا کے انسانوں کی بھلائی کیلئے کام کیا ہو۔ ایک محبِ وطن یا قوم پرست لیڈر کی اس حیثیت سے تو قدر کی جاسکتی ہے کہ اس نے اپنے لوگوں کی بڑی خدمت کی۔ لیکن کسی غیر وطن یا غیر قوم کا وہ لیڈر بہر حال نہیں ہوسکتا۔ جس شخص کی محبت، خیر خواہی اور کارگزاری سب کچھ ایک مخصوص ملک یا

Marfat.com

علاقے سے ہو دوسرے علاقے کے لوگ اسے اپنا لیڈر کیسے مانیں گے؟ اور اپنی قوم کو کو دوسری سے افضل ٹھہراتا ہے اور دوسروں کو کمتر قرار دے کر اپنی قوم کی عظمت بڑھانا چاہتا ہے تو تب تو دوسری قوموں کے لوگ اُلٹا اس سے نفرت کرنے پر مجبور ہوں گے۔ ساری قوموں کے انسان کسی ایک شخص کو اپنا لیڈر صرف اس صورت میں مان سکتے ہیں جبکہ اس کی نگاہ میں سب قومیں اور سب آدمی یکساں ہوں، وہ سب کا یکساں خیر خواہ ہو، اور اپنی خیرہ خواہی میں کسی طرح ایک دوسرے پر ترجیح نہ دے۔

دوسری اہم شرط جو دنیا کا لیڈر ہونے کیلئے ضروری ہے وہ یہ کہ اس نے ایسے اصول پیش کئے ہوں جو ساری دنیا کے انسانوں کی رہنمائی کرتے ہوں اور جن میں انسانی زندگی کے تمام اہم مسائل کا حل موجود ہو۔ لیڈر کے معنی ہی رہنما کے ہیں۔ اس کی ضرورت ہوتی ہی اس لئے ہے کہ وہ فلاح اور بہتری کا راستہ بتائے۔ لہٰذا دنیا کا لیڈر وہ ہی ہوسکتا ہے جو ساری دنیا کے لوگوں کو ایسا طریقہ بتائے جس میں سب کی فلاح ہو۔

تیسری لازمی شرط دنیا کا لیڈر ہونے کیلئے ضروری یہ ہے کہ اس کی رہنمائی کسی خاص زمانے کیلئے نہ ہو بلکہ ہر حال اور ہر زمانے میں یکساں مفید ہو، یکساں صحیح اور یکساں قابلِ پیروی ہو۔ جس لیڈر کی رہنمائی ایک زمانے میں کارآمد اور دوسرے زمانے میں بیکار ہو اس کو دنیا کا لیڈر نہیں کہا جا سکتا۔ دنیا کا لیڈر تو وہی ہے کہ دنیا جب تک قائم ہے اس کی رہنمائی بھی کارآمد رہے۔

چوتھی اہم شرط یہ ہے کہ اس نے صرف اصول پیش کرنے پر ہی اکتفانہ کیا ہو بلکہ اپنے پیش کردہ اصولوں کو زندگی میں عملاً جاری کر کے دکھایا ہو اور ان کی بنیاد پر ایک جیتا جاگتا عالمی معاشرہ پیدا کر دیا ہو۔ محض اصول پیش کرنے والا زیادہ سے زیادہ ایک مفکر ہوسکتا ہے۔ لیڈر نہیں ہوسکتا۔ لیڈر ہونے کیلئے ضروری ہے کہ آدمی اپنے اصولوں کو عمل میں لا کر دکھائے۔

جو شخصیت مذکورہ چاروں شرطوں پر پورا اترتی ہے بلاشبہ وہ ہی ایک عالمی نظام پیش کرنے اور اسے نافذ کرنے کی حق دار ہوسکتی ہے۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ یہ چاروں شرطیں اس ہستی میں کہاں تک پائی جاتی ہیں جس نے ایک نئے اور ابدی عالمی نظام کی بنیاد رکھ کر پوری انسانیت کو امن اور چین میں رکھ دیا۔

پہلی شرط کے حوالے سے دیکھیے۔ حضرت محمد ﷺ کی زندگی کا مطالعہ کریں تو ایک ہی نظر میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ کسی قوم پرست یا محبِّ وطن کی زندگی نہیں ہے بلکہ ایک محبِّ انسانیت اور ایک عالمگیر نظریہ رکھنے والے انسان کی زندگی ہے۔ ان کی نگاہ میں تمام انسان یکساں تھے۔ کسی خاندان، کسی طبقے، کسی قوم، کسی نسل یا کسی ملک کے خاص مفاد سے انہیں دلچسپی نہ تھی۔ امیر اور غریب، اونچ اور نیچ، کالے اور گورے، عرب اور غیر عرب، مشرقی اور مغربی، سامی اور آرین سب کو وہ اس حیثیت سے دیکھتے

Marfat.com

تھے کہ یہ سب ایک ہی انسانی نسل کے افراد ہیں۔ان کی زبان سے تمام عمر کوئی ایک لفظ یا فقرہ بھی ایسا نہیں نکلا، اور نہ ہی زندگی بھر میں کوئی کام انہوں نے ایسا کیا جس سے یہ شبہ کیا جا سکتا ہو کہ انہیں ایک طبقۂ انسانی کے مفاد سے زیادہ تعلق تھا۔یہی وجہ ہے کہ ان کی زندگی ہی میں حبشی، ایرانی، رومی، مصری اور اسرائیلی، اسی طرح ان کے رفقائے کار بنے جس طرح عرب۔اور ان کے بعد زمین کے ہر گوشے میں ہر نسل اور ہر قوم کے انسانوں نے ان کو اسی طرح اپنا رہنما تسلیم کیا جس طرح خود ان کی اپنی قوم نے۔

جہاں تک دوسری اور تیسری شرط کا تعلق ہے۔رسالت مآب ﷺ نے مخصوص قوموں اور مخصوص ملکوں کے وقتی اور مقامی مسائل سے بحث کرنے میں اپنا وقت ضائع نہیں کیا بلکہ اپنی پوری قوت دنیا میں انسانیت کے اس بڑے مسئلے کو حل کرنے میں صرف کر دی جس میں تمام انسانوں کے سارے چھوٹے چھوٹے مسائل خود حل ہو جاتے ہیں۔قرآن میں ہے

''(اے نبیؐ) ہم نے تم کو تمام ہی انسانوں کیلئے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔''(۱)

''اے نبی کہہ دو کہ اے انسانو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔''(۲)

''اور اے نبی، ہم نے نہیں بھیجا تم کو مگر جہاں والوں کیلئے رحمت کے طور۔''(۳)

احادیث میں مختلف طریقوں سے حضور ﷺ کا یہ بیان ہے:

''میں گورے اور کالے سب کی طرف بھیجا گیا ہوں۔''(۴)

''پہلے ہر نبی خاص اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوتا تھا اور میں تمام انسانوں کیلئے مبعوث ہوا ہوں۔''(۵)

ابتداءً ہر قوم میں الگ الگ پیغمبر آتے تھے اور ان کی تعلیم ان کی قوم ہی کے اندر محدود رہتی تھی۔اس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت سب قومیں ایک دوسرے سے الگ تھیں۔ان کے درمیان زیادہ میل جول نہ تھا۔ہر قوم وطن کی حدود میں گویا مقید تھی۔اس کے علاوہ مختلف قوموں کے حالات ایک دوسرے سے بالکل مختلف تھے۔اس لئے ضروری تھا کہ خدا کے پیغمبر ہر قوم کو الگ الگ تعلیم و ہدایت دیں۔زمانے کی ترقی کے ساتھ آخر کار وہ وقت آیا جب نوعِ انسانی بچپن کی حالت سے گزر کر سنِ بلوغ کو پہنچنے لگی۔تجارت و صنعت و حرفت کی ترقی کے ساتھ ساتھ قوموں کے تعلقات ایک دوسرے سے قائم ہو گئے۔چین، جاپان سے لے کر یورپ و افریقہ کے دور دراز ملکوں تک جہاز رانی اور خشکی کے سفروں کا

Marfat.com

سلسلہ قائم ہوگیا۔ اکثر قوموں میں تحریر کا رواج ہوا۔ علوم وفنون پھیلے اور قوموں کے درمیان خیالات اور علمی مضامین کا تبادلہ ہونے لگا۔ بڑے بڑے فاتح پیدا ہوئے اور انہوں نے بڑی بڑی سلطنتیں قائم کر کے کئی ملکوں اور کئی کئی قوموں کو ایک سیاسی نظام میں ملا دیا۔ اس طرح وہ دوری اور جدائی جو پہلے انسانی قوموں میں پائی جاتی تھی رفتہ رفتہ کم ہوتی چلی گئی اور یہ ممکن ہوگیا کہ اسلام کے ایسے نظام کی بنیاد رکھ دی جائے جو تمام دنیا کے لئے ہو۔ چنانچہ یہ نظام آج سے تقریباً چودہ سو برس قبل حضرت محمد ﷺ نے پیش کر دیا۔

آخری شرط کو لیجئے! یہ تاریخی حقیقت ہے کہ حضرت محمد ﷺ نے صرف تصورات ہی پیش نہیں کئے تھے بلکہ ان تصورات پر ایک زندہ معاشرہ پیدا کر کے دکھا دیا۔ انہوں نے ۲۳ برس کی مختصر مدت میں لاکھوں انسانوں کو خدا کی حکومت کے آگے سرِ اطاعت جھکانے پر آمادہ کر لیا۔ ان سے خود پرستی بھی چھڑائی اور خدا کے سوا دوسروں کی بندگی بھی۔ پھر ان کو جمع کر کے خالص خدا کی بندگی پر ایک نیا نظامِ اخلاق، نیا نظامِ تمدن، نیا نظامِ معیشت اور نیا نظامِ حکومت بنایا اور تمام دنیا کے سامنے اس بات کا عملی مظاہرہ کر کے رکھ دیا کہ جو اصول وہ پیش کر رہے ہیں اس پر کیسی زندگی بنتی ہے اور دوسرے اصولوں کی زندگی کے مقابلے میں وہ کتنی اچھی کتنی پاکیزہ اور کتنی صالح ہے۔

متذکرہ خصائل کے علاوہ چند دیگر حقائق بھی حضرت محمد ﷺ کو ایک عالمگیر شخصیت ٹھہراتے ہیں۔ ان میں ایک حقیقت کا تعلق تو مقامِ دعوت سے ہے۔ عرب باوجود بے آب وگیاہ خطہ ہونے کے اس وقت کی متمدن دنیا میں وسطی حیثیت رکھتا تھا، مشرق ومغرب اور شمال سے آنے والے تمام کاروانی راستے عرب کی سرزمین میں آ کے ملتے تھے اور مختلف ممالک کے درمیان جتنی تجارتِ خارجہ ہوتی تھی اس کا واسطہ عرب ہی کے تجار تھے۔ عمان اور یمن، صنعاء اور مکہ، جدہ اور ینبوع، مدینہ اور دومۃ الجندل کے درمیان کاروانوں کی آمد ورفت رہتی، جو عربی رہنماؤں کے، قریش کے پروانہ ہائے راہداری اور اہم قبائل کے بدرقوں کے بغیر سلامتی سے گزر نہ سکتے تھے۔ اس طرح عرب کی سرزمین خصوصاً مکہ، طائف، مدینہ، ینبوع اور دومۃ الجندل کا رابطہ ہند، چین، ایران، عراق، مصر، روم اور حبش کے تمام علاقوں سے تھا۔ یہاں کسی بین الانسانی دعوت کا مرکز دوسرے ہر علاقے سے زیادہ کامیاب ہوسکتا تھا۔ پھر سرزمینِ عرب میں مکہ، مدینہ کے مقامات یہ اہمیت رکھتے تھے کہ مذہبی اور تجارتی اور تمدنی حیثیت سے ان کی قیادت کا سکہ چلتا تھا۔ عرب کا غیر متمدن اور مبتلائے انتشار ہونا اور اقتصادی حیثیت سے کمزور ہونا اگرچہ کئی مشکلات کا باعث تھا مگر اس کا ایک بڑا فائدہ یہ تھا کہ یہ علاقہ بیرونی تسلط سے بھی بڑی حد تک آزاد تھا اور داخلی طور پر بھی کوئی طاقت نہ تھی جو باقاعدہ سیاسی اقتدار پورے ملک پر جما چکی ہوتی اور پھر

Marfat.com

اقتدار، قانون اور تعلیم سے کام لے کر انسانوں کو ایک خاص نقشے پر ڈھال چکی ہوتی۔ ایسی طاقت اگر کوئی موجود ہوتی تو وہ اسی دعوتِ حق کو کچل سکتی تھی جیسے پہلے بعض ظالم بادشاہوں نے انبیاء کی دعوتوں کو تکمیل تک پہنچنے سے قبل روک دیا۔ بلاشبہ قریش کا بڑا گہرا اثر موجود تھا اور یہ پورے زور سے رکاوٹ بنا۔ لیکن قریش کو پورے عرب میں باقاعدہ سیاسی تسلط حاصل نہ تھا۔ ان کا مذہبی و تجارتی اثر کتنا بھی گہرا رہا ہو، منظّم حکومت کا بدل نہیں ہوسکتا۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ آنحضرت محمد ﷺ نے نئے عالمی نظام کا تصور بڑی کامیابی سے نہ صرف پیش فرمایا بلکہ اس کے عملی نفاذ کا آغاز کر کے اس نظام کے ہمیشہ ہمیشہ رہنے کی بنیادیں بھی فراہم کر دیں۔

●○●○●○●

Marfat.com

حوالہ جات باب دوم

۱۔ القرآن (سبا:۲۸)

۲۔ القرآن (الاعراف:۱۵۸)

۳۔ القرآن (الانبیاء:۱۰)

۴۔ مسند احمد، مرویات ابوموسیٰ اشعریؓ

۵۔ بخاری و مُسلم

Marfat.com

باب ۳

رسول اللہ ﷺ کی خارجہ پالیسی کے بنیادی اصول

ا۔ دعوتِ توحید

رسول اللہ ﷺ کی خارجہ پالیسی کا اولین اور بنیادی مقصد وہی تھا جس کیلئے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مبعوث فرمایا تھا۔ یعنی دعوتِ توحید۔ دنیا میں حضرت محمد ﷺ تک جتنے بھی انبیاء تشریف لائے انہوں نے سب سے پہلے انسانوں کو جس بات کی طرف دعوت دی وہ یہ تھی کہ

"اَن لا تعبدوا اِلاَّ ایاّہ"

یعنی اس مالک حقیقی کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو۔

آسمانی تعلیمات کا یہ بنیادی نقطہ ہے جسے ہر نبی اور رسول کے پیغام میں اصل الاصول کی حیثیت حاصل رہی ہے۔ حضرت یوسفؑ کو جب جیل میں تبلیغِ دین کا موقع ملا تو جیل کے ساتھیوں کو انہوں نے سب سے پہلے جو حیات افروز سبق دیا وہ یہ تھا:

"یاصاحبی السجن أارباب متفرقون خیر ام اللّٰہ الواحد القھار"

"اے میرے جیل کے ساتھیو! کیا یہ مختلف اور متعدد جھوٹے خدا اس اکیلے طاقت والے سے بہتر ہو سکتے ہیں۔" (سورۂ یوسف ۱۲:۳۹)

حضرت شعیبؑ اور حضرت ہودؑ نے قوم کو پکارا تو ان کی سب سے پہلی پکار یہ تھی:

"یاقوم اعبداللّٰہ مالکم من الہ غیرہ"

حضرت نوحؑ مبعوث ہوئے تو ان کا اولین پیغام یہ تھا:

"ان اعبدوااللّٰہ واتقوہ واطیعون"

اس کی بندگی اور اسی کی اطاعت۔

Marfat.com

یہ وہ لازوال حقیقت تھی جسے اجاگر کرنے کیلئے انبیاء کرام کی بعثت ہوئی اور جو آدمی کی فطرت میں ودیعت کر دی گئی ہے۔ آنحضرت ﷺ کی بعثت کے وقت زمانہ فطرت کی اس لازوال حقیقت سے صرفِ نظر کر کے تباہی کو دعوت دے رہا تھا۔ اور انسان انسانیت کو خاک میں ملا رہا تھا۔ اسی حقیقت میں قرآن میں فرمایا گیا کہ

''اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے تک پہنچ چکے تھے خدا
نے تم کو بچالیا۔''

حضور ﷺ کی بعثت کا سب سے بڑا مقصد یہی ٹھہرا کہ بنی نوعِ انسان کو ظلمت کے اندھیروں اور تاریکیوں سے نکال کر روشنیوں کی طرف لایا جائے۔ قرآن میں ہے:

''الف۔لام۔میم! یہ ایک کتاب ہے جو ہم نے اے رسول
تم پر نازل کی ہے تا کہ تم انسانیت کو پروردگار کے حکم سے
ظلمت سے نکال کر روشنی کی طرف لاؤ اس رب کے راستے
کی طرف جو غالب اور ستودہ صفات ہے۔''

ایک اور جگہ ارشاد ہے۔

''وہی (اللہ ہے) جس نے اپنے رسول ﷺ کو ضابطۂ ہدایت اور
دینِ حق دے کر اس غرض سے بھیجا ہے کہ وہ ہر دین کے مقابلے
میں اسے (پوری انسانی زندگی پر) غالب کر دے۔ اگرچہ یہ
مشرکوں کو کتنا ہی ناگوار کیوں نہ ہو۔''! (سورۃ الصّف:٦١)

چنانچہ آنحضرت ﷺ نے

''لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ''
اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے
رسول ہیں،

کا پیغام انسانوں تک پہنچایا اور دعوت دی کہ خدا قانون ساز ہے اور محمد ﷺ تمام دنیا خصوصاً بنی نوعِ انسان کو اللہ تعالیٰ کے احکام کی ترسیل کیلئے مبعوث کئے گئے ہیں۔ اللہ صرف ایک ہے، اس نے ہمیں بنایا ہے، وہی ہماری پرورش کرتا ہے، اسی کے حکم سے موت آتی ہے اور وہی دنیاوی زندگی کا حساب لے گا اور جیسے بھی چاہے گا سزا یا جزا دے گا۔ انسان اللہ کی مخلوق ہے چنانچہ اسے زندگی کے تمام شعبوں میں خواہ یہ مسلک کا معاملہ ہو یا عقیدہ کا، معاشرتی رویہ ہو یا سیاسی یا کچھ اور، اپنے خالق و مالک کے احکام

Marfat.com

کی پابندی کرنی چاہیے۔(۱)

دعوتِ توحید کا یہ اصول رسالت مآب کی خارجہ پالیسی میں ہمیشہ اور ہر حالت میں قائم رہا۔ حج کا موقع تھا یا تجارتی میلوں کی رونق، جنگ کا پڑاؤ یا غیر ملکی وفود کی آمد ہر موقع پر اس دعوتِ حق کو لوگوں تک پہنچانا آپ ﷺ کا مقصودِ اول رہا۔ حتیٰ کہ غیر ملکی سربراہانِ مملکت کو بھی دعوتی خطوط ارسال کر کے اس ذمہ داری کو پورا فرمایا۔

آنحضرت ﷺ کی خارجہ پالیسی کے بنیادی مقصد یعنی دعوت وتوحید کے ضمن میں بعض دیگر اصول بھی متعین ہو جاتے ہیں جو دفاع اور استحکامِ ریاست کیلئے ضروری خیال کئے جاتے ہیں۔

۲۔ دفاعِ ریاست

دنیا کی تمام ریاستیں ہر زمانے میں بیرونی حملوں سے بچاؤ کیلئے مختلف اقدامات اور بندوبست کرتی آئی ہیں۔ اس غرض سے بیرونی طاقتوں سے تعلقات جوڑے اور ان سے امداد وتعاون بھی حاصل کیا۔ آنحضرت ﷺ کی سربراہی میں قائم پہلی اسلامی ریاست شدید بیرونی خطرات سے دو چار تھی۔ قریشِ مکہ کی ایذا رسانیوں اور ظلم وستم سے تنگ آ کر مدینہ آنے والے مسلمانوں کو ہر وقت یہ خطرہ لاحق رہتا کہ مکہ والے کسی بھی وقت حملہ کر سکتے ہیں۔ ان خطرات میں نئی اسلامی ریاست کے دفاع کیلئے اقدامات ناگریز ہو گئے تھے۔ ویسے بھی نظامِ حق کی اقامت، اس کے تحفظ اور اس کے فروغ کیلئے سیاسی اور فوجی قوت کی بھی ضرورت تھی۔ چنانچہ داخلی امن مستحکم ہو جانے کے بعد مدینہ سے باہر جن علاقوں میں سے قریشِ مکہ کے تجارتی قافلے گزر کر عراق، شام یا مصر کی طرف آتے جاتے تھے۔ رسولِ خدا ان قبائل کے ساتھ بیرونی حملہ کے خلاف باہمی فوجی امداد کی بنیاد پر دفاعی معاہدے کرنے میں کامیاب رہے۔

۳۔ امنِ عالم

یہ بات مسلماتِ دین میں سے ہے کہ ہر دور اور ہر قوم میں کوئی نہ کوئی نبی بھیجا گیا۔ مگر یہ سب نبی ایک خاص خطۂ زمین، ایک خاص زمانے اور ایک خاص قوم کیلئے تھے، ان میں کسی کی شریعت عالمگیر نہ تھی۔ ان میں سے کسی کا پیغام سارے زمانوں کیلئے نہ تھا۔ لیکن محمد ﷺ کی نبوت اور شریعت کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ کسی خاص زمانے یا قوم تک محدود نہ تھی بلکہ تمام بنی نوعِ انسان کیلئے تھی اور آنحضرت ﷺ کا مقصد بھی یہ تھا کہ ایک ایسا عالمی معاشرہ قائم ہو جو امن وسلامتی پر مبنی ہو۔ کیونکہ اسلام امن کے فروغ اور سلامتی کی ترویج کو عزیز رکھتا ہے۔ قرآن میں ہے:

Marfat.com

''اور اللہ ان کے خوف کو امن میں تبدیل فرما دے گا۔''(۲۴:۵۵)

حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

اللہ امن وسلامتی کے قیام میں کچھ اس طرح تمہارا حامی و مددگار ہوگا کہ گھر کی چار دیواری میں زندگی گزارنے والی پردہ نشین خاتون تن تنہا کسی محافظ ومعاون کے بغیر مدینہ سے الحمرا کا اس سے بھی لمبا سفر بلا تامل کر سکے گی۔اور کوئی چور اور رہزن اسے خوف زدہ نہ کر سکے گا۔(۲)

ایک آیت مبارکہ میں قرآن نے بڑے واضح الفاظ میں یہ اعلان بھی ضروری سمجھا کہ حضرت محمد ﷺ کی بعثت اور کتاب اللہ کے نزول کا اصل مقصد یہ ہے کہ بنی نوعِ انسان پر سلامتی کی راہیں کھول دی جائیں۔ارشاد ہوتا ہے:

''بیشک تمھارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور روشن کتاب آچکی ہے۔اللہ اس کے ذریعہ ان لوگوں کو جو اس کی رضا کے طلب گار ہیں سلامتی کے راستوں کی ہدایت کرتا اور اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے آتا ہے''۔(المائدہ:۱۵-۱۶)

اسلام کے نزدیک سلامتی اور امن کے راستے ہی دراصل روشنی کے راستے اور صراطِ مستقیم ہیں۔اور وہ راستے جو فتنہ وفساد اور خونریزی کی طرف جاتے ہیں اللہ کے نزدیک بنی نوعِ انسانی کی گزرگاہ بننے کے قابل نہیں ہیں۔(۳)

۴۔معاہدات کا احترام

اسلام نے اس اصول پر بطور خاص زور دیا ہے کہ معاہدات کا پورا احترام کیا جائے۔معاہدے پر عملدرآمد میں خیانت اور خلاف ورزی کو قطعاً حرام قرار دیا ہے اور نقضِ عہد کو بدترین عمل قرار دیا ہے اور اس امر کی طرف رہنمائی فرمائی ہے کہ معاہدے کا حقیقی مقصد امن اور سلامتی کو بحال کرنا ہے خواہ حالات کتنے ہی اضطراب انگیز اور تشویش ناک کیوں نہ ہوں اور اس بات سے خبردار کیا کہ معاہدے پر سختی سے عملدرآمد کیا جائے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''اے ایمان والو! اپنے معاہدات پورے کیا کرو۔'' (المائدہ:۱)

Marfat.com

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

''اور تم عہد کو پورا کرو یقیناً عہد کے بارے میں جواب دہی
کرنی ہوگی۔ (الاسراء:۱۷)

اور حد تو یہ ہے کہ ایک معاہد قوم کے خلاف مسلمان، مسلمانوں سے مدد کی اپیل کریں تو ایسا کرنے کی مجاز نہیں۔ قرآن میں ہے:

''اور اگر وہ دینی معاملہ میں تم سے مدد مانگیں تو ان کی مدد
کرنا تم پر واجب ہے ہاں اس قوم کے خلاف تم ان کی
مدد نہیں کر سکتے کہ تم میں اور ان میں معاہدہ ہو!''
(الانفال:۷۲)

البتہ دوسرا فریق اگر معاہدے کی خلاف ورزی کرے گا دشمن کی طرف سے بدعہدی کا اندیشہ ہو تو اسلام معاہدے کو توڑنے کی اجازت دیتا ہے۔ قرآن میں ہے:

''اگر آپ ﷺ دشمن سے خیانت اور بدعہدی کا اندیشہ ہو
تو پھر برسرِ عام معاہدہ ختم کر دیں۔ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے
والوں کو پسند نہیں کرتا۔'' (الانفال:۵۸)

۵۔ التوائے جنگ یا صلح

آپ ﷺ نے بلا جواز جنگ سے ہمیشہ گریز کیا اور ان راستوں کو پسند فرمایا جو صلح کی طرف مائل تھے اور جب بھی دیکھا کہ دشمن مائل بہ صلح ہے تو آپ ﷺ نے اسے قبول فرمایا۔ آنحضرت ﷺ کا یہ طرزِ عمل قرآن میں اس اشارہ کے بالکل عین مطابق تھا کہ

''(اے محمد ﷺ) اگر دشمن مائل بہ صلح ہو تو آپ بھی ایسا ہی
کریں اور اللہ پر بھروسہ کریں۔ بلاشبہ وہ سمیع و علیم ہے، اور
اگر وہ دھوکہ دینے کی تدبیر کریں گے تو اللہ کافی ہے۔ وہ خدا
ہی ہے جس نے خود آپ ﷺ کی اور مومنوں کی (ایسے موقع
پر بھی) مدد فرمائی۔'' (الانفال:۶۱-۶۲)

۶۔ بلا وجہ تنازع سے پرہیز

تمام بنی نوعِ انسان بحیثیت خلقت آپس میں برابر اور ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ کوئی شخص یا

Marfat.com

کوئی قوم، نسلِ انسانی، رنگ یا علاقہ کی بنیاد پر دوسرے سے برتر نہیں ہوسکتی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو، جس نے تمھیں ایک جان
سے پیدا کیا۔'' (النساء:۱)

اسلام نسلِ انسانی کی وحدت کا پیغامبر ہے اور اس کا تقاضا ہے کہ ایک عالمی انسانی برادری قائم کی جائے۔ لہٰذا بلاوجہ کسی سے تنازعہ پیدا کرنا ناجائز ہے۔ قرآن نے غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات کو وضاحت سے بیان فرمایا ہے۔ یعنی!

''اللہ تعالیٰ تمھیں ان لوگوں کے ساتھ نیکی اور انصاف کرنے
سے نہیں روکتا جنہوں نے تم سے جنگ نہیں کی۔ تمھیں
تمھارے گھروں سے نہیں نکالا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ انصاف
پسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ صرف ایسے (غیر مسلم) لوگوں سے
تمھیں دوستی پیدا کرنے سے روکتا ہے جنہوں نے تم سے
دین کے بارے میں جنگ کی، تمھیں گھروں سے نکالا اور
تمھارے بے گھر کرانے میں دشمنوں کی مدد کی اور جو بھی
ایسے لوگوں سے دوستی رکھے گا تو ایسے لوگ ظالم ہوں گے''۔
(الممتحنہ:۸-۹)

۷۔ حق کی معاونت اور ظلم سے اجتناب

رسول اللہ کی خارجہ پالیسی کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے ہمیشہ حق کی حمایت کی اور ظلم کی مخالفت کی۔ مسلمانوں کو جنگ کی اس لئے اجازت دی گئی کہ عدوان اور ظلم کو روکا جائے، دین کی آزادی برقرار رہے اور دعوتِ اسلامیہ کی نشر و اشاعت کی حفاظت کا سروسامان بہم پہنچ سکے۔ اسلام نے جہاں جنگ کی اجازت دی ہے وہاں طمع، انتقام اور کمزوروں پر ظلم و زیادتی سے بھی منع کیا ہے۔ مقصد یہ کہ امن اور ''سلامتی'' برقرار رہے، حالات سازگار اور پرامن ہوں اور عدل و انصاف کے زیرِ سایہ آدمی زندگی گزار سکے۔ ارشاد خداوندی ہے:

Marfat.com

''اور تمھیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں قتال نہیں کرتے ہو اور ان کمزور مردوں عورتوں اور بچوں کی راہ میں نہیں لڑتے ہو جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں اس آبادی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں اور اپنی طرف سے ہمارا کوئی دوست اور مددگار مقرر فرما دے۔''
(النساء:۷۵)

حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔

''خدا کی قسم، تمہیں ضرور نیکی کا حکم دینا ہوگا، برائی سے روکنا ہوگا، ظالم کے ہاتھ پکڑنے ہوں گے اور اسے حق کی طرف موڑ دینا اور حق پر مجبور کرنا ہوگا، ورنہ اللہ تعالیٰ تم سب کو ایک جیسا کر دے گا۔''

۸۔ اندرونی استحکام

کوئی بڑی سے بڑی سلطنت بھی جو سخت اندرونی خلفشار میں مبتلا ہو اکثر حقیر اور کمزور دشمنوں تک کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ تاریخِ عالم اس کی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ مدینہ کی پہلی اسلامی ریاست اپنے قیام کے وقت یہود و نصاریٰ اور خود انصار کے دو گروہوں اوس و خزرج کی پرانی عدوت کی وجہ سے عدمِ استحکام کا شکار تھی۔ دفاعِ مدینہ کے لئے ضروری تھا کہ ان تمام فرقوں اور گروہوں کو ایک سیاسی وحدت میں پرو دیا جائے۔ چنانچہ رسالت مآبؐ نے سب سے پہلے اس کیلئے کوششیں کیں اور تمام فریقین کو ایک معاہدہ پر متفق کیا۔ اس معاہدہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ میں مامون زندگی بسر کرنے اور قوت و طاقت اور وسائلِ عسکری کو فراہم کرنے میں اچھی طرح کامیاب ہو گئے۔ ساتھ ہی ساتھ مذہبی، اقتصادی اور معاشرتی اختلافات کے باوجود دفاعِ وطن کیلئے سب کو متحد اور صفِ واحد بنانے میں کامیاب ہو گئے۔ بیرونی حملے اور غارت گری کے خلاف بھی اور داخلی اختلافات کا تصفیہ اور فیصلہ کرنے میں بھی۔ علی الرغم اس بات کے کہ قلیل التعداد ہونے کے باوجود صرف مسلمان ہی جیشِ رسول ﷺ کی حیثیت رکھتے تھے اور دشمن کی غارت گری یا حملے کے وقت اس جیش پر آپ ﷺ اعتماد کر سکتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ ان کے دلوں میں عقیدۂ راسخ پیدا کرنے میں کامیاب ہوئے۔ یہ لوگ اس عقیدے کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے ان کے سامنے ایک مقصد اور نصب العین تھا جو بالکل صاف اور واضح تھا اور مسلمان اس

Marfat.com

کے تحفظ اور دفاع کیلئے اپنی ہر چیز قربان کرنے کو تیار تھے۔(۴) مسلمانوں کا یہ جذبہ ایثار وقربانی رسول اللہ ﷺ کی سیاست خارجہ میں کامیابیوں کا ایک بہترین اصول قرار پایا۔

۹۔فنونِ حرب کی ترقی واستفادہ

اگر کوئی مکمل اور مضبوط فوج حکومت کے پاس نہ ہوتو وہ ہر دشمن کیلئے ایک نہایت آسان شکار ہے۔دشمن اس کے بارے میں آس لگائے رکھتا ہے اور اس کی قوت وشوکت سے خائف نہیں ہوتا،لیکن اگر ایک مضبوط اور قوی فوج موجود ہوتو دشمن اس کی سنتا ہے اور اس کا احترام کرتا ہے اور وہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ اپنے شوق جور وستم کا اسے نشانہ بنائے۔لہٰذا امن وامان برقرار رہتا ہے۔اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے:

''ان کے مقابلے کیلئے جتنی طاقت مجتمع کر سکتے ہو کرلو۔اور گھوڑے پالو۔اس طریقے سے اپنے اور خدا کے دشمنوں پر اپنی دھاک بٹھا دو،اور اپنے ان دشمنوں کو بھی مرعوب کرو جنہیں تم نہیں جانتے خدا جانتا ہے،اور تم جو کچھ راہِ خدا میں خرچ کرو گے وہ تمہیں پورا پورا دے دیا جائے گا اور تم پر کسی طرح ظلم نہ ہونے پائے گا۔''(الانفال:۶۰)

جنگ کے سلسلے میں اسلام نے ایک تو قوت و طاقت کے سروساماں اور دوسرے رباط کا بندوبست یعنی اسلحہ وسامان پر زور دیا ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''کافر تو یہی چاہتے ہیں کہ تم اپنے اسلحہ اور سامان سے ذرا غافل ہوتو وہ تم پر ایک ہی دفعہ ٹوٹ پڑیں۔''

اس طرح اسلام اسلحہ سازی کیلئے معاملِ حربیہ کا سامان بہم پہنچانے کی بھی ترغیب دیتا ہے اور فولاد وآہن کا بطور خاص اس سلسلے میں ذکر کرتا ہے کہ عسکری اغراض کیلئے اس سے استفادہ کیا جائے۔ قرآن میں ہے:

''اور ہم نے لوہا اتارا،جس میں شریک جنگ کا (زور) بھی ہے اور لوگوں کیلئے منافع بھی،تاکہ اللہ معلوم کرے کہ کون اس کی اور اس کے پیغمبروں کی مدد کرتا ہے۔بیشک خدا قوی اور غالب ہے۔''(الحدید:۲۵)

Marfat.com

رسولِؐ خدا نے فوجی تربیت کی ہر طرح سے حوصلہ افزائی فرمائی۔ آپ ﷺ بہ نفس نفیس گھڑ دوڑ کے میدان میں جاتے اور جیتنے والوں میں انعامات تقسیم فرماتے۔ تیر اندازوں کو نشانہ بازی کی مشق کرائی جاتی۔ پتھر پھینکنے کی تربیت دی جاتی اور اسی طرح کے دوسرے فنونِ حرب میں نوجوانوں کو مہارت دلائی جاتی۔ رسولِؐ خدا ایسے مواقع پر اکثر موجود ہوتے جس سے نوجوانوں کی زبردست حوصلہ افزائی ہوتی۔ نیز رسول اللہ ﷺ نے ہر جنگ سے پہلے پوری طرح سامان مکمل کیا اور اپنی مادی و معنوی انتہائی طاقت اکٹھی کرنے میں کبھی تردد سے کام نہ لیا۔ اسلحہ سازی کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے یہ اشارہ فرما کر بھی مسلمانوں کی حوصلہ افزائی فرمائی کہ

> ''ایک تیر تین مسلمانوں کے داخلہ جنت کا سبب بن جاتا ہے۔ (۱) جہاد فی سبیل اللہ میں تیر اندازی کرنے والے کو (۲) بنانے والا جو اپنے عمل میں ثواب و اجرِ خداوندی کا یقین رکھتا ہو اور (۳) اس شخص کو جو گرے ہوئے تیر اٹھا اٹھا کر، پھر تیر انداز کے حوالے کرتا ہے۔ پس تم تیر اندازی کیا کرو۔ اسپ رانی کیا کرو، اور ہاں! تمھاری تیر اندازی، تمہاری اسپ رانی سے مجھے زیادہ عزیز ہے۔''

۱۰۔ خبر رسانی

دشمن سے مامون رہنے کیلئے ضروری ہے کہ اپنی قوت اور مواصلات کی نگہبانی کی جائے، دشمن کو معلومات حاصل کرنے سے روکا جائے۔ نیز دشمن کی فوجی تیاریوں اور سیاسی چالوں کا بھی بروقت پتہ لگایا جائے تاکہ دشمن اچانک حملہ نہ کر سکے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی فوجوں کی حفاظت کیلئے تمام غزوات میں انتظام کئے اور اپنی کوشش پوری طرح صرف کر دی کہ دشمن کو معلومات حاصل نہ ہو سکیں اور اسی طرح وہ امن میں رہ سکیں (۵) آپ ﷺ نے اپنے تمام اعمال میں راز داری سے کام لیا اور مسلمانوں کو اپنے راز محفوظ رکھنے کی ترغیب دی۔ آنحضرت ﷺ کے پاس دشمن کے متعلق معلومات حاصل کرنے کا پورا بندوبست موجود تھا۔ اسلامی مملکت کے شعبہ اطلاعات کو خاص طور پر فروغ دیا گیا۔ ملک کے اندر اور باہر نامہ نگار مقرر کئے گئے جو مکہ، نجد، طائف اور متعدد دوسرے مقامات کے اسلام کے زیر نگین آنے سے قبل بھی رسول اللہ ﷺ کو پل پل کی خبریں ارسال کرتے رہتے تھے۔

Marfat.com

۱۱۔معاشی دباؤ یا ناکہ بندی

آنحضرت ﷺ کی خارجہ پالیسی کا اساسی کلیہ یہ تھا کہ مخالف عناصر کا خون بہانے کی بجائے اسے بے بس کر دیا جائے تا کہ وہ تعاون کرے یا وہ مزاحمت چھوڑ دے۔ یہ کلیہ خاص طور پر قریشِ مکہ کے خلاف اپنایا گیا۔ مدینہ چونکہ قریش کی معروف تجارتی گزرگاہ کے سرے پر واقع تھا اور یہ سب جانتے ہیں کہ قریش نے آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کے پیروکاروں کو کس طرح تکلیفیں دے کر ترکِ وطن پر مجبور کیا تھا۔ آپ ﷺ نے مختلف اقدامات فرما کر قریشی کاروانوں کا راستہ بند کر دیا۔ تا کہ معاشی دباؤ میں آکر وہ مسلمانوں کی دشمنی ترک کر دیں۔

۱۲۔تالیفِ قلبی

سیاسی مقاصد کیلئے مملکت کی خفیہ سروس، نومسلموں اور غیر مسلموں کی امداد و اعانت کی گنجائش اسلام میں رکھی گئی ہے۔ قرآنی آیت میں کہا گیا ہے:

> ''زکوٰۃ مفلسوں کیلئے ہے اور محتاجوں (غیر مسلموں میں) کے لئے۔ اور وہ ان کیلئے جو اس (کی وصولی) کا کام کرتے ہیں۔ اور ان کیلئے جن کی تالیف مطلوب ہے اور اسیروں اور غلاموں کی گردن چھڑانے (آزاد کرانے) کیلئے، اور قرضہ داروں کے قرض ادا کرنے کیلئے، اور اللہ کی راہ میں (صرف کرنے کیلئے) اور مسافروں کیلئے، یہ اللہ کی طرف سے مقرر کیا ہوا (فرض) ہے اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔'' (توبہ:۶۰)

محسنِؐ انسانیت نے تالیفِ قلبی کے اصول کے تحت دشمنوں تک کی مدد فرمائی تا کہ ان میں مسلمانوں کے بہی خواہ پیدا ہوں اور مختلف مواقعوں پر ان سے فائدہ اٹھایا جائے۔

۱۳۔انسانی خون کی عزت

رسول اللہ ﷺ نے اپنی جنگوں میں ہمیشہ انسانیت کے احترام کا اصول مقدم رکھا اور کسی بے گناہ کو کبھی کوئی تکلیف نہیں پہنچائی اور ہمیشہ بے گناہوں کے مال اور جان کی حفاظت کے خواہشمند رہے۔ مسلمان غزوہ موتہ پر جانے لگے تو رسول اللہ ﷺ نے وصیت فرمائی کہ

Marfat.com

''عورتوں ،بچوں ،اور معذور لوگوں کو قتل نہ کیا جائے ،کسی
مکان کو نہ گرایا جائے ،کوئی درخت نہ کاٹا جائے۔''

یہی وجہ ہے کہ عہدِ نبوی ﷺ میں دس سال میں دس لاکھ مربع میل سے زیادہ کا علاقہ فتح ہوا جس میں یقیناً کئی ملین آبادی تھی۔اسی طرح روزانہ تقریباً ۲۷۴ مربع میل کے اوسط سے دس سال تک فتوحات کا سلسلہ ہجرت سے وفات تک جاری رہا۔ان فتوحات میں دشمن کے ماہانہ دو سے بھی کم آدمی قتل ہوئے۔اسلامی فوج کا نقصان اس سے بھی کم ہے۔(٦)

ارشادِ نبوی ﷺ ہے۔

''میں رحمت کا پیغمبر ہوں، میں جنگ کا پیغمبر نہیں ہوں۔''

۱۴۔ بین الاقوامی اصولوں کی پاسداری

اسلام کا بین الاقوامی قانون قاصدوں اور سفیروں کو امن دینے اور ان کی حفاظت کرنے پر مشتمل ہے ، انہیں کسی حالت میں بھی کوئی اذیت نہیں پہنچائی جا سکتی۔مسیلمہ کذاب کے دو قاصد ابن النورجہ اور ابن اتال جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔حضور ﷺ نے ان سے فرمایا کیا تم اس بات کی گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ انہوں نے کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ مسیلمہ اللہ کا رسول ہے۔اس پر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا، اگر میں کسی قاصد
کو قتل کرنے والا ہوتا تو تمہیں قتل کر دیتا''۔

●○●○●○●

Marfat.com

حوالہ جات باب سوم

۱۔ ڈاکٹر حمید اللہ، "محمد رسول ﷺ" ترجمہ نذیر حق، نقوش۔ جلد۲، ص۵۴۴

۲۔ احمد بن حنبل، مسند احمد

۳۔ کوثر نیازی، "اسلام ہمارا دین"، ص۷۳۔۷۴

۴۔ رئیس احمد جعفری، "حضور بحیثیت سپہ سالار"، ص ۸۸۔۸۹

۵۔ ڈاکٹر حمید اللہ، "محمد رسول اللہ ﷺ"، نقوش، جلد۲، ص۶۲۲

۶۔ ڈاکٹر حمید اللہ، "رسولِ اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی"، ص۲۲۴

Marfat.com

باب:۴

ہجرت: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاستِ خارجہ کی بنیاد

ساری تاریخِ انسانی نقلِ مکانی یا ہجرت کے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ جب کبھی حالات ایک شہر، خطے، علاقے یا ملک میں ایسے سنگین ہوئے کہ وہاں کے باشندوں کی جان و مال کو شدید خطرہ لاحق ہوا اور ان کیلئے اپنے ہی علاقے میں رہائش رکھنا مشکل ہو گیا تو وہ اس کو چھوڑ کر کسی دوسری جگہ کی طرف نقلِ مکانی کر گئے۔ ماضی میں لوگوں کی یہ نقلِ مکانی انفرادی اور اجتماعی دونوں نوعیت کی تھی۔

تاریخ میں ہجرت کے واقعات کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ نقلِ مکانی کے اسباب و محرکات اور مقاصد مختلف رہے ہیں۔ کبھی قحط اور آسمانی آفت کے خوف سے لوگ ایک جگہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ آباد ہوئے۔ کسی نے روزگار کی تلاش میں نئے علاقہ میں قیام کیا، کوئی سیر و سیاحت کی غرض سے نکلا۔ کئی ایک غلام بنا کر دوسرے علاقوں میں فروخت کر دیئے گئے۔ کئی ایک مفتوح ہونے کے بعد جنگی قیدیوں کی شکل میں سزا کے طور پر نئے خطوں میں بسائے گئے، کئی دشمن کے خوف سے اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور ہوئے اور بعض دفعہ ایمان و عقیدہ کے تحفظ کی خاطر نقلِ مکانی پر مجبور ہوئے۔

جس طرح ان ہجرتوں کے اسباب و مقاصد مختلف تھے اس طرح ان کے اثرات اور نتائج بھی مختلف تھے۔ کئی واقعات کے نتیجے میں جنگیں ہوئیں اور قومیں تباہ و برباد ہوئیں۔ لیکن بعض ہجرتیں ایسی بھی ہوئیں جنہوں نے انسان کی فلاح و بہبود اور تہذیب و تمدن کے ارتقاء میں خاص طور پر مثبت کردار سرانجام دیا۔ ان میں سرِ فہرست حضرت آدمؑ کی ہجرت ہے۔ جسے ''ہبوط'' کا نام دیا گیا۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ اور حواؑ کو شجرِ ممنوعہ کو چھونے یا اس کے قریب جانے سے منع کیا لیکن شیطان کے بہکاوے میں آ کر وہ اس کے حکم کی تعمیل نہ کر سکے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں جنت کی بلندیوں سے نکال کر زمین کی طرف بھیج دیا۔ یہ انسان کی پہلی ہجرت تھی جو آسمانوں سے زمین کی طرف کی گئی۔ پھر حضرت آدمؑ اور حواؑ کے اکٹھے ہونے پر انسانی زندگی کا پھیلاؤ شروع ہوا جو عقل، علم، ارادہ اور جذبات و احساسات کی بناء پر اشرف المخلوقات قرار دی گئی۔ پھر حضرت آدمؑ کی وفات کے ۱۰۵۶ برس بعد حضرت نوحؑ پیدا ہوئے۔ کئی سو سال تک قوم نے حضرت نوحؑ کی دعوتِ حق کے باوجود احکامِ الٰہی کی پرواہ نہ کی اور حضرت نوحؑ اور ان کے

Marfat.com

چند پیروکاروں پر ظلم وستم انتہا تک پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر وحی نازل کی اور فرمایا کہ اب اس قوم پر محنت فضول ہے، جو ایمان لا چکے سو لا چکے، غرقابی اس کا مقدر بن چکی ہے۔ حضرت نوح نے حکمِ الٰہی کی تکمیل کرتے ہوئے کشتی بنائی اس میں اپنے پیروکاروں سمیت سوار ہو گئے۔ پھر ہر طرف چشمے اگلنے لگے اور آسمان سے پانی برسنے لگا۔ اس طوفانِ وبادوباراں میں قومِ نوحؑ تباہ ہوئی اور کشتی اپنے سواروں کو لے کر کوہِ جودی پر جا رکی جہاں حضرت نوحؑ اور ان کے ساتھیوں نے ''سوق الثمانین'' نامی بستی قائم کی۔

حضرت نوحؑ کی وفات کے تین سو سال بعد حضرت ابرہیمؑ عراق میں پیدا ہوئے، جہاں بُت پرستی اور شرک کا دور دورہ تھا۔ جب انہوں نے اس کے خلاف نعرۂ حق بلند کرتے ہوئے توحید کی تبلیغ کی تو گھر سے نکال دیئے گئے بلکہ نمرود کی آگ میں جھونکے گئے۔ اللہ کی رحمت سے محفوظ رہے لیکن وطن چھوڑنا پڑا اور فلسطین کی طرف چلے گئے۔ پھر یہیں اہل وعیال کو چھوڑ کر دینِ حنیف کی خاطر مصر کی طرف ہجرت کی۔ جہاں کے بادشاہ کی بیٹی حاجرہ سے نکاح کیا اور حضرت اسمٰعیلؑ پیدا ہوئے۔ حضرت اسمٰعیل نے وادیٔ غیر ذی زرع کو اپنا وطن بنایا جسے بعد میں مکہ کے نام سے عالمگیر شہرت ملی۔ پھر بیت اللہ کی تعمیر ہوئی۔ بعد میں عالم اسلام کا ہمیشہ ہمیشہ کیلئے مرکز قرار پایا۔

حضرت یوسفؑ کے بھائی ان سے حسد کرتے تھے۔ انہوں نے سازش کر کے انہیں کنویں میں پھینک دیا جہاں سے گزرنے والا ایک قافلہ انہیں نکال کر مصر لے گیا اور ایک سردار کے پاس بطور غلام فروخت کر دیا۔ فلسطین سے مصر کی طرف یہ ہجرت ایک تو انفرادی تھی اور دوسرا جبری۔ اس واقعہ کی اہمیت کا اندازہ اس طرح لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت یوسفؑ پہلے قیدر ہے، پھر ایک وقت آیا جب وہ عزیزِ مصر کے وزیر مقرر ہوئے اور پھر خود حکمران بنے۔ اس کے بعد خود ان کے والدین اور بھائی بھی نقلِ مکانی کر کے مصر میں آ گئے۔

اسی طرح حضرت موسیٰؑ نے بنی اسرائیل کی مدد کیلئے مصر کو خیر باد کہا اور مدین میں قیام پذیر ہوئے۔ پھر دوبارہ اپنی قوم کو فرعون کے ظلم وستم سے بچانے کیلئے حکمِ الٰہی سے حضرت ہارون کے ساتھ مصر پہنچے۔ لیکن حالات پھر پریشان کن رہے اور مجبوراً اپنی قوم کو لے کر ہجرت کی غرض سے نکل پڑے۔ اس ہجرت میں لاکھوں افراد نے حصہ لیا_____! فرعون پیچھا کرتے ہوئے سمندر میں اپنے لشکر سمیت غرق ہوا۔ لیکن حضرت موسیٰؑ اپنی قوم سمیت سمندر پار کر گئے۔ اور صحرائے سینائی میں قیام پذیر ہوئے، پھر فلسطین میں جا کر بسے جہاں لوگوں کے نظریات، معاشرت اور سیاست پر گہرے اثرات مرتب کئے اور طاقتوں کے بدل کا سبب بنے۔

بعض محققین کے مطابق جب ابتدائی عربوں نے صحرا کو بطور وطن اپنایا تو رفتہ رفتہ ان کی تعداد

Marfat.com

میں اس قدر اضافہ ہوا کہ صحرا کی بے رحم آب و ہوا اور قلیل پیداوار ان کی کفالت نہ کرسکی اس لئے ان کی کثیر تعداد نے ہلال زرخیز کی طرف ہجرت کی۔ان کا کہنا ہے کہ اس قسم کی ہجرت ہر ہزار سال بعد ہوتی تھی۔اس قسم کی سامی النسل عربوں کی پہلی ہجرت ۳۵۰۰ قبل مسیح ہوئی۔جس کی فاضل آبادی وادی نیل اور پھر مصر میں جا کر آباد ہوئی۔تقریباً اسی دور میں دوسری ہجرت ہوئی جس میں ہجرت کرنے والوں نے وادیٔ دجلہ وفرات پر قیام کیا۔مقامی آبادی اور مہاجرین کے امتزاج سے ایک مخلوط نسل پیدا ہوئی جو تاریخ میں اہلِ بابل کے نام سے مشہور ہوئی۔سامی النسل کی ایک اور ہجرت تقریباً ۲۵۰۰ قبل مسیح ہوئی۔۱۵۰۰ ق م اور ۱۲۰۰ ق م کے درمیان عبرانیوں نے جنوبی شام، فلسطین اور آرمینیہ کی طرف ہجرت کی، تقریباً پانچویں صدی قبل مسیح میں اہل انباط نے جزیرہ نما سینائی کے شمال مشرقی علاقے کی طرف ہجرت کر کے وہاں کی وطنیت اختیار کی۔

جدید تاریخ میں بھی نقلِ مکانی کے کئی ایک ایسے واقعات موجود ہیں کہ جن کی بناء پر بعض اوقات ملکوں کی جغرافیائی حالت تک بدل گئی۔پہلی اور دوسری جنگِ عظیم میں لاکھوں باشندے یورپی ممالک میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے۔اسرائیلی ریاست کے قیام کے بعد ہزاروں فلسطینی باشندوں کو ان کے وطن سے نکال دیا گیا جس کی بناء پر پورا مشرقِ وسطیٰ جنگ کی لپیٹ میں رہا۔۱۹۴۷ء کے بعد لاکھوں مسلم باشندے ہندوستان سے نئی ریاست پاکستان آنے پر مجبور ہوئے۔پاکستان کے بعض شہروں میں مہاجرین کی کثیر تعداد میں آبادکاری کے باعث آبادی کا توازن بگڑا اور مہاجرین کی تعداد مقامی آبادی سے زیادہ ہوئی تو بہت سے مسائل نے جنم لیا نتیجۃً تشدد اور فسادات ہوئے۔۱۹۷۱ء میں مشرقی پاکستان کے لاکھوں رہائشیوں کی ہندوستان کی طرف نقل مکانی کا بہانہ بنا کر ہندوستان نے پاکستان پر حملہ کیا۔نتیجۃً ایک نیا ملک بنگلہ دیش معرضِ وجود میں آیا_____ ۱۹۷۹ء میں عالمی طاقت سوویت یونین کی افغانستان میں براہِ راست فوجی مداخلت کے نتیجہ میں لاکھوں افغان باشندے نقل مکانی کر کے پاکستان، ایران اور دیگر ممالک میں پناہ گزین ہوئے۔پاکستان اور ایران میں بیٹھ کر ان مہاجرین نے سوویت یونین کے خلاف منظّم گوریلا جنگ لڑی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ سوویت یونین کو افغانستان سے اپنی فوجیں نکالنا پڑیں۔ممکن تھا کہ افغان باشندے اپنے ملک میں رہتے ہوئے ایک غیر ملکی طاقت کو وہاں سے نکالنے میں کامیاب نہ ہوتے۔پاکستان اور ایران میں پناہ گزین ہو کر وہ سوویت یونین کے خلاف محاذ بنانے کی بہتر پوزیشن میں تھے_____!

نقل مکانی اور ہجرت کے ان مختلف واقعات کے تاریخی پس منظر سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ہجرت کرنے والے علاقوں، خطوں اور ملکوں کی معاشرت، معیشت اور سیاست پر اس طرح سے اثر انداز

Marfat.com

ہوتے ہیں کہ بعض اوقات ملکوں کا جغرافیہ تک بدل جاتا ہے۔ کئی قومیں تباہ و برباد ہو جاتی ہیں تو کئی ایک جنم لیتی ہیں، کئی خطے برباد ہوتے ہیں تو کئی آباد۔ ہجرت کے واقعات کے تحت ان مختلف پہلوؤں کا تعلق براہ راست ملکوں کی اندرونی سیاست سے بھی ہے اور بیرونی سیاست سے بھی۔۔۔۔! اسی تناظر میں جب ہم ''ہجرتِ حبشہ'' اور ''ہجرتِ مدینہ'' کے واقعات اور عالمگیر اثرات کا جائزہ لیں گے تو یہ حقیقت سامنے آئے گی کہ دورِ نبویؐ میں واقع ہونے والی ان ہجرتوں نے کس طرح دنیا کا نقشہ بدل کر رکھ دیا۔

ہجرتِ حبشہ

جب حضور پاک ﷺ نے نبوت کا اعلان فرمایا اور تمام اہلِ مکہ کو توحید کا پیغام پہنچایا تو کفار مکہ اپنے بتوں کی مخالفت برداشت نہ کر سکے اور حضورؐ کے خلاف ہو گئے اور طرح طرح کی اذیتیں دیں۔ کون سا ایسا ظلم تھا جو ان کفار نے آپؐ پر روا نہ رکھا تھا۔ حتیٰ کہ ایک مرتبہ نماز کی حالت میں آپؐ کی گردن مبارک میں چادر ڈال کر گھسیٹا اور نیچے گرایا گیا۔ لیکن حضور ﷺ پایۂ استقامت سے پیغامِ حق کو لوگوں تک پہنچانے کا فرض نبھاتے رہے۔ حتیٰ کہ بعض ایسی شخصیات نے اسلام قبول کیا جن کو قریشِ مکہ میں ممتاز مقام حاصل تھا۔ اس طرح قریش نے جب محسوس کیا کہ اسلام کا دائرہ وسیع ہوتا چلا جا رہا ہے تو انہوں نے اپنے ظلم و ستم میں اور اضافہ کر دیا۔ ان حالات میں آنحضرت ﷺ نے اپنے صحابہؓ کی ایک جماعت کو حبشہ کی طرف ہجرت کا حکم فرمایا جہاں کا عیسائی حکمران نجاشی بڑا منصف مزاج اور رحمدل تھا۔ اس جماعت میں گیارہ مرد اور چار عورتیں شامل تھیں۔ ان کے نام حسب ذیل ہیں:

(۱) حضرت عثمانؓ بن عفان
(۲) حضرت رقیہؓ (جو رسول کریمؐ کی صاحبزادی تھیں)
(۳) حضرت ابوحذیفہؓ
(۴) حضرت سہلہؓ بنت سہیل
(۵) حضرت مصعبؓ بن عمیر
(۶) حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف
(۷) حضرت ابوسلمہؓ
(۸) حضرت ام سلمہؓ بنت ابی امیہ
(۹) حضرت عثمانؓ بن مظعون جمحی
(۱۰) حضرت عامرؓ بن ربیعہ
(۱۱) حضرت لیلیٰ بنت ابی حشمہ
(۱۲) حضرت ابوسبرہؓ بن ابی رہم
(۱۳) حضرت حاطبؓ بن عمرو
(۱۴) حضرت سہیلؓ بن بیضا
(۱۵) حضرت عبداللہؓ بن مسعود (۱)

بعض مؤرخین کی رائے ہے کہ حبشہ کی طرف ہجرت انہی لوگوں نے کی جو کمزور تھے اور جن کا کوئی حامی و مددگار نہ تھا۔ یہ رائے ہجرتِ حبشہ کے مقاصد کی اہمیت کو کم کرنے کی کوشش کی ہے۔ حقیقتاً ان

Marfat.com

میں وہ لوگ بھی شامل تھے جن کی مالی حالت مستحکم تھی اور معاشرتی اور اور سیاسی حیثیت مسلمہ تھی۔ مہاجرین کی فہرست میں ہر درجہ کے لوگ نظر آتے ہیں۔ حضرت عثمانؓ بنوامیہ سے تھے جو سب سے زیادہ صاحب اقتدار خاندان تھے۔ زبیرؓ اور مصعبؓ کا تعلق خود آنحضرتؐ کے خاندان سے تھا۔ عبدالرحمٰنؓ بن عوف اور ابوسبرہؓ معمولی لوگ نہ تھے۔ (۲)

اس سے دو پہلوؤں کا اندازہ ہوتا ہے ایک تو یہ کہ قریش کی ایذا رسانیوں کا سلسلہ محض غریب اور کمزور مسلمانوں تک محدود نہ تھا بلکہ ان کا نشانہ ہر طرح کے مسلمان تھے۔ دوسرا یہ کہ حبشہ کی طرف ہجرت کا فرمان دے کر حضورﷺ محض ایک محفوظ مامون پناہ کی تلاش ہی نہ چاہتے تھے بلکہ ان کے نزدیک ایک ایسی جماعت کی تیاری مقصد تھا جو سمندر پار جا کر حبشہ کے عوام بادشاہ اور حکومت کے طور طریقے اور مزاج کو سیکھیں اور اسلام کی مقبولیت کے لئے لائحہ عمل تیار کریں ____ ! اگرچہ مہاجرین کی جماعت حبشہ میں محض تین ماہ ٹھہری اور غلط خبر کی بناء پر انہیں واپس مکہ آنا پڑا۔ لیکن اس سے جو فوائد آپؐ حاصل کرنا چاہتے تھے وہ حاصل ہو چکے تھے۔

انہی حالات میں مکہ سے حبشہ کی طرف دوسری ہجرت واقع ہوئی۔ اس دفعہ ہجرت کرنے والوں میں ۸۳ مرد اور ۱۸ عورتیں شامل تھیں۔ قریش نے سمندر تک ان کا تعاقب کیا مگر یہ لوگ کشتیوں میں بیٹھ کر روانہ ہو چکے تھے۔ (۳) یہ صورت حال کفار مکہ کے لئے پریشان کن تھی۔ انہوں نے عبداللہ بن ربیع اور عمرو بن عاص پر مشتمل وفد کو قیمتی تحائف دے کر نجاشی کے پاس بھیجا اور استدعا کی کہ مہاجرین کو اپنی سلطنت سے نکال دے۔ نجاشی نے مسلمانوں کو دربار میں طلب کیا اور صورت حال کی وضاحت چاہی اس پر مہاجرین کے قائد جناب جعفرؓ بن ابی طالب نے یہ جواب دیا:

> ''اے بادشاہ! ہم جہالت میں مبتلا تھے، بتوں کو پوجتے تھے، نجاست میں آلودہ تھے، مردار کھاتے تھے، بیہودہ بکا کرتے تھے، ہم میں انسانیت اور سچی مہمانداری کا نشان نہ تھا۔ دور ہمسایہ کی رعایت نہ تھی۔ کوئی قاعدہ و قانون نہ تھا، ایسی حالت میں خدا نے ہم میں سے ایک بزرگ کو مبعوث کیا۔ جس کی حسب و نسب، سچائی و دیانتداری، تقویٰ، پاکیزگی سے ہم خوب واقف تھے۔ اس نے ہم کو بتوں کی پوجا سے روکا۔ اس نے فرمایا کہ ہم سچ بولا کریں، وعدہ پورا کیا کریں، گناہوں سے دور رہیں، برائیوں سے بچیں، اس

Marfat.com

نے حکم دیا کہ نماز پڑھیں، صدقہ دیا کریں اور روزے رکھا
کریں، ہماری قوم ہم سے ان باتوں پر بگڑ بیٹھی ہے۔قوم
نے جہاں تک ہو سکا ہم کو ستایا تا کہ ہم وحدہٗ لاشریک کی
عبادت کرنا چھوڑ دیں اور لکڑی اور پتھر کی مورتوں کی پوجا
کرنے لگ جائیں۔ہم نے ان کے ہاتھوں بہت ظلم اور
تکلیفیں اٹھائی ہیں اور جب مجبور ہو گئے، تب تیرے ملک
میں پناہ لینے کیلئے آئے ہیں۔''(۴)

اس تقریر سے نجاشی بڑا متاثر ہوا اور مہاجرین کو اپنے ملک میں رہنے کی اجازت دے دی۔قریشِ مکہ کے وفد نے جب نجاشی تک رسائی حاصل کی اور کہا کہ

''وہ مسلمانوں سے حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں ان کا عقیدہ
معلوم کریں''۔

ان کا خیال تھا کہ مسلمان چونکہ حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا سمجھنے کی بجائے خدا کا بندہ سمجھتے ہیں اس لئے نجاشی ان سے برہم ہو جائے گا۔اس سوال پر مسلمانوں کی دوبارہ طلبی ہوئی تو حضرت جعفرؓ نے جواب دیا۔

''وہ حضرت عیسیٰؑ اللہ کے بندے، اس کے رسول روحِ الٰہی
اور کلمتہ اللہ ہیں جو اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کو مرحمت
فرمایا۔''

اس پر نجاشی نے کہا کہ ''خدا کی قسم جو کچھ تم نے کہا حضرت عیسیٰ ذرہ بھر بھی اس سے زیادہ نہ تھے۔''

بعد میں پیش آنے والے واقعات کا تذکرہ ضروری نہیں۔بہر حال ان واقعات کا نتیجہ یہ نکلا کہ کفار مکہ کا بھیجا ہوا وفد ناکام لوٹا اور مسلمانوں کو حبشہ میں قیام کی نہ صرف اجازت ملی بلکہ خود حاکمِ حبشہ نے اسلام قبول کیا اور تا حیات اس عقیدے پر قائم رہا۔بعض مستشرقین ہجرتِ حبشہ کو ایک معمولی واقعہ قرار دے کر اس کا سطحی تذکرہ کرتے ہیں یا اسے ناکام قرار دیتے ہیں۔جبکہ اس ہجرت سے اسلام ایک براعظم سے دوسرے براعظم پہنچا۔عرب وعجم کی تفریق ختم ہوئی اور سیاہ وسفید کا فرق مٹا۔ان عظیم فوائد کے باوجود ہجرتِ حبشہ کو کس طرح ناکام قرار دیا جا سکتا ہے۔

Marfat.com

ہجرتِ مدینہ

دعوت وتبلیغِ اسلام اور ہجرتِ حبشہ میں آنحضرت ﷺ کو بعض اہم کامیابیاں نصیب ہوئیں اور حضرت حمزہؓ، حضرت عمرؓ ابن الخطاب، طفیلؓ بن عمرو دوسی اور ابو ذر غفاریؓ جیسی ہستیاں دائرہ اسلام میں داخل ہوگئیں تو قریش نے ظلم وستم کی انتہا کردی۔ کیونکہ قریش کی اکثریت توحید سے انکار اور بت پرستی پر بضد تھی۔ ان حالات میں آپ ﷺ نے عقبۂ ثانیہ کی بیعت کے بعد مسلمانوں کو یثرب کی طرف ہجرت کر جانے کی اجازت فرمائی۔ کفارِ مکہ نے جب دیکھا کہ وہ مہاجرین جو مدینہ جا ٹھہرے ہیں آہستہ آہستہ ایک قوت بن کر ابھر رہے ہیں اور مکہ میں مسلمانوں کی تعداد ہجرت کی وجہ سے کم ہوگئی ہے تو آپ ﷺ کو قتل کرنے کے منصوبہ پر غور کرنے کیلئے دارالندوہ میں خفیہ اجلاس بلایا جس میں چند قبائلی سردار شیبہ وعتبہ، ابو سفیان، طینہ بن عدی، حارث بن عامر، نفر بن حارث بن کلدہ، ابوالبختری بن ہشام، زمعہ بن اسود، حکیم بن حزام، ابوجہل بن ہشام اور امیہ بن خلف وغیرہ شامل تھے۔ (۵)

رسول اللہ ﷺ کے قتل کے منصوبے، طائف کے سفر میں ایذا رسانی، شعب ابی طالب میں نظر بندی کے تین سال یہ جو کچھ ہوا بقول شبلی نعمانی ''گو نہایت دردانگیز اور حسرت خیز تھا، لیکن تعجب انگیز نہ تھا، دنیا کی تاریخ میں کوئی ایسی مثال نہیں ہے کہ نامانوس اور اجنبی صدائیں بہ رغبت سن لی گئی ہوں۔ حضرت نوحؑ کو سینکڑوں برس تک قوم کی نفرت اور وحشت کا سامنا رہا۔ یونان دنیا کی شائستگی کا معلمِ اول ہے تاہم اسی حکمت کدہ میں سقراط کو زہر کا پیالہ پینا پڑا۔ حضرت عیسیٰ کو دار ورسن کا منظر پیش آیا۔ اس بناء پر عرب اور قریش نے جو کچھ کیا وہ سلسلۂ واقعات کی غیر معمولی کڑی نہ تھی۔ لیکن غور طلب یہ ہے کہ اس کے مقابلے میں سرورِ دوعالم (ﷺ) نے کیا کیا؟

سقراط زہر کا پیالہ پی کر فنا ہوگیا، حضرت نوحؑ نے مخالفت سے تنگ آکر قیامت خیز طوفان کی استدعا کی اور دنیا کا ایک بڑا حصہ برباد ہوگیا، حضرت عیسیٰؑ تیس چالیس اشخاص کی مختصر جماعت کر کے بروایتِ نصاریٰ سولی پر چڑھ گئے۔ لیکن سرورِ کائنات ﷺ کا فرض ان سب سے بالاتر تھا۔ (۶)

حضرت خباب بن الارتؓ نے جب قریش کی ایذا رسانیوں سے تنگ آکر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ آپ ﷺ ان کے حق میں بددعا کیوں نہیں فرماتے؟ تو آپ ﷺ کا چہرہ سرخ ہو گیا اور فرمایا کہ

''تم سے پہلے وہ لوگ گزرے ہیں جن کے سر پر آرے
چلائے جاتے اور چیر ڈالے جاتے تھے تاہم وہ اپنے فرض

Marfat.com

سے باز نہ آئے، خدا اس کام کو پورا کرے گا، یہاں تک کہ
شتر سوار صنعاء سے حضر موت تک سفر کرے گا اور اس کو خدا
کے سوا کسی کا ڈر نہ ہوگا۔'' (۷)

حضرت محمد ﷺ مشکلات و مصائب کے حالات میں حکمِ الٰہی سے مدینہ ہجرت کر گئے۔ ارشاد ربانی نازل ہوا کہ

ترجمہ:۔ ''اور اے نبی دعا کیجئے کہ میرے رب مجھے داخل کر
سچائی کے ساتھ داخل ہونے کی جگہ اور مجھے نکال سچائی کے
ساتھ نکلنے کی جگہ سے اور کسی طاقت کو مددگار بنا دے۔''

اور پھر ایک دن آیا جب آپ ﷺ کی مذکورہ پیش گوئی درست ثابت ہوئی، اسلام نہ صرف پورے عرب کا مذہب ٹھہرا بلکہ یمن و بحرین سے باہر حبشہ و روم تک جا پہنچا۔۔۔۔ ہجرتِ مدینہ اس منزل کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ ہجرتِ مدینہ کے واقعات ہمارا موضوعِ بحث نہیں بلکہ حضور ﷺ کی خارجہ حکمت عملی کے ایک اہم پہلو کی حیثیت سے ہجرت کی اہمیت کا جائزہ لینا مقصود ہے۔

حضور پاک ﷺ کے مدینہ جا بسنے کے بعد یہ حکم عام تھا کہ جو شخص مسلمان ہو وہ مدینہ ہجرت کر آئے۔ ارشادِ ربانی ہوا:

''جب تک یہ لوگ خدا کی راہ میں ہجرت نہ کر جائیں اس
وقت تک ان میں سے کسی کو دوست نہ بناؤ۔''
(النساء: ۱۱)

ایک اور جگہ ہے:

''اور وہ لوگ جو ایمان تو لائے لیکن ہجرت نہیں کی تو تم کو ان
کے وراثت سے کوئی تعلق نہیں جب تک وہ ہجرت نہ کر
جائیں۔'' (انفال)

اس حکم کے مختلف مقاصد تھے جن کے حاصل ہونے تک یہ اصول برقرار رہا۔ ہجرت کے بعد بھی قریشِ مکہ نے مسلمانوں کو چین نہ لینے دیا تھا اور ان کے خلاف مختلف سازشیں کرتے رہے۔ حتیٰ کہ اہلِ مدینہ کو کہلا بھیجا کہ آنحضرت ﷺ کو قتل کر دیں یا اپنے ملک سے نکال دیں۔ اس پر عمل نہ کرنے کی صورت میں جنگ کی دھمکی دی۔ اس صورت حال میں مدینہ پر قریشِ مکہ کی طرف سے حملہ کا ہر وقت خطرہ رہتا۔ چونکہ مدینہ کی کل دس ہزار آبادی میں سے مسلمان بمشکل پانچ سو کی تعداد میں تھے۔ اس طرح

Marfat.com

تھوڑی سی قوت کے ساتھ مذکورہ خطرہ کا مقابلہ مشکل تھا اس لئے شہر میں مسلمانوں کی آبادی میں اضافہ کیلئے یہ تدبیر ناگزیر تھی۔ اس کے علاوہ دوسرا مقصد یہ تھا کہ مدینہ میں رہ کر نو مسلموں کیلئے اسلامی ماحول کے مطابق بہتر تعلیم و تربیت کا بندوبست ہو سکے ورنہ غیر مذہب والے ہمسائے بہلا پھسلا کر، ڈرا دھمکا کر، خانگی یا اجتماعی یا سرکاری دباؤ ڈال کر فتنے میں مبتلا کر سکتے ہیں۔ چنانچہ خود عہدِ نبویؐ میں مہاجرینِ حبشہ میں سے کم از کم دو باوجود نجاشی کی غیر متعصّبانہ حکومت کے اس عیسائی ماحول میں عیسائی بن گئے تھے۔ ایک بی بی سودہ کا شوہر سکران، دوسرا امِ حبیبہ کا شوہر عبیداللہ بن جحش، یہی وجہ ہے کہ جب کبھی کسی قبیلے کا وفد مدینہ آ کر اسلام قبول کرنے کا اظہار کرتا تو آنحضرتﷺ ان لوگوں کو مدینہ آ بسنے کی ہدایت فرماتے۔ البتہ چند قبائل کو اس شرط سے مستثنیٰ بھی رکھا گیا تھا۔ (۸) جس طرح قبیلہ مزینہ کے وفد کو آپﷺ نے فرمایا کہ

> ''تم لوگ اپنے ملک میں ہی رہو، اور تمہیں وہی حقوق اور وہی ثواب حاصل ہوگا جو مہاجرین کو حاصل ہوتا ہے''۔

کسی قبیلے کو یہ رعایت دیتے وقت یہ خیال ضرور رکھا گیا کہ یا تو اس قبیلہ کے اکثر یا تمام افراد مسلمان ہوئے ہوں۔ یا پھر وہ اپنے قبیلہ میں سیاسی طاقت رکھتے ہوں تاکہ ان کے مرتد ہونے کے امکانات باقی نہ رہیں۔ سات سال تک اس اصول کی پابندی ہوتی رہی اور اس کا خاطر خواہ نتیجہ نکلا۔ ان سات برسوں میں مدینہ کی مسلمان آبادی میں خاطر خواہ اضافہ ہوا۔ اور جب مدینہ کے یہودی قبائل کو ایک معاہدے کی خلاف ورزی کی سزا کے طور پر جلاوطن ہونا پڑا تو علاقے میں طاقت کا توازن بھی مسلمانوں کے حق میں ہو گیا۔ بالآخر نتیجہ فتح مکہ کی صورت میں نکلا اور اعلانِ نبوی شائع ہوا کہ ''لا هجرة بعد الفتح ''فتح کے بعد ہجرت کی ضرورت نہیں۔ (۹)

گویا ہجرت کے اصول کے تحت مدینہ میں مسلمانوں کی باقاعدہ آباد کاری کی گئی۔ اس کی جدید مثال اسرائیل کی ہے جہاں جرمنی، پولینڈ، آسٹریا، چیکوسلواکیہ، روس اور برطانیہ سے لاکھوں یہودیوں کو لا کر بسایا گیا اور ان کی قوت کو یکجا کیا گیا۔

ہجرت کی عالمگیر اہمیت

۱۔ عالمی امن

حضورﷺ کی بعثت کے وقت تمام دنیا نسلی، لسانی اور علاقائی عصبیتوں کا شکار تھی بلکہ ایک نسل کے لوگ بھی باہم برسرِ پیکار تھے۔ یہ مرض مدینہ میں بھی موجود تھا۔ جہاں اوس و خزرج دو قبائل آباد تھے

Marfat.com

اور اکثر گتھم گتھا رہتے تھے۔ گردونواح میں یہودیوں کے تین قبیلے بنوقینقاع، بنونضیر اور بنوقریظہ بھی آباد تھے۔ یہ بھی اوس وخزرج سے عداوت رکھتے تھے۔ لیکن حضورﷺ کے مدینہ ہجرت کر آنے کے بعد نہ صرف یہ گروہ باہم متحد ہوئے بلکہ مہاجرین کو بھی انصار کے ساتھ بھائی بھائی کے روحانی رشتوں میں منسلک کیا۔ اس طرح مدینہ کی بستی میں ہمیشہ کیلئے امن قائم ہو گیا۔ جب حالات ذرا سنبھلے تو حضورﷺ نے انصار اور مدینہ کے یہودیوں سے میثاق کے نام سے ایک معاہدۂ امن کیا جس میں طے پایا کہ

۱۔ یہود یا مسلمانوں کے ساتھ کسی بھی بیرونی حملہ کی صورت میں دونوں جماعتیں ایک دوسرے کی مدد کریں گی۔

۲۔ کوئی فریق قریش کو امان نہیں دے گا۔

۳۔ ایامِ جنگ میں یہودی بھی اخراجاتِ جنگ برداشت کریں گے۔

۴۔ مدینہ پر حملے کی صورت میں دونوں مل کر دفاع کریں گے۔

حضور پاکﷺ کی خارجہ پالیسی میں یہ معاہدہ انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ اس کے ذریعے مسلمانوں کو ایک ایسی مرکزی قوت کا موقع ملا جس نے آگے چل کر فتح ونصرت کے دروازے کھول دیے۔ یہودیوں اور انصاریوں کو جنگ کی صورت میں مسلمانوں کی امداد کا پابند بنا کر قریش مکہ کی طاقت کا بہتر طور پر مقابلہ کیا جا سکتا تھا۔۔ اگرچہ اس معاہدے کی خلاف ورزی کے نتیجہ میں یہودیوں کو مدینہ خالی کرنا پڑا تھا۔ مسلمانوں کو بہر حال یہ فائدہ ہوا کہ ان کی توجہ دوسرے بڑے دشمن کی جانب مرتکز ہو گئی ۔۔۔۔ عالمی امن کیلئے کیا جانے والا یہ معاہدہ مدینہ ہجرت کر آنے کے نتیجہ میں ہی ممکن ہوا۔ (۱۰)

۲۔ اسلامی مملکت کا قیام

ہجرتِ مدینہ کا اہم ترین سیاسی فائدہ یہ پہنچا کہ پہلی اسلامی مملکت معرضِ وجود میں آئی جس کے سربراہ خود رسول اللہﷺ تھے۔ اس اسلامی ریاست کے تحت کیا عالمگیر تبدیلیاں وجود میں آئیں یہ ایک الگ بحث ہے۔ بہر حال فوری اثرات یہ نکلے کہ مسلمان قریش کے مقابلے میں ایک سیاسی قوت بن کر سامنے آئے اور اس قوت کے ساتھ وہ دشمنانِ اسلام کا سیاسی اور دفاعی لحاظ سے بہتر طور پر مقابلہ کر سکتے تھے۔ یثرب کو دفاعی حیثیت سے پورے حجاز میں ایک مرکزی مقام حاصل تھا۔ یہ قافلوں کی گزرگاہ تھی۔ تجارتی منڈی بھی تھی۔ اس دور کے تین مشہور تجارتی راستے اس کی زد میں آتے تھے۔ قریش نے یثرب کے بعض قبائل کو بے جا طور پر اپنا مخالف بھی بنا لیا تھا جبکہ اس کے برعکس حضورﷺ نے معاہدۂ مدینہ کی صورت میں انہیں اپنا ہم نوا بنا لیا تھا۔ مدینہ کا سیاسی اختیار حاصل کر لینے کے بعد قریش کے تجارتی

Marfat.com

راستے بھی حضور ﷺ کی زد میں آتے تھے۔ اگر اتنے فاصلے پر قریش جنگ کیلئے آتے تو ان کیلئے سامان رسد کی فراہمی اور پسپائی کی صورت میں دور دور تک پاؤں جمانے کی کوئی جگہ موجود نہ تھی۔ غرض رسول اللہ ﷺ کی مدینہ کی طرف ہجرت ایک ایسا دفاعی اقدام تھا جس کے بعد اسلامی جماعت خود بخود جنگی پوزیشن اختیار کر کے کامیابی تک پہنچ سکتی تھی۔ (۱۱) جنگ بدر میں یہ کامیابیاں حاصل بھی ہوئیں۔ پھر ایسے حالات پیدا ہوئے کہ ۶ ہجری میں قریشِ مکہ کے ساتھ صلحِ حدیبیہ ہوئی جس کے نتیجے میں ان کو غیر جانبداری کی شرط میں باندھ کر خیبر میں یہودیوں کو زیر کر لیا گیا۔ اس طرح رسول اللہ ﷺ کو موقع ملا کہ وہ اسلام کا پیغام عرب سرحدوں سے باہر تک پہنچائیں۔ اس مقصد کیلئے سفارتیں روانہ کی گئیں۔ پھر مکہ فتح ہوا اور اسلام پورے عرب میں پھیل گیا۔

۳۔ دعوتِ توحید کا پھیلاؤ

تاریخ میں سینکڑوں سلاطین، امراء اور لیڈروں نے بالکل اسی طرح ترکِ وطن کیا تھا جس طرح رسول اللہ ﷺ نے کیا۔ لیکن ان کی ہجرتوں کے نتائج کمزور، محدود اور تنگ رہے۔ صرف اسی خطے تک ان کی ہجرتوں کے فوائد محسوس کئے گئے جہاں یہ واقعہ ہوا تھا اور چند ہی لوگوں تک اس کے اثرات رہے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کے دور میں کی گئی ہجرتِ حبشہ اور ہجرتِ مدینہ نے اپنے نتائج و منافع کو تمام عالم انسانیت تک بکھیر دیا۔ تمدنِ فارس، تمدنِ یونان اور تمدن روم پر کاری ضرب لگی اور ان کی جگہ نئے تمدن نے جنم لیا جو بالکل اسلامی تھا۔ اس وقت دنیا کی حالت کیا تھی؟ غلامی، ظلم و ستم، افلاس، غربت اور بھوک و بیماری ہر خطہ کے انسانوں میں موجود تھی۔ علوم و فنون اور حکمت و تدبر میں عالمگیر شہرت رکھنے والا معاشرہ معاشرتی اور معاشی طبقات میں بٹا ہوا تھا۔ روم و فارس کی بڑی طاقتیں اخلاقی انحطاط کا شکار تھیں۔ ذات پات کی تقسیم نے ہندوستان کے انسانوں کو کئی حصوں میں بکھیر دیا تھا۔ بتوں کی پوجا عام تھی۔ غرض انسان انسان پر حکمرانی کر رہا تھا۔ ان حالات میں حضرت محمد ﷺ نے انسان کو توحید کا پیغام دیا کہ اس ساری کائنات کا مالک، خالق اور رازق خدائے واحد ہے جس کا نہ کوئی شریک ہے نہ کوئی ثانی، وہی عبادت کے لائق ہے۔ ان تصورات کی بدولت بین الاقوامی اخوت کا تصور ابھرا اور مساوات کا نظریہ اجاگر ہوا۔ جب تک آپ ﷺ کا قیام مکہ میں رہا حضور ﷺ کی تعلیمات کا اثر محدود پیمانے پر ظاہر ہوا، لیکن جب آپ ﷺ نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو یہ تعلیمات عالمگیر حیثیت اختیار کر گئیں۔ مدینہ میں آ کر دعوت و تبلیغ کے مرکز کے قیام اور روم و مصر، حبشہ و شام اور ایران کی طرف سفارتوں کی روانگی سے آپ ﷺ کا پیغام مقامی سطح سے نکل کر بین الاقوامی رنگ اختیار کر گیا اور اسلامی

Marfat.com

نظریات وعقائد کی بدولت یونان ،مصراور ہندوستان کے دیو مالائی تصورات کوضرب لگی ،عیسائیت میں اصلاح ہوئی۔ ہندوستان میں اسی اثر کے تحت بھگت کبیر اور گورونانک کی تعلیمات اونچ نیچ کے فرق کوکم کرنے کا باعث بنیں۔غرضیکہ ایشیا ،افریقہ اور یورپ میں جو کامل تبدیلیاں آئیں وہ سب اسلامی تہذیب وثقافت کی بدولت ہوئیں۔

۴۔طبقاتی کشمکش کا خاتمہ

شروع باب میں بیان ہو چکا ہے کہ حضرت آدمؑ کی اولاد کس طرح طبقات کی بنیاد پر ایک دوسرے کوغلام بنائے بیٹھی تھی۔لسانی، نسلی اور طبقاتی بنیادوں پر کئی ایک حاکم تھے اور کئی محکوم۔ہجرت نے اس طبقاتی جنگ کا خاتمہ کر دیا۔اسلام طبقات کوختم نہیں کرتا بلکہ طبقاتی کشمکش کوختم کرتا ہے۔ہجرت کے بعد مہاجرین وانصار کے درمیان رشتہ مواخات کے اعلان کے بعد چھوٹے بڑے طبقے کا فرق ختم ہوگیا، نسلی عصبیتیں دفن ہوگئیں۔سب ایک رشتہ اخوت میں منسلک ہوگئے۔فرمانِ الٰہی ہے:

''جولوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور خدا کی راہ میں مال
و جان سے جہاد کیا اور وہ لوگ جنہوں نے ان لوگوں کو پناہ
دی اور ان کی مدد کی ، یہ لوگ باہم بھائی بھائی ہیں۔''
(انفال: ۱۰)

حضرت ابوبکرؓ کوحضرت خارجہ بنؓ زید انصاری ،حضرت عمرؓ کوحضرت عتبانؓ بن مالک انصاری ،حضرت عثمانؓ کوحضرت اوسؓ بن ثابت انصاری ،حضرت ابوعبیدہؓ جراح کوحضرت سعدؓ بن معاذ انصاری ،حضرت ابوذر غفاریؓ کوحضرت منذرؓ بن عمرو ،حضرت سلمان فارسیؓ کوحضرت ابودرداءؓ اور حضرت بلالؓ کوحضرت ابورویحہؓ کے ساتھ جوڑ کر بھائی کے رشتے میں منسلک کیا گیا۔ہجرت کے بعد حضور پاک ﷺ کی یہ حکمت عملی طبقاتی کشمکش کے خاتمہ کا نقطۂ آغاز تھی جبکہ خطبہ حجۃ الوداع اس نقطہ انتہا پہ ثبت ہوا جس میں آپؐ نے ذات پات ،رنگ ،نسلی اور قبائلی اور علاقائی عصبیتوں کے خاتمہ کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا تھا:

''لوگو! اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے
''انسانو! ہم نے تمہیں ایک ہی مرد وعورت سے پیدا کیا اور
تمہیں جماعتوں اور قبائل میں بانٹ دیا تا کہ تم الگ الگ
پہچانے جاسکو۔تم میں زیادہ عزت والا وہی ہے جو زیادہ متقی
ہے۔'' چنانچہ نہ کسی عرب کو کسی عجمی پر کوئی فرقیت حاصل

Marfat.com

ہے، نہ کسی عجمی کو عرب پر، نہ کالا گورے سے افضل ہے نہ گورا
کالے سے۔ ہاں بزرگی اور فضلیت کا معیار ہے تو تقویٰ۔''

۵۔ ریاستی نظام کی تشکیل

یہ ہجرت کا ہی فائدہ تھا کہ مسلمانوں کیلئے سیاسی نظامِ مملکت تشکیل دینا بھی ممکن ہو گیا۔ مختلف جنگی مہمات میں امراء کا تقرر، غیر ممالک میں مختلف مقاصد کی غرض سے سفیروں کا انتخاب، کاروبارِ مملکت کیلئے مشاورتی اجلاس، ملکی قوانین کا اجراء اور نفاذ، بہبود فنڈ اور زکوٰۃ کے محکمہ کا قیام، سیاسی نظام کی صورت گری اور معاشرتی قواعد وقوانین کی تشکیل وتدوین سے ایک ایسا ریاستی نظام وجود میں آیا جس کی مضبوط بنیادوں پر رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو ایک مضبوط اجتماعی قوت بنا دیا۔ ریاست کا یہ اندرونی استحکام رسول اللہ ﷺ کیلئے خارجہ مقاصد کے حصول کیلئے انتہائی سودمند ثابت ہوا۔

۶۔ بین الاقوامی قوانین کی تشکیل

ہجرتِ حبشہ اور ہجرتِ مدینہ کے اسباب ومحرکات اور واقعات اور اس بارے میں احکامات خداوندی کے مطالعہ سے بین الاقوامی نوعیت کا ایک اہم نقطہ اخذ ہوتا ہے۔ یعنی پناہ گزینوں سے متعلق بین الاقوامی قوانین کا ارتقاء۔۔۔ ہجرت نبویؐ سے اسلام میں مسلمان تارکین وطن کی حیثیت اور ان کے حقوق وفرائض کے واضح اصول وضع ہوئے۔ جو کچھ اس طرح سے ہیں۔

(۱) عقیدہ وجان ومال کو شدید خطرات لاحق ہونے کی صورت میں مسلمانوں کو اپنا وطن چھوڑنا ان کا حق ہے۔ قرآن میں ہے:

''جو لوگ ظلم سہنے کے بعد اللہ کی خاطر ہجرت کرتے ہیں ان کو ہم دنیا میں اچھا ٹھکانہ دیں گے اور آخرت کا اجر تو بہت بڑا ہے۔ کاش جان لیں، وہ مظلوم جنہوں نے صبر کیا ہے اور جو اپنے رب پر بھروسے پر کام کر رہے ہیں (کہ اچھا انجام انکا منتظر ہے)'' (النحل: ۴۱)

(۲) ہجرت انفرادی اور اجتماعی شکل میں کی جا سکتی ہے۔

(۳) پناہ کی تلاش میں نکلے ہوئے افراد کو پناہ دینا ہر قوم کا فرض ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

''اگر تم (مسلمان) اس کی (یعنی اللہ کے نبی کی) مدد نہ کرو گے تو تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ اس کی مدد اس وقت کر

Marfat.com

چکا ہے جب اسے کافروں نے نکال دیا تھا۔ جب وہ دو میں
سے ایک تھا۔ جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا کہ غم نہ کرو
اللہ تمھارے ساتھ ہے۔'' (توبہ: ۴۰)

(۴) پناہ گزینوں کو وہی حقوق حاصل ہوں گے جو ان جیسے مذہب اور معاشرت کے مقامی لوگوں کو حاصل ہوں۔ قرآن میں ہے:

''جن لوگوں کا حال یہ ہے کہ جب (ایمان لانے کی وجہ سے) وہ ستائے گئے تو انہوں نے گھر بار چھوڑ دیئے، ہجرت کی، راہِ خدا میں سختیاں جھیلیں اور صبر سے کام لیا۔ ان کے لئے یقیناً تیرا رب غفور و رحیم ہے۔'' (النحل: ۱۱)

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور خدا کے راستہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے ان کو جگہ دی اور ان کی مدد کی۔ یہی لوگ پکے ایمان والے ہیں اور ان کیلئے نصرت اور عزت کی روزی ہے۔ (انفال: ۱۸)

مال غنیمت میں ان حاجت مند مہاجرین کا بھی حصہ ہے جو
اپنے وطن سے نکالے گئے اور اپنی جائیداد اور دولت سے
محروم کر دیئے گئے۔ (حشر: ۱)

(۵) مہاجرین کی بحالی اور آبادکاری اسلامی ریاست کا قانونی فرض ہے۔

(۶) مسلمان مہاجرین کی کفالت کرنا مقامی مسلمانوں کیلئے لازم ہے۔

(۷) مہاجرین کو اپنے سابقہ وطن میں دوبارہ جا کر آباد ہونے کا حق ہے اور اس سلسلے میں ریاست کی طرف سے ان پر کوئی پابندی عائد نہیں ہوتی۔

(۸) مہاجرین کو اپنے چھوڑے ہوئے وطن میں ان حالات کو بدلنے کے لئے سیاسی اور حربی اقدامات کا حق ہے جن کی بناء پر وہ اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور ہوئے ہوں۔

ایک اسلامی ریاست کے اندر اگر کوئی غیر مسلم پناہ حاصل کرتا ہے تو اسے بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اس جیسے مذہب اور ریاست کے لوگوں کو حاصل ہیں۔ غیر مسلم ہونے کی وجہ سے اسے ذمیوں جیسے حقوق حاصل ہوں گے۔ اور اس کی حیثیت ایک پناہ گزین کی ہوگی ''مہاجر'' کی نہیں۔ مہاجر ہونے

Marfat.com

کیلئے مسلمان ہونا لازمی شرط ہے۔ یہاں پناہ گزین کے متعلق موجودہ بین الاقوامی قوانین کا ایک جائزہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ان قوانین نے بہت لمبی ارتقائی مسافت کے بعد موجودہ صورت اختیار کی ہے۔قدیم ادوار میں مشکلات اور صعوبتوں کی بدولت نقل مکانی محدود تھی۔اس کے باوجود نقل مکانی کے متعلق کچھ اصول اور رواج پائے جاتے تھے۔یونانی ریاستوں کے درمیان نقل مکانی زندگی کا معمول تھا۔ افلاطون کی تصانیف میں شہریوں کو آزادی نقل وحمل اور اس کا جواز موجود ہے۔اس کے مطابق غیر ملکیوں کو اپنے ملک میں داخل نہ ہونے دینا اور اپنے شہریوں کو دیگر ممالک میں جانے کے مواقع نہ دینا اس ریاست کی بدنامی کا سبب بنتا ہے(۱۲) افلاطون کے افکار پناہ گزینوں کے حقوق سے بالخصوص متعلق نہیں بلکہ ان کا تعلق یونانیوں کی شہری آزادیوں سے تھا۔

جدید یورپ کی ابتدائی تاریخ میں مذہبی جنگوں کی بدولت پناہ گزینوں کے مسائل بڑے پیمانے پر پیدا ہونے سے بین الاقوامی قانون کے وضع کرنے کی ضرورت شدت سے محسوس ہوئی۔اسی دور میں مشہور ڈچ (Dutch) ماہر قانون ہیگو گروشیئس نے اپنی کتاب ''قوانینِ امن و جنگ'' میں لکھا کہ جو چیزیں لوگوں سے مشترکہ طور پر متعلقہ ہیں وہ اپنے گھروں سے نکالے ہوئے پناہ گزینوں کی عارضی یا مستقل رہائش کا حق ،قومیت کی بنیاد پر نفاق سے آزاد ہونے کا غیر ملکیوں کا حق اور بنیادی ضروریات زندگی خوراک ،لباس اور ادویات کا حق ہیں۔(۱۳) گروشیئس نے اہم نکتہ یہ بیان کیا ہے کہ پناہ گزینوں کو اس وقت تک پناہ کا حق حاصل ہے جب تک وہ مستحکم حکومت کے مطیع نہیں ہو جاتے اور ان قواعد و ضوابط کی پابندی نہیں کرتے جو ایذا رسانی سے بچانے کیلئے ہیں۔(۱۴)

ویٹل (Vattel) غیر ممالک میں پناہ گزینوں کا حق تسلیم کرتا ہے بشرطیکہ وہ ملک پناہ گزینوں کا خیر مقدم کرے۔(۱۵)

پہلی جنگِ عظیم کے دوران اور بعد میں فسطائی حکومتوں کے اقدامات سے مغربی یورپ بڑے پیمانہ پر پناہ گزینوں کے مسئلہ سے دوچار ہوا۔اس بارے میں بین الاقوامی معاہدات ہوئے۔۲۸/اکتوبر ۱۹۳۳ء کو جنیوا کے مقام پر پناہ گزینوں کی حیثیت سے متعلق ایک کنونشن پر دستخط ہوئے۔جنوری ۱۹۳۵ء میں SAR ''سارڈینیا'' اور جرمنی کے دوبارہ متحد ہونے پر یہاں کے باشندوں نے نقل مکانی شروع کی تو ۳۰ جولائی ۱۹۳۵ء کو ایک منصوبہ اپنایا گیا۔۹ جون ۱۹۳۹ء کو ڈرافت پروٹوکول طے ہوا(۱۶) انجمن اقوام کے تحت پناہ گزینوں کیلئے کمشنر کا تقرر عمل میں آیا۔دوسری جنگِ عظیم کے نتیجہ میں انجمنِ اقوام ختم ہوئی تو اقوام متحدہ کا ادارہ تشکیل ہوا۔(۱۷) اس کے تحت ۱۹۵۱ء میں پناہ گزینوں کے حقوق وفرائض سے متعلق بعض اصول وضع کئے گئے۔جن کے مطابق پناہ گزینوں کی خوراک، رہائش، تعلیم اور صحت سے متعلق

Marfat.com

اقدامات کو اجاگر کیا گیا ہے۔ نیز کسی بھی ملک کیلئے پناہ گزینوں کو زبردستی واپس دھکیلنے سے منع کیا گیا ہے سوائے اس کے کہ پناہ گزین اس ملک کی سلامتی اور دفاع کیلئے شدید خطرات کا موجب نہ بنیں۔

اسلامی تاریخ و اقدار میں ہجرت لوگوں کی عام نقل مکانی سے مختلف عمل ہے۔ ہجرت کرنے والوں کے ضمن میں مسلمانوں پر خاص پابندیاں اور حقوق عائد ہوتے ہیں۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق مسلمان اس بات پر پابند ہیں کہ وہ اپنے بھائیوں کو جنہوں نے اللہ کی راہ میں گھروں کو چھوڑا پناہ دیں۔ مدینہ ہجرت کر آنے والوں کا انصارِ مدینہ نے گرمجوشی سے خیر مقدم کیا۔ نہ صرف انہیں خوراک اور پناہ مہیا کی بلکہ ہر اس چیز میں انہیں شریک کیا جو ان کے پاس تھے۔ اس کی ایک انوکھی مثال اس طرح ہے کہ سعدؓ بن اربعہ جن کو عبدالرحمٰن بن عوف کے ساتھ جوڑا گیا تھا کی دو بیویاں تھیں۔ انہوں نے ایک کو طلاق دینا چاہی تا کہ عبدالرحمٰنؓ بن عوف اس سے شادی کر سکیں لیکن عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے شکریئے کے ساتھ انکار کر دیا۔ (۱۸) یہ دراصل انصار کے دلوں میں مہاجرین کیلئے جذبۂ ایثار اور خلوص کے احساسات تھے۔ انصار نے جن کا سب سے بڑا ذریعہ آمدنی کھجوروں کے باغ تھے حضور پاک ﷺ سے درخواست کی یہ باغ مہاجرین میں تقسیم کر دیئے جائیں۔ (۱۹) چونکہ مہاجرین تجار تھے اور زرعی معاملات سے واقفیت نہ رکھنے کی بناء پر رسول اللہ ﷺ نے ان کی پیشکش قبول نہ فرمائی۔ اس جذبے کے تحت بحرین کی فتح کے موقع پر انصار نے جائیدادوں کی تقسیم کا مساوی حصہ مہاجرین کو بھی دینے پر اصرار کیا۔۔! (۲۰) اس تقابلی جائزے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مغربی یورپی اداروں کے تحت تشکیل پانے والے پناہ گزینوں سے متعلق قوانین ایک لمبے ارتقائی سفر کے بعد موجودہ حالت کو پہنچے ہیں اور ہجرتِ حبشہ اور ہجرتِ مدینہ کے نتیجے میں وضع ہونے والے اصولوں سے انتہائی استفادہ حاصل کیا گیا ہے۔ بلکہ اسلامی تاریخ میں ہجرت کے یہ اصول پناہ گزینوں کو آج کے قوانین کی نسبت زیادہ بہتر حقوق فراہم کرتے ہیں_____!

●○●○●○●

Marfat.com

حوالہ جات باب چہارم

۱۔ شبلی نعمانی، "سیرۃ النبی ﷺ"، جلد اول، ص ص ۲۳۷۔۲۳۹
۲۔ ایضاً، ص ۲۴۰
۳۔ قاضی محمد سلیمان سلمان، "رحمۃ للعالمین، جلد اول، ص ۵۸
۴۔ سیرت ابن ہشام، جلد اول، ص ۱۱۶
۵۔ قاضی محمد سلیمان سلمان، "رحمۃ للعالمین، جلد اول، ص ۸۴
۶۔ شبلی نعمانی، "سیرۃ النبی ﷺ"، جلد اول، ص ۲۶۱
۷۔ صحیح بخاری، باب لقی النبی و اصحابه من المشرکین، ذکر ایام جاهلتیه"۔
۸۔ ڈاکٹر حمید اللہ، "عہد نبویؐ میں نظام حکمرانی" ص ۲۷۰
۹۔ ایضاً، ص ۲۷۱
۱۰۔ نقوش، رسول ﷺ نمبر، جلد ۸
۱۱۔ سید اسعد گیلانی، "نقوش"۔ جلد ۸، ص نمبر ۲۹۱
۱۲۔ The Laws of Plato,Book XII (J.M Dent and Sons Ltd.,1960) Book III,Chapter XX
۱۳۔ James A.R. Nafziger, "The General Admission of Allies under International Law", Amercian Journal of International Law,77:4 (Oct: 1983), pp.804-847
۱۴۔ Book III, Chapter XX
۱۵۔ E.De Vattel,"The law of Nations,"(1939), pp 120,178
۱۶۔ Grahl-Madsen, pp.13-14
۱۷۔ Ibid

Marfat.com

۱۸۔ شبلی نعمانی، "سیرۃ النبی ﷺ"، ص ۲۸۵

۱۹۔ ایضاً

۲۰۔ W.Montgomery Watt,Mohammad at Medina,(Karachi: Oxford University Press,1981),pp. 249

Marfat.com

باب ۵

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارتی حکمتِ عملی

مختلف قوموں اور مملکتوں کے درمیان باہمی تعلقات اور دوطرفہ معاہدات کیلئے قدیم زمانے سے سفارتی سرگرمیاں تاریخ میں نظر آتی ہیں۔ جنگی معاملات اور تجارتی امور پر بھی اس ادارہ کے ذریعہ رابطہ قائم کیا جاتا تھا۔ اگرچہ خارجہ معاملات کیلئے کوئی باقاعدہ اور منضبط سفارتی سرگرمیاں موجود نہ تھیں، نہ ہی سفارت خانوں کے متعلق دفاتر مختلف ممالک میں قائم ہوتے تھے۔ لیکن سیاسی طور پر اسے نمایاں مقام حاصل تھا۔ جب سفارتی رابطہ قائم کرنے کی ضرورت پیش آتی تھی تو ایسے افراد کو سفیر بنا کر بھیجا جاتا تھا جو زیرِ غور مسئلے کے ہر پہلو کو خوب سمجھتا ہو، ذہین اور سمجھ دار ہو، اپنی بات کو مؤثر انداز میں پیش کر سکے اور دوسرے فریق سے اپنی بات منوا سکے۔

ضروری ہے کہ اسلام سے قبل عربوں میں خارجہ تعلقات کے ضمن میں سفارتی سرگرمیوں کا مختصراً جائزہ لیا جائے۔ جنگِ بعاث میں جب قبیلہ اوس کو شکست ہونے لگی تو انہوں نے ایک وفد ابوالحیسیں کی سربراہی میں قریشِ مکہ کے پاس بھیجا تھا۔ قبیلہ اوس نے یہ سفارتی رابطہ اس لئے قائم کیا تھا کہ قریش مکہ کو اپنا حلیف بنالیں اور جنگ میں خزرج کے خلاف ان کی مدد حاصل کریں۔ مکہ کی شہری مملکت میں سفارت کا ادارہ خاندان عدی کے پاس تھا اور بعثت کے وقت حضرت عمرؓ اس عہدے پر فائز تھے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا اعلان فرمایا تو قریش مکہ نے علماءِ یہود سے سفارتی رابطہ قائم کیا۔ قریش نے نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط کو مدینہ منورہ بھیجا تھا تاکہ وہ علماءِ یہود سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ کی سچائی کی حقیقت معلوم کر سکیں۔ مشرکینِ مکہ کے ظلم وستم سے تنگ بعض مسلمانوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تو اہل مکہ نے شاہِ حبشہ کے پاس سفارتی نمائندے بھیجے تاکہ سفارتی ذریعہ سے شاہِ حبشہ پر دباؤ ڈال کر ہجرت کر کے حبشہ آنے والے مسلمانوں کو ان کے حوالے کر دیا جائے یا کم از کم اپنی حکومت سے انہیں نکلنے پر مجبور کر دے۔ قریشِ مکہ کی جانب سے سفارت کے فرائض عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ربیعہ نے انجام دیئے۔

گویا زمانہ جاہلیت میں سفارتی رابطے صرف اس وقت قائم کئے جاتے تھے جب دفاعی معاہدات طے کرنے ہوں یا کوئی اہم مشکل درپیش ہو۔ بعض اوقات محض سیاسی تعلقات بنانے کیلئے بھی

Marfat.com

رابطہ قائم کیا جاتا تھا۔۔۔لیکن رسول اللہ ﷺ کے ذمہ جو کام توحید کی اشاعت کا سونپا گیا تھا اس لئے ضروری تھا کہ سفارتی ادارہ کو زیادہ فعّال اور منظّم بنایا جائے۔اسلام ایک آفاقی دین تھا، جس نے زمان و مکان کی حدود و قیود سے بالاتر ہوکر تمام انسانوں کی فلاح وسعادت کیلئے ایک جامع نظامِ حیات پیش کیا، اس نظام میں دعوتِ دین یا نظریہ کی اشاعت کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔رسولِ اکرم ﷺ نے سفراء کے فرائض میں دعوتِ دین کے فریضہ کو سب سے زیادہ اہمیت دی ہے۔

ایک نظریاتی مملکت کے سفراء کی ذمہ داریاں بہت اہم ہوتی ہیں۔یہی وجہ ہے کہ ان کے انتخاب اور تقرر کے موقع پر حضور پاک ﷺ اس چیز کا خاص خیال رکھتے تھے کہ وہ پکے مسلمان ہوں، دین کا وسیع علم رکھتے ہوں، اپنے افکار و خیالات کے اظہار کا اچھا خاصہ ملکہ حاصل ہو اور اپنی بات مؤثر اور مدلل انداز میں پیش کرسکیں، لوگوں کی نفسیات کو سمجھتے ہوں اور جس قوم یا جس ملک میں بحیثیت سفیر جارہے ہوں وہاں کے حالات اور ان کی زبان سمجھتے ہوں۔ایک اچھے سفیر کیلئے ضروری اوصاف اور خوبیوں کا ذکر کتانی نے کیا ہے۔اس کے مطابق ایک عمدہ سفیر کیلئے کم ازکم چار اوصاف لازمی و ناگریز ہیں۔اعلیٰ فراست و ذہانت، عمدہ زبان و طرز ادا، جاذب نظر شخصیت اور علاقۂ تقرری و ادائیگی فرائض کی زبان پر قدرت۔(۱) یہ وہ اوصاف تھے جو ایک اچھا سفیر بناتے تھے۔اس کے علاوہ رسولِ کریم ﷺ موقع محل کی مناسبت سے مخصوص و موزوں شخص کا انتخاب کرتے تھے اور اس کی روانگی سے قبل حسبِ معمول اس کو ہدایات دیتے تھے کہ نرم اور اچھی گفتگو کریں، رحم و نرم دلی کا مظاہرہ کریں، سختی اور سخت روی سے پرہیز کریں، آسانی پیدا کریں اور اختلاف و تصادم سے گریز کریں، خوشخبری سنائیں، نفرت و عدوات سے اجتناب کریں، اور رحمت و اتفاق کا رویہ اپنائیں ____ (۲)

رسول اللہ ﷺ نے اپنے عہد میں مختلف سفیروں کو مختلف اغراض و مقاصد کیلئے روانہ فرمایا۔کچھ سفیر تبلیغِ اسلام کیلئے بھیجے گئے تھے تو کچھ اور نے بادشاہوں سے مسلم طبقات کی واپسی کی درخواست اور اپنے علاقہ یا ملک میں مقیم ایک مسلمان عورت سے امام کی شادی کرنے کا مطالبہ کیا تھا۔

اسلامی ریاست میں کسی سفیر کی پہلی تقرری عسکری یا نیم مہموں کے دوران ہوئی تھی۔۳ھ/ ۶۲۵ء میں جب بنونضیر کے غزوہ کے دوران رسولِ کریم ﷺ نے حضرت محمد بن مسلمہ اوسی کو سفیر بنا کر بنو نضیر کے یہودیوں کے پاس اس غرض سے بھیجا تھا کہ وہ رسولِ کریم ﷺ کے ان کے معاملہ میں آخری فیصلے سے آگاہ کردیں۔دو برس بعد جب مدینہ احزاب کے محاصرہ میں گھر چکا تھا تو تین مسلم سفیروں حضرت سعد بن معاذ اوسی، سعد بن عبادہ خزرجی اور عبداللہ بن رواحہ خزرجی کی تقرری ہوئی تھی۔ان کو بنو قریظہ کے پاس بھیجا گیا تھا تاکہ انکو ان کے عہد و معاہدہ یاد دلائیں جو انہوں نے اسلامی ریاست کے

Marfat.com

ساتھ کیا تھا اور ان کو احزاب میں شامل ہونے سے روکیں۔ صلحِ حدیبیہ کے دوران تین مسلمان سفیروں کو مکہ بھیجا گیا تھا۔ ان میں حضرت عثمانؓ بھی شامل تھے۔ قریش کی جانب سے بھی متعدد سفیر آئے تھے۔ صلح حدیبیہ کے بعد حضور ﷺ نے متعدد سفیروں کو جزیرہ نمائے عرب کے مختلف حصوں کے علاوہ بعض پڑوسی ملکوں کے حکمرانوں کے پاس بھیجا تھا۔ روایات کے مطابق درج ذیل سفیروں کو رسول اللہ ﷺ نے اسلام کی دعوت کیلئے مختلف ملکوں میں روانہ کیا تھا:

(۱)	حضرت وحیہ بن خلیفہ کلبی کو	رومی شہنشاہ ہرقل کے پاس
(۲)	حضرت عبداللہ بن حزامہ سہمی کو	خسرو پرویز، ایران کے پاس
(۳)	حضرت عمرو بن امیہ ضمری کو	نجاشی جبش اصحم کے پاس
(۴)	حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ کو	مقوقس مصر کے پاس
(۵)	حضرت شجاع بن وھب اسدی کو	ملک تخوم شام کے پاس

سیاسی طور پر ان سفارتوں کا مقصد یہ تھا کہ پڑوسی شاہانِ وقت کو اسلامی دعوت کے ساتھ ساتھ اسلامی ریاست کے ساتھ کسی قسم کی مفاہمت اور صلح کیلئے آمادہ کیا جائے تا کہ ایک طرف تو اسلام کی عالمگیر تبلیغ کا دروازہ کھلے تو دوسری طرف تصادم و جارحیت کے امکانات یا خطرات میں کمی پیدا ہو۔ نتیجۃً ان سفارتوں نے اپنے اپنے علاقہ کے حکمرانوں میں خیر سگالی اور دوستی کے جذبات پروان چڑھانے میں کافی موثر کردار ادا کیا تھا۔

ان کے علاوہ حضرت علاء بن حضرمی، حضرت عمرو بن عاص سہمی اور حضرت مہاجر بن ابی امیہ مخزومی کو بالترتیب بحرین، عمان اور حمیر (یمن) بھیجا گیا تھا۔ ۶ھ/۳۱-۶۳۰ء کم از کم سات سفیروں کو جزیرہ نمائے عرب کے مختلف حکمرانوں اور قبیلوں کے پاس بھیجا گیا۔ ان کی تفصیل درج ذیل ہے۔

(۱)	حضرت نمیرؓ بن خرشہ ثقفی	طائف کے قبیلوں کے پاس
(۲)	حضرت طبیانؓ بن مرثد سدوسی	قبیلہ بکر بن وائل کے پاس
(۳)	حضرت حارثؓ بن عمر ازدی	شاہِ بصریٰ حارث بن عمیر غسانی کے پاس
(۴)	حضرت عیاشؓ بن ابی ربیعہ	مخزومی حمیر کے پاس
(۵)	حضرت وحیہؓ بن خلیفہ کلبی	اسقف نجران ضغاطر الاسقف کے پاس
(۶)	حضرت علقمہؓ بن فغواء خزاعی	حضرت ابوسفیان بن حرب اموی کے پاس
(۷)	حضرت عمروؓ بن فغواء خزاعی	= = = =

پہلی پانچ سفارتیں کلی طور پر سیاسی تھیں یا مذہبی یا دونوں مقاصد پیش نظر تھے۔ آخری دو سفیروں کو

Marfat.com

رسول کریم ﷺ نے کچھ رقم دے کر مکہ بھیجا تھا تاکہ غریب قریشیوں میں اس کو تقسیم کر دیا جائے۔

حیاتِ نبوی ﷺ کے آخری برس مختلف علاقوں کو بھیجے جانے والے سفیروں کی تعداد سولہ تھی ــــــ غیر مسلم حکمران اور قبیلوں کے پاس جو سفیر بھیجے گئے ان کا مقصد متعلقہ علاقوں یا قبیلوں کو اسلامی ریاست کا مطیع بنانا یا ان سے حلیفی کرنا تھا۔ مسلم سرداروں کے پاس یا تو اس غرض سے سفیر بھیجے گئے تھے کہ ان سے ان کے اپنے قبیلہ یا پڑوس کے قبیلہ میں تبلیغِ اسلام کا کام لیا جائے یا ان کے قبیلہ میں باغیوں کی سرکوبی کیلئے ان کے مسلم طبقات کی حمایت اور مدد حاصل کی جائے۔ عموماً ایسی سفارتیں کامیاب ہوئیں۔ سوائے مسیلمہ کذاب اور شاہِ بصریٰ کے نام کی سفارت کے۔ مسیلمہ کذاب نے مسلمان سفیر حضرت حبیبؓ زید کو مار ڈالا جبکہ شاہِ بصریٰ حارثؓ بن عمیر غسانی نے سفیرِ نبویؐ حضرت حارث بن عمیر ازدی کو قتل کر دیا تھا۔ جس کے نتیجے میں اسلامی ریاست کو فوج کشی کرنی پڑی تھی۔ درج ذیل گوشوارہ سے سفیرانِ نبوی ﷺ کی تفصیل کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

(سفیر)	(علاقہ یا منزل)	(تاریخ)	(نوعیت)
حضرت عمر بن خطاب	بدر/ قریش مکہ	۲ھ/ ۶۲۴ء	لشکر قریش کو واپس مکہ جانے کا حکم پہنچانا
محمد بن مسلمہؓ	بنو نضیر	ذیعقد ۴ھ	یہودی قبیلہ کو اخراج کے فیصلہ نبوی ﷺ سے آگاہ کرنا
نعیم بن مسعودؓ	غطفان، قریش/ قریظہ	۵ھ/ اپریل ۶۲۷ء	احزاب کے مختلف گروہوں سے گفتگو کیلئے
سعد بن معاذؓ	بنو قریظہ	= =	یہودی قبیلہ کو معاہدہ پر قائم رہنے کی یاد دہانی
سعد بن عبادہؓ	=	= = =	= = = =
عبداللہ بن رواحہؓ	=	= = =	= = = =
خراش بن امیہؓ	قریش مکہ	ذیعقد ۶ھ/ مارچ ۶۲۸	مسلمانوں کے مکہ میں داخلہ کی اجازت کے حصول کیلئے۔
عثمان بن عفانؓ	=	= = =	= = = =
علی بن ابی طالبؓ	=	= = =	صلح حدیبیہ کا معاہدہ طے کرنے کیلئے۔
دحیہ بن خلیفہؓ	قیصر روم ہرقل	محرم ۷ھ/ مئی جون ۶۲۸ء	دعوتِ اسلام، معاہدہ صلح، دوستی
حاطب بن ابی بلتعہؓ	مقوقس مصر	= =	= = =

Marfat.com

عبداللہ بن حذافہؓ	کسرائے ایران خسرو پرویز	=	=	=
شجاع بن وہبؓ	حارث بن ابی شمر شاہ تخوم شاہ	=	=	=
مہاجر بن ابی امیہؓ	شاہ یمن (حمیر)	=	=	=
سلیط بن عمرؓ	سردار یمامہ ہوزہ بن علی	=	=	=
عمرو بن امیہؓ	شیخ مکہ ابوسفیان اموی	=	=	تحائف لے کر =
شاہ حبشہ نجاشی		=	=	مسلمانوں کو لانے کیلئے دعوتِ اسلام
عمرو بن العاصؓ	شاہانِ عمان جہنیفر وعبد ذیعقد	۸ھ فروری، مارچ ۶۳۰ء		دعوتِ اسلام، معاہدہ صلح، دوستی
علاء بن حضرمیؓ	شاہ بحرین منذر بن ساوی	=	=	=
حضرت ابوزیدؓ	شاہ عمان	=	=	=
علقمہ بن فغواء	شیخِ مکہ ابوسفیان	۹ھ/۶۳۰ء		قریش کے غرباء کیلئے رقم لے کر
عمرو بن فغواء	=	=	=	=
غیر بن خرشہ	طائف، ثقیف	=	=	دعوت، معاہدہ صلح، دوستی
طبیان بن مرثد	بکر بن وائل	=	=	=
حارث بن عمر	شاہ بصریٰ شرجیل بن عمرو سائی	=	=	=
عیاش بن ابی ربیعہ	شاہِ حمیر (قوم)	=	=	=
وحیہ بن خلیفہ	ضغاطر الاسقف / نجران	=	=	=
وبر بن عنیس	انباء الیمن ۱۱۔۱۰ھ/۲۔۶۳۱			اسود کی بغاوت کو کچلنے کا حکم لیکر
ابوعامر	حدودِ شام	=	=	=
قطن بن حارثہ	بنوکلیب اور حلفاء	=	=	=
عمرو بن امیہ	مسیلمہ کذاب / یمامہ	=		اس کے خط کے جواب
حبیب زید	=	=	=	=
عبداللہ بن وہب	حضرت ثمامہ بن اثال	=	=	دعوت، معاہد صلح، دوستی
فرات بن حیات عجلی	بنوعامر	=	=	=
صلصل بن شرجیل	بنوصداء / اسد بنی ویل	=	=	مسیلمہ کی بغاوت کو کچلنے کا

Marfat.com

حکم لے کر

ضرار بن الازور	بنو حارثہ۔ بنی قریط		=	=	=	=	=	
عبداللہ بن موسج	قبائل یمن		=	=	=	=	=	
عبداللہ بن بدیل بن ورقاء		=	=	=	=	=	=	=
عبدالرحمٰن=	=	ذوالکلاح وذوظلم		=	=	=	=	=
جریر بن عبداللہ		زوزودوزوقرآن		=	=	دعوت، صلح، دوستی		
اقرع بن عبداللہ	تمیم		=	=		=	=	=
زیاد بن حنظلہ	اشجع		=	=		=	=	=
نعیم بن مسعود	=	=	=	=		=	=	=

رسول اللہ ﷺ سے پہلے جتنے انبیاء و رسل اس دنیا میں تشریف لائے ان کی رسالت خاص تھی، ان کی اپنی قوم اور قبیلے تک محدود تھی۔ لیکن یہ امتیاز صرف محمد رسول اللہ ﷺ کو حاصل ہے کہ آپ ﷺ کی بعثت روئے زمین کی ہر قوم اور ہر جنس کے لئے ہوئی۔ تمام انسانوں کیلئے، تمام دنیا کیلئے ہوئی۔ یعنی آپ ﷺ کی رسالت و نبوت عام ہے اور بعثت، بعثتِ تام ہے۔ قرآنِ مجید کی آیات اس بارہ میں صاف ہیں۔

(۱) ہم نے تجھے تمام انسانوں کیلئے بشارت پہنچانے والا، ڈر سنانے والا بنا کر دنیا میں رسول بنایا ہے۔

(۲) خدا وہ ہے جس نے اپنے رسول کو روشن دلائل اور سچے دین کے ساتھ بھیجا ہے تا کہ وہ سب دینوں پر غلبہ حاصل کرے۔

(۳) ہم نے تجھے تمام اہل عالم کیلئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

(۴) ان سے کہہ دو کہ اے انسانی نسل کے بچو! میں تم سب کیلئے اللہ کا رسول ہوں۔

چنانچہ بر بنائے رسالت رسول اللہ ﷺ پوری دنیا کو دعوتِ اسلام دینے پر مامور کئے گئے تھے۔ یوں تو آغازِ کار سے ہی رسول اللہ ﷺ نے اپنی دعوت کو محدود و مخصوص نہیں کیا تھا۔ آپؐ کی دعوت ہر قوم ہر نسل، ہر قبیلے اور ہر مقام اور زمانے کیلئے تھی۔ آپؐ کے ماننے والوں میں ایسے لوگوں کی تعداد شروع سے ہی اچھی خاصی رہی ہے جن کا نسبی و نسلی تعلق عرب سے نہ تھا اور رنگ، زبان اور وطن کے لحاظ سے بھی مختلف تھے۔ اس سلسلے میں حضرت سلمان فارسیؓ، صہیب رومیؓ، بلال حبشیؓ اور عداسؓ نینوائی کا نام روشن ہے۔

Marfat.com

صلح حدیبیہ کے بعد اور اندرون عرب کی تمام قابل ذکر مزاحمتوں کے ختم ہو جانے کے بعد ایک مسئلہ یہ تھا کہ بیرون عرب اسلام کے پیغام کو پہنچایا جائے اور وہاں بھی حاکمیت الٰہی کی طرح نو ڈالی جائے کہ یہ رسول اللہ کی بعثت کا واضح حصہ تھا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ۷ ہجری میں ایک ہی دن میں چھ سفیروں کو مختلف مملکتوں کے بادشاہوں اور امیروں کے نام مراسلات دے کر روانہ کیا۔ اس کے علاوہ بعض عرب روساء اور بڑی طاقتوں کے طفیلی ریاستوں کے سربراہوں کے نام بھی خطوط و فرامین بھیجے گئے۔ ان دعوتی و تبلیغی خطوط کا سلسلہ ۱۰ ہجری کے اواخر تک جاری رہا۔ سربراہان ریاست کو مکتوب لکھتے وقت آنحضرت ﷺ نے ایسے بین الاقوامی آداب کو ملحوظ خاطر رکھا جن کو جدید سفارتی آداب میں بھی شامل کیا گیا ہے ـــــ جو سفیر جس علاقے میں بھیجا گیا وہاں کی زبان پر دسترس رکھتا تھا تاکہ اسے کسی قسم کی دُشواری پیش نہ آئے۔ اہم سربراہان مملکت اور روساء کے نام بھیجے گئے خطوط کا تفصیلی جائزہ لیا جانا ضروری ہے۔

قیصرِ روم کی طرف سفارت

جن حکمرانوں کے پاس رسول اللہ ﷺ کے خطوط لے کر سفراء گئے ان میں سے سب سے زیادہ اہم حکمران روم کا بادشاہ قیصر تھا۔ قیصر کے پاس حضرت دحیہ بن خلیفہ کو بھیجا گیا تھا۔ یہ اس دور کی بات ہے جب روم کو اپنے زمانہ کی دوسری بڑی طاقت فارس کے مقابلہ میں کامیابی حاصل ہوئی تھی۔ اس اعتبار سے کہا جا سکتا ہے کہ روم اس دور کی سب سے بڑی طاقتور سلطنت تھی۔ آپ ﷺ نے اس بڑی سلطنت کے بادشاہ قیصر (ہرقل) کو اپنے مکتوب میں فرمایا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

''یہ خط اللہ کے بندے اور اس کے رسول کی طرف سے
بادشاہ روم کی طرف ہے۔ اس شخص پر سلام ہو جو ہدایت کی
اطاعت کرے۔ اس کے بعد واضح ہو کہ میں تم کو اسلام کی
دعوت میں بلاتا ہوں۔ اسلام قبول کرو گے تو بچ جاؤ گے اور
تمہیں دوہرا ثواب ہوگا اور اگر تم منہ پھیرو گے تو تمام رعیت
کا گناہ تم پر ہوگا اور اے اہل کتاب ایک ایسی بات مان لو جو
ہمارے اور تمھارے درمیان مشترکہ ہے یعنی یہ کہ ہم تم سب
خدا کے سوا کسی کی پرستش نہ کریں۔ اور اس کے ساتھ کسی کو

Marfat.com

شریک نہ بنائیں اور نہ ہم سے کوئی کسی کو سوائے خدا کے
پروردگار بنائے۔ پس اگر اہل کتاب اس سے اعراض کریں
تو تم کہہ دینا کہ اس بات کے گواہ رہو کہ ہم خدا کی اطاعت
کرنے والے ہیں۔'' (۴)

قیصر نے رسول اللہ ﷺ کے اس پیغام کے بارے میں صرف آپ ﷺ کے سفیر ہی سے گفتگو نہیں کی بلکہ عرب کی سرزمین سے تجارت کی غرض سے آئے ہوئے ابوسفیان اور دیگر لوگوں کو بھی بلا بھیجا تاکہ ان سے بھی معلومات حاصل کرے۔ ہرقل نے ان سے رسول اللہ ﷺ کے متعلق متعدد سوالات کئے۔ قیصر نے مزید تصدیق کیلئے اپنی مملکت کے ایک بڑے عالم ضغاطر رومی سے بھی معلومات حاصل کی تھیں، جس نے رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی تصدیق کی تھی۔ قیصرِ روم نے آپ ﷺ کے سفیر کے سامنے رسول اللہ ﷺ کی عظمت کا اعتراف کیا اور آپ ﷺ کے سفیر کو اعزاز و احترام کے ساتھ واپس روانہ کیا۔ (۵)

شاہِ روم کیلئے یہ مشکل ہوگیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی دعوت کو قبول کرے یا اپنی وسیع و عریض مملکت کو برقرار رکھے اور اپنی رعایا کو خوش رکھے۔ شاید سیاسی مصلحتیں اور مادی منافع رکاوٹ بن گئی تھیں۔ دنیا کی بڑی طاقت ہونے کا بھرم بھی برقرار رکھنا چاہتا تھا لیکن ساتھ ہی رسول اللہ ﷺ کی عظمت و رسالت کے رعب کے اثرات بھی دل پر ثبت ہو گئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ۹ ہجری میں تبوک میں رسول اللہ ﷺ کی عظیم الشان کامیابی میں حضرت دحیہ کلبی کی کامیاب سفارت اور رسول اللہ ﷺ کے اس مکتوب کا بڑا حصہ ہے۔

حکومتِ فارس کی طرف سفارت

فارس روم ہی کی طرح دوسری بڑی طاقت تھی۔ دنیا کے بہت بڑے حصے پر کسریٰ کی حکمرانی تھی۔ حضرت محمد ﷺ نے حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمیؓ کو سفیر کی حیثیت سے شہنشاہِ فارس کسریٰ کے پاس بھیجا تاکہ اس کو دعوتی خط پہنچایا جاسکے۔ آپ ﷺ نے خط میں تحریر فرمایا تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

''محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے کسریٰ بادشاہِ
فارس کے نام۔ سلام اس پر جو سیدھی راہ پر چلتا ہے، خدا اور
رسول پر ایمان لاتا اور یہ شہادت دیتا ہے کہ خدا کے سوا کوئی

Marfat.com

عبادت کے لائق نہیں اور محمد اس کا بندہ اور اس کا رسول ہے۔ میں تجھے خدا کے پیغام کی دعوت دیتا ہوں اور میں خدا کا رسول ہوں۔ مجھے بنی نوعِ انسان کی طرف مبعوث کیا گیا ہے تا کہ جو کوئی زندہ ہے اسے عذابِ الٰہی کا خوف سنا دیا جائے اور جو منکر ہیں ان پر خدا کا قول پورا ہو۔ تو مسلمان ہو جا۔ سلامت رہے گا۔ ورنہ مجوس کا گناہ تیرے ذمہ ہوگا۔''

کسریٰ کیلئے یہ بات نا قابل برداشت تھی کہ اتنی بڑی حکومت کے شہنشاہ کو جزیرۃ العرب کی چھوٹی سی مملکت کا ایک فرد دین الٰہی کی دعوت پیش کرے اور یہ بات کہے کہ اسلام قبول کر لو اسی میں سلامتی ہے۔ کسریٰ نے سخت ردعمل کا اظہار کیا اور آپ ﷺ کے مکتوب کو پھاڑ دیا۔ یمن اس زمانہ میں فارس کی نو آبادی تھی جہاں بازان گورنر تھا۔ کسریٰ نے یمن کے گورنر کو حکم بھیجا کہ فوراً دو طاقتور افراد سرزمین حجاز بھیجو اور اس شخص کو جو لوگوں کو نئے دین کی دعوت دے رہا ہے حکم دو کہ اپنے آباؤ اجداد کے دین کی طرف لوٹ جائے۔ اگر وہ نہیں آتا تو اس کا سر میرے پاس پیش کرو یا خود اسے گرفتار کر کے پیش کرو۔ دو سپاہی بازان کا حکم نامہ لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے۔ آپ ﷺ نے انہیں اگلے روز ملنے کیلئے کہا۔ اگلے روز ملنے پر آپ ﷺ نے انہیں اطلاع دی کہ فارس کا کسریٰ قتل کر دیا گیا ہے(٦) اس کا بیٹا تخت وسلطنت پر قابض ہو گیا ہے۔ جب یہ لوگ واپس پہنچے تو آپ ﷺ کی خبر کی تصدیق ہو گئی کہ خسرو کو اس کے بیٹے شیرویہ نے قتل کر کے خود حکومت سنبھال لی ہے۔ اس پر بازان اور اس کے رفقاء کار نے اسلام قبول کر لیا۔ اس طرح یمن سے اکاسرہ کا تسلط بھی ختم ہو گیا۔

نجاشی کے نام خط

عمرو بن امیہ ضمریؓ حاکمِ حبشہ اصحم نجاشی کے پاس حضور ﷺ کا خط لے کر گئے۔ اس سے قبل جب مسلمان حبشہ ہجرت کر گئے تھے اور اہل مکہ نے سفارتی ذرائع سے اس پر دباؤ ڈالنے کی کوشش کی تھی تا کہ وہ ان مسلمانوں کو جو ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے ہیں، اپنے ملک سے نکال دے، لیکن مسلمانوں کے نمائندے سے گفتگو کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچ چکا تھا کہ ان مسلمانوں کا پیغام حق ہے اور ان کے مقاصد نیک ہیں۔ حضرت جعفر طیارؓ کی تقریر سے شاہِ حبشہ متاثر ہو چکا تھا۔ اب رسول اللہ کی طرف سے باقاعدہ سفیر پیغام لے کر گیا اور شاہِ حبشہ سے بہت مؤثر و بلیغ گفتگو کی۔ نجاشی نے آپ ﷺ کے مکتوب کو بہت ادب واحترام کے ساتھ پڑھا اور اس خط کا جواب ارسال کیا جس میں اس نے اسلام لانے کا اعلان

Marfat.com

کیا اور لکھا کہ میں نے آپ ﷺ کے ہاتھ بیعت کر لی ہے (۷) حضور ﷺ کے خط کا متن اس طرح تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

''یہ خط اللہ کے رسول محمد ﷺ کی طرف سے نجاشی اصحم بادشاہ حبش کے نام ہے تجھ پر سلامتی ہو۔ میں پہلے اللہ کی تعریف کرتا ہوں جو ملک، قدوس، سلام، مؤمن اور مہیمن ہے۔ اور ظاہر کرتا ہوں کہ حضرت عیسیٰؑ بن مریم اللہ کی مخلوق اور اس کا حکم ہیں جو مریم بتول عفیفہ کی طرف بھیجا گیا اور انہیں عیسیٰؑ کا حمل ٹھہر گیا۔

خدا نے عیسیٰؑ کو روح اور نفخ سے اسی طرح پیدا کیا جیسا کہ آدمؑ کو اپنے ہاتھ اور نفخ سے پیدا کیا تھا۔ اب میری دعوت یہ ہے کہ خدا پر، جو اکیلا اور بلا شرکت غیر ہے ایمان لے آ۔ ہمیشہ اس کی فرمانبرداری میں رہا کر اور میرا اتباع کر اور میری تعلیم کا سچے دل سے اقرار کر کیونکہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ میں قبل ازیں اس ملک میں اپنے عم زاد جعفر کو مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ بھیج چکا ہوں تم اسے آرام سے ٹھہرانا۔ نجاشی تم تکبر چھوڑ دو کیونکہ میں تمہیں اور تمہارے دربار کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔ دیکھو میں نے اللہ کا حکم پہنچا دیا اور تمہیں بخوبی سمجھا دیا۔ اب مناسب ہے کہ میری نصیحت مان لو۔ سلام اس پر جو سیدھی راہ پر گامزن ہے۔

نجاشی کا اسلام

مسلمان مؤلف بہر حال اس کے قائل ہیں کہ نجاشی نے اسلام قبول کر لیا تھا اور یہ کہ جب اس کے مرنے کی اطلاع ملی تو آنحضرت ﷺ نے اس پر غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔ مگر یہ ہجرت کے بعد کا واقعہ ہے۔

مکے میں بعض عجیب حالات میں عارضی طور سے چند دن کیلئے یہ مشہور ہوا کہ قریشِ مکہ کو

Marfat.com

آنحضرت ﷺ سے اب کوئی پرخاش نہیں رہی تو فوراً حبشہ سے بہت سے مہاجر وطن واپس آ گئے۔ اس عرصے میں جب حالات کی توضیح ہوگئی تو یہ لوگ اور بعض دیگر مکی مسلمان پھر حبشہ واپس چلے گئے۔

مہاجرین کی واپسی

اس کے بعد کئی سال تک کوئی اور خاص واقعہ پیش نہیں آیا۔ آنحضرت ﷺ مقامی سلوک سے دل برداشتہ ہو کر مدینہ ہجرت کر جاتے ہیں اور مقامی و مضافاتی قبائل سے سمجھوتہ کر کے اپنے اقتدار کو مستحکم کرتے ہیں۔ اور پھر قریش پر جن کے تجارتی کاروان مسلمانوں کے زیر اثر علاقے سے گزر کر شام جاتے تھے، معاشی دباؤ ڈالتے ہیں اور نتیجۂ بدر وغیرہ کی جنگ ہوتی ہے جس میں عموماً قریش کو سخت شکست ہوتی ہے تو قریش کی ایک اور سفارت حبشہ جاتی ہے اور موقع دیکھ کر چاہتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے مخالف اپنا غصہ مہاجرینِ حبشہ پر اتاریں۔ (۱) مگر انہیں اس دفعہ بھی ناکامی ہوتی ہے۔ مملکتِ اسلامیہ کی عام ترقی کے بعد اب اس بات کی ضرورت نہیں رہی تھی کہ مسلمان غیر ممالک میں پناہ لیتے ہیں۔ اس لئے اس زمانے یعنی ۶ھ میں آنحضرت ﷺ نے ایک سفیر حبشہ بھیجا کہ ان مہاجرین کو مدینہ لائے۔ آنحضرت ﷺ کی خواہش پر نجاشی نے مہاجرین میں سے ایک نوجوان بیوہ کا آنحضرت ﷺ سے غائبانہ عقد بھی کرا دیا تھا۔ ان بی بی کو ساتھ لے جانا بھی مقصود تھا۔ نجاشی نے دھوم دھام سے مسلمانوں کو رخصت کیا اور انہیں تحفے تحائف دے کر اپنے جہازوں میں مدینہ روانہ کیا۔ (۲) مؤرخ لکھتے ہیں کہ نجاشی نے کئی کشتیاں اور بھی ساتھ کیں جن میں اس کا بیٹا اور بہت سے حبشی تھے۔ اور منشا آنحضرت ﷺ کو دوستانہ سلام پہنچانا تھا۔

نجاشی کا خط آنحضرت ﷺ کے نام

''بخدمت محمد رسول اللہ از طرف نجاشی اصحم بن ابجر، تجھ پر اے اللہ کے نبی سلام، اور اللہ کی رحمت اور برکتیں اس اللہ کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور جس نے مجھے اسلام کی ہدایت دی۔ یا رسول اللہ آپ کا خط مجھے ملا جس میں حضرت عیسیٰؑ کا ذکر تھا۔ زمین اور آسمان کے مالک کی قسم کہ آپ کی بیان کردہ چیز سے حضرت عیسیٰ رتی بھر بھی زیادہ نہیں ہیں، ویسے ہی تھے جیسا آپ ﷺ نے فرمایا ہے۔ ہم نے آپ ﷺ کے فرستادوں سے تعارف حاصل کیا اور آپ ﷺ

Marfat.com

کے چچازاد بھائی اوراس کے ساتھیوں کی مہمان داری کی۔
میں اقرار کرتا ہوں کہ آپ ﷺ اللہ کے سچے اور تصدیق
یاب رسول ہیں۔ میں نے آپ کے چچازاد بھائی اوراس
کے ساتھیوں کی بیعت کی اور اس کے ہاتھوں خدا رب
العالمین کے سامنے سرِ اطاعت تسلیم کیا۔ میں نے آپ ﷺ
کی خدمت میں اپنے بیٹے ارھان اصحم بن ابجر کو بھیجا ہے
کیونکہ میں اپنی ذات کے سوا کسی کا مالک نہیں۔ اگر آپ
چاہیں کہ میں آپ ﷺ کے پاس آجاؤں تو آجاؤں گا
کیونکہ میں اقرار کرتا ہوں کہ جو آپ ﷺ فرماتے ہیں وہ حق
ہے۔السلام علیک یا رسول اللہؐ

یہ وفد حبشہ سے چلا لیکن بعض مؤرخ یہ بیان کرتے ہی کہ یہ کشتیاں جن میں حبشی سوار تھے سب ڈوب گئیں۔تو بعض دیگر مؤرخ بیان کرتے ہیں کہ ان میں سے چند سلامت رہیں۔ جب یہ سفارت مدینہ آئی تو آنحضرت ﷺ وفورِ اخلاق سے ان کی خود خدمت کرتے رہے۔ یہ حبشی سپاہی بعض جنگوں میں مسلمانوں کے ساتھ شریک بھی رہے۔تاریخ مدینہ میں یہاں تک لکھا ہے کہ نجاشی کے بیٹے نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے موالات یا بھائی چارہ اختیار کرلیا اور حبشہ واپس جا کر تخت نشین ہونے سے انکار کردیا۔

آنحضرت ﷺ کا خط نجاشی کے نام

اس سفارت کے جواب میں آنحضرت ﷺ نے بھی نجاشی کو کچھ تحفے بھیجے مگر اس عرصے میں اس نجاشی کا انتقال ہوگیا۔امام مسلم لکھتے ہیں کہ اس کے جانشین کو آنحضرت ﷺ نے ایک تبلیغی خط لکھا مگر اس کا انجام معلوم نہیں۔

یہ خط بیہقی (۱) نے ابنِ اسحاق کی کتاب سے نقل کر کے محفوظ کیا اور وہ یہ ہے۔

''یہ خط پیغمبر محمد ﷺ کا حبشیوں کے سردار نجاشی اصحم کے نام
ہے۔سلامتی اس شخص کے لئے ہے جو راہِ ہدایت کی پیروی
کرے اور اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لائے۔ میں
اقرار کرتا ہوں کہ سوائے اللہ کے کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے

Marfat.com

اس کا کوئی شریک نہیں۔اس کے نہ بیوی ہے نہ بچہ اور یہ بھی
کہ محمد اسی خدا کا بندہ اور رسول ہے۔ میں تجھے اسلام کے
بلاوے کی دعوت دیتا ہوں کیونکہ میں اسی کا رسول ہوں۔
اسلام لاتو سلامت رہے گا۔اے اہلِ کتاب ایک ایسی بات
پر آجمع ہوجاؤ جو ہم اور تم دونوں میں برابر ہے۔ یہ کہ ہم
سوائے اللہ کے کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ اس کے ساتھ
شریک کریں اور نہ ہم اللہ کو چھوڑ کر آپس میں اپنوں ہی کو
رب بنائیں۔ اگر وہ پلٹ جائیں تو کہہ دو کہ ہم تو (خدا
کے) فرمانبردار ہیں، اگر تو انکار کرے تو تیری قوم کے
نصرانیوں کا وبال تجھی پر پڑے گا''۔

شاہِ بحرین کے نام خط

بحرین فارس کی ایک طفیلی ریاست تھی۔ یہاں عربوں کی بھی ایک کثیر آبادی تھی جن میں عبدالقیس ،بکر بن وائل اور تمیم کے قبائل ممتاز تھے۔فارس کی طرف سے منذر بن ساوی حاکم تھا۔اس کی طرف علاء ابن الحضرمی آپ ﷺ کا نامہ مبارک لے کر گئے۔شاہ بحرین پر اس کا بہت اثر ہوا اور اسلام قبول کرلیا اور اہلِ بحرین کو بھی رسول اللہ ﷺ کا خط پڑھوایا۔بحرین میں مجوسیوں اور یہودیوں کی آبادی تھی ان میں بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کرلیا۔منذر بن سادہ نے خط کا جواب لکھا اور آپ ﷺ سے اس سیاسی الجھن کے بارے میں پوچھا جو ارکانِ حکومت اور رعایا کے بہت سے افراد کے قبولِ اسلام کے بعد پیدا ہوگئی تھی کہ اب غیر مسلم رعایا سے کس طرح کا تعلق ہوگا؟ آپ ﷺ نے اس پر تحریر فرمایا۔

''امابعد! اگر تم نماز قائم رکھو گے اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو گے
اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ خلوص رکھو گے اور
کھجوروں پر عشر اور اناج پر نصف عشر دیتے رہو گے اور اپنی
اولاد کو مجوسی نہ بناؤ گے تو وہ سب کچھ تمھارے ہی پاس رہے
گا جو اسلام قبول کرنے کے وقت تمہاری ملکیت میں تھا لیکن
اللہ اور اس کے رسول کا حق آتش کدہ پر ہوگا۔اگر تم اس سے
انکار کرو گے تو تم پر جزیہ دینا فرض ہوگا۔'' (۸)

Marfat.com

مملکتِ مصر سے سفارتی رابطہ

مصر کے حاکم مقوقس کے پاس حاطب بن ابی بلتعہ رسول اللہؐ کے نمائندہ کی حیثیت سے گئے۔ اسکندریہ ومصران دنوں مشرقی رومی سلطنت کا ایک نیم خودمختار حصہ تھا۔آپ نے مقوقس کو تحریر فرمایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خدا کے بندے اور اس کے رسول محمدؐ کی جانب

سے مقوقس بادشاہِ قبط کی طرف سلام ہو، اس پر جو ہدایت کی

پیروی کرے۔ اما بعد! پس میں تجھ کو دعوتِ اسلام دیتا

ہوں۔ اسلام لے آؤ۔ سلامت رہے گا اور خدا تعالیٰ تجھے

دوہرا ثواب دے گا، اور اگر اسلام نہ لایا تو تیرے اوپر تمام

قبط کا درد پہنچانے والی مصیبت ہوگی۔ اے اہلِ کتاب! آؤ

اس بات کی طرف، جو ہم تم میں برابر مشترک ہے کہ سوائے

اللہ کے کسی اور کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک

نہ کریں اور آپس میں ایک دوسرے کو خدا اور رب نہ بنالیں

سوائے خدا کے، پس اگر (اہل کتاب) نہ مانیں تو کہہ دو

کہ اے اہل کتاب تم گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں۔''

حاکمِ مصر نے مملکتِ اسلامیہ کے سفیر سے گفتگو کے بعد کہا کہ

''تم نے مجھے اچھی طرح سمجھایا ہے، تم سمجھ دار انسان ہو اور

ایک دانا وحکیم کی طرف سے آئے ہو۔''

قبطیوں کا یہ حکمران خودمختار نہ تھا رومی سلطنت کے زیر اثر تھا۔ اسے یہ جُرات تو نہ ہوئی کہ آپؐ کی دعوت کو بلا جھجک قبول کر لیتا لیکن اس نے رسول اللہ کو باقاعدہ جواب لکھا، اور خیر سگالی کا اظہار کرتے ہوئے بہت سے تحائف بھیجے۔

شاہِ عمان کے نام خط

عمان پر قبیلہ ازد کے دو بھائی جیفر بن جلند اور عبد بن جلند برسر اقتدار تھے۔ یہ دونوں جلندی کے فرزند تھے۔ ان کے پاس نامۂ دعوتِ اسلام عمرو بن العاص لے کر گئے تھے۔ آپؐ نے مکتوب میں تحریر فرمایا تھا۔

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

''محمد رسول اللہ کی طرف سے جلندی کے دونوں
فرزندوں صبیغر اور عبد کے نام، سلام ہو اس پر جو راہِ راست
کی اطاعت کرے۔ اما بعد میں تم دونوں کو اسلام قبول
کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔ دونوں اسلام قبول کر لو،
سلامت رہو گے۔ میں تمام لوگوں کی طرف خدا کا رسول
ہوں تا کہ ان کو خدا کی مخالفت سے ڈراؤں اور خدا کی حجت
کفار پر تمام ہو جائے۔ اگر تم دونوں نے اسلام قبول کر لیا تو
اپنے ملک کے والی رہو گے اور اگر تم نے انکار کیا تو اپنی
بادشاہت کھو بیٹھو گے۔ میرے سوار تمہاری سرزمین میں
داخل ہو جائیں گے اور میری نبوت تمہاری بادشاہت پر
غالب آ جائے گی۔''

دونوں بھائیوں نے سفیر اسلام سے اسلام کے متعلق مختلف سوالات کئے۔ پھر دونوں نے اسلام قبول کر لیا

یمامہ کی طرف سفارت

یمامہ کا امیر ہوزہ بن علی تھا۔ اس کے پاس حضرت سلیط بن قیس بن عمر الانصاریؓ کو رسول اللہ نے بھیجا۔ انہیں اس لئے سفیر منتخب کیا کہ وہ اکثر یمامہ جاتے رہتے تھے وہاں کے حالات سے واقف تھے۔ سلیط بن عمرو نے رسول اللہ کا مکتوبِ گرامی حاکمِ یمامہ کو پہنچایا۔ آپؐ نے تحریر فرمایا تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

''محمد رسول اللہ کی طرف سے ہوزہ بن علی کی
جانب، سلام ہو اس پر جو راہِ راست کی پیروی کرے اور جان
لو کہ میرا دین وہاں تک پھیلے گا جہاں تک چوپائے اور
گھوڑے جا سکتے ہیں۔ تو اسلام قبول کرو، سلامت رہو گے
اور جو کچھ تمہارے اختیار میں ہے اس کا مالک ہم تمہیں کو
بنا دیں گے۔''

Marfat.com

ہوزہ نے آپ کا خط پڑھنے کے بعد اعتراف کیا کہ رسول اللہ جس دین کی دعوت دے رہے ہیں وہ بہت اچھا دین ہے لیکن اقتدار کی ہوس دامن گیر رہی۔ ہوزہ نے سفیر سے کہا کہ دیکھو میں صرف حاکم ہی نہیں اپنی قوم کا شاعر اور خطیب بھی ہوں۔ عرب میرے مقام اور مرتبے سے ڈرتے ہیں لہٰذا اگر رسول اللہ مجھے حکومت میں شریک کریں تو میں ان کی اتباع کرنے کو تیار ہوں۔ جواب کے ساتھ حضرت سلیط کو خلعت عطا کی اور تحفے دے کر روانہ کیا۔ رسول اللہؐ نے امیرِ یمامہ کی اس سیاسی شرط کو قبول نہ کیا بلکہ فرمایا

''اگر وہ بالشت بھر زمین مانگے گا تو نہیں دوں گا۔''

ہوزہ خود بھی تباہ ہوا اور اس کا ملک بھی تباہ ہوا۔ (۹)

رئیسِ غسانی کے نام خط

حارث بن ابی شمر غسانی رومی حکومت کے ماتحت تھا۔ آپؐ نے حضرت شجاع ابن وہب اسدی کو اپنا پیغام دے کر بھیجا۔ آپؐ نے تحریر فرمایا تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

''محمد رسول اللہ کی جانب سے حارث بن ابی شمر
کے نام، سلام ہو اس پر جو ہدایت کا اتباع کرے اور اللہ پر
ایمان لائے اور اس کی تصدیق کرے، میں تمہیں اللہ پر
ایمان لانے کی دعوت دیتا ہوں جو یکتا ہے، اس کا کوئی
شریک نہیں، تو تمہارا ملک تمہارے پاس رہے گا''۔

حارث نے خط پڑھ کر پھینک دیا۔ کہنے لگا بھلا مجھ سے میرا ملک کوئی چھین سکتا ہے، یہ کہہ کر اس نے جنگی تیاری کا حکم دے دیا اور اجازت لینے کے لئے قیصر کو بھی لکھ دیا، قیصر کے پاس حارث کا خط لے کر قاصد اس وقت آیا جب حضرت دحیہ کلبی اسے بھی رسول اللہؐ کا پیغام پہنچا چکے تھے۔ قیصر نے فوج کشی کے ارادہ سے منع کر دیا اور کہا کہ بیت المقدس میں میرے استقبال کی تیاری کرو۔ حارث بن شمر غسانی کو تو روم کی طاقت پر گھمنڈ تھا جب اس نے دیکھا کہ روم بھی ان سے خوف زدہ ہے تو اس نے رسول اللہؐ کے نمائندہ کو بلایا اور تحفے تحائف دے کر روانہ کیا۔

والیٔ بصریٰ کے نام مکتوب اور دیگر متفرق سفارتیں

بصریٰ کے حاکم کے پاس حارث بن عمر آپؐ کا نامہ مبارک لے کر گئے۔ راستے میں موتہ کے

Marfat.com

مقام پر وہاں کے سردار شرجیل غسانی نے حارث بن عمر کو شہید کروادیا۔

رسولِ کریم ﷺ نے ان کے علاوہ اور بھی بے شمار قبائل کے سرداروں، ریاستوں کے والی اور سیاسی قیادت رکھنے والے معززین کے پاس اپنے نمائندوں کو بھیجا۔ مثلاً یمن کے بادشاہ حارث بن عبد کلال حمیری کے پاس مہاجر ابن امیہ مخزومی کو بھیجا۔ قبیلہ بنوکلب کے سمعان بن قریظہ کے پاس عبداللہ بن عولج عرفی کو، بکر بن وائل کے پاس طبیان بن مرشد کو، قبیلہ حمر کے روساء حارث، مسروح اور نعیم بن عبد کلال کے پاس عیاش بن ربیعہ مخزومی کو، طائف کے مشہور قبیلہ بنوثقیف کے پاس غیر بن خرشہ کو، مسیلمہ کذاب کے پاس نائب بن عوام کو اور حضرت وائل بن مجر کو خود انہی کے قبیلہ کے لوگوں کے پاس پیغامات دے کر بھیجا گیا۔ (۱۰)

مکتوباتِ نبویؐ کی تحریر اور اسلوب کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے مختلف مملکتوں میں قائم شاہی نظام جو غیر انسانی بنیادوں پر قائم تھا کو چیلنج کرتے ہوئے اللہ کی توحید کی طرف بلایا۔ اکثر ممالک میں شاہی نظام کی گرفت اتنی سخت تھی کہ عوام کی آزادی ان کے فرمانرواؤں کی نظرِ التفات کا دوسرا نام تھا۔ ان فرمانرواؤں نے مذہبی پیشواؤں کا تعاون حاصل کر کے انسانیت کو اپنے پاؤں تلے روندا۔ اسلام سرخ وسفید، کالے اور گورے کے امتیاز کو ختم کرنے کے لئے آیا۔ اس نے بنی نوع انسان کی شاندار اور تابناک مستقبل کا مژدہ سنایا اور انسان کی زندگی کے اجتماعی، معاشرتی، سیاسی، ذہنی اور روحانی پہلوؤں کے متعلق اوامر ونواہی جاری کر کے آزادی، مساوات اور اخوت کا درس دیا۔ یہ درس اس انداز سے دیا کہ آپؐ کے لب ولہجہ میں ذرہ برابر نیاز مندی، ذاتی مفاد کی تلویث، مرعوبیت یا کمزوری نہیں بلکہ ایک خاص وقار ہے، عزم ثبات ہے۔ اس پُر اعتماد اور پُرخلوص دعوت کے انتہائی اثرات مرتب ہوئے۔ ہر خط کے آغاز میں بسم اللہ سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ مطلق العنان بادشاہ محض اللہ کی وحدانیت کو تسلیم کرتے ہوئے اس کے دیئے ہوئے نظام کے دائرہ میں آجائیں۔

رسول اللہؐ کے مکاتیب میں محض بادشاہوں اور امراء ہی کو مخاطب نہ کیا گیا تھا بلکہ عوام الناس بھی اس میں شامل تھے۔ مکتوبات مملکتوں کے سربراہوں کے نام لکھنے کا مقصد یہ تھا کہ بین الاقوامی قوانین کی رو سے خطوط ہمیشہ سربراہانِ ریاست کو بھیجے جاتے تھے۔ پھر یہ اس دور کی بات ہے جب کہ عام شہریوں کے حقوق بادشاہوں کے مقابلہ میں کچھ بھی نہ تھے اور انہیں وہ سیاسی آزادی حاصل نہ تھی جس سے کام لے کر وہ اپنے بارے میں کوئی فیصلہ کر سکیں۔ مملوک وسلاطین کو دعوتِ اسلام دیتے ہوئے رسولؐ اللہ نے سیاست وتدبر اور بالغ نظری کا حد درجہ ثبوت فراہم کیا۔ آپؐ نے نہ صرف بڑی طاقتور ریاستوں کو دعوتِ اسلام دی بلکہ ان کے زیر اثر اور ماتحت سرحدی ریاستوں کو بھی جھنجوڑا۔ سیاسی لحاظ سے اس کا

Marfat.com

مقصد یہ تھا کہ طفیلی ریاستوں کو کسی طرح ان بڑی طاقتور مملکتوں سے علیحدہ کر دیا جائے جن سے وہ قوت پا رہی تھیں۔

چنانچہ جب رسولؐ اللہ نے اپنے سفیر دحیہ کلبی کے ذریعہ قیصرِ روم کو مکتوب روانہ کیا تو اس کے ساتھ ساتھ سلطنتِ روم کے حلیف اور ماتحت تمام علاقوں کے سربراہوں کو بھی خطوط روانہ کئے۔ ان میں حبشہ کے حاکم نجاشی، اسکندریہ کے حاکم مقوقس، حاکمِ دمشق حارث بنی ابی شمر الغسانی، شام کے سربراہ جبلہ بن الایہم، عامل معان فردہ بن عمرو الجذامی، ضغاطر اسقف اور سردارانِ قبیلہ لخم، کلب، داریون اور بلی وغیرہ کے نام مراسلات قابلِ ذکر ہیں۔ اس طرح آپؐ نے روم اور اس کے زیر اثر تمام خطے کو اپنی دعوت کا ہدف بنایا۔ دوسری جانب سلطنتِ فارس اور اس کے ماتحت تمام امراء اور رؤساء کو بھی مخاطب کیا۔ اس سلسلے میں شاہِ فارس کسریٰ، پرویز، یمامہ کے ہوزہ بن علی، بحرین کے حاکم اور سردارانِ قبیلہ بکر بن وائل وغیرہ کے نام مکتوب قابلِ ذکر ہیں۔ ان مذکورہ ملوک و سلاطین کے نام مکتوبات کے نتائج خواہ کچھ رہے ہوں اس کے اثرات عالمی سیاسی حالات پر بہت گہرے پڑے۔ حضورؐ کی یہی سفارتی حکمتِ عملی یقینی طور پر کامیاب رہی۔ مثلاً عمان، بحرین اور یمن کے امراء انہی سفارتوں کے نتیجے میں حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ یہ علاقے اپنی زرخیزی اور دولت و اثرات کے لحاظ سے دیگر تمام عرب علاقوں سے ممتاز حیثیت کے مالک تھے۔ پھر حضورؐ سے برسرِ پیکار عرب قبائل کو ان ہی علاقوں سے غلہ اور اسلحہ فراہم کیا جاتا تھا۔ رسول اللہ جانتے تھے کہ جب تک دشمن قبائل کو ان علاقوں سے غلہ اور اسلحہ فراہم ہوتا رہے گا، جنگ و جدل کا سلسلہ جاری رہے گا۔ اس لئے ان امارتوں کے ریاستِ نبویؐ کے زیر اثر آ جانے سے رسول اللہؐ کو زبردست کامیابی ہوئی۔ اسی طرح اسلامی ریاست کی حدود پھیلتے ہوئے پرامن طور پر عمان، بحرین اور یمن تک جا پہنچیں۔

مکتوبات کے ذریعے دعوتِ الٰہی پر بعض حکمرانوں نے ردِ عمل کے طور پر اسلام کو قبول تو نہ کیا لیکن دلوں پر اثرات ضرور محسوس کئے جیسے یمامہ کے امیر ہوزہ بن علی نے قبولِ دعوت کے لئے کچھ شرطیں پیش کیں۔ بالآخر وہ تباہ ہوا۔ مصر کا حکمران مقوقس خط پڑھ کر بہت متاثر ہوا اور قاصد کی تکریم کرتے ہوئے حضورؐ کے لئے تحائف ارسال کئے۔ لیکن اسلام لانے سے ہچکچایا۔ گویا اخلاقی اعتبار سے ان علاقوں میں نرم گوشے پیدا ہوئے۔ اس کے برعکس شہنشاہِ فارس پرویز نے نامہ مبارک چاک کر ڈالا اور اپنے عامل باذان کو رسول اللہ کی گرفتاری کے لئے لکھا۔ نتیجتاً ایک طرف تو یمن سلطنتِ ایران سے کٹ کر خود بخود رسولؐ اللہ کی زیر سیادت آ گیا اور دوسرے یہ کہ کسریٰ پرویز شیرویہ کے ہاتھوں قتل ہوا۔ ایران میں خانہ جنگی شروع ہوگئی اور وہ اپنی سرحدات کا دفاع نہ کر سکا۔ اس طرح ایران کے اکثر علاقوں

Marfat.com

پر رومیوں کا قبضہ ہوگیا۔ پھر بصریٰ کے حاکم نے حضرت حارث بن عمیرؓ جن کو حضورؐ نے سفیر بنا کر بھیجا تھا قتل کر ڈالا۔ حاکم بصریٰ عیسائی تھا اور براہ راست قیصرِ روم کے احکام کے تابع تھا۔ ایک خود مختار ریاست کے سفیر کا قتل معمولی جرم نہ تھا۔ یہ بین الاقوامی سفارتی آداب کے سراسر منافی تھا۔ لہٰذا اس سانحہ کی اطلاع ملتے ہی جمادی الاول ۸ھ میں تین ہزار مجاہدین کی ایک فوج رسول اللہؐ نے سرحد شام کی جانب روانہ فرمائی تا کہ یہ علاقہ آئندہ مسلمانوں کے لئے پرامن ہو جائے اور یہاں کے لوگ مسلمانوں کو کمزور سمجھ کر ان پر زیادتی کی جرأت نہ کریں ___ جنگِ موتہ کے واقعات اور تفصیلات میں جائے بغیر شرجیل بن عمرو کی ایک لاکھ فوج سے تین ہزار مجاہدین کا ٹکرانا معمولی بات نہ تھی۔ اس پر ایک مصنف نے یوں تبصرہ کیا کہ

> ''اس تیور کا نتیجہ یہ ہونا چاہیے تھا کہ مجاہدینِ اسلام بالکل پس جاتے لیکن سارا عرب اور تمام مشرق یہ دیکھ کر ششدر رہ گیا کہ ایک اور ۳۳ کے اس مقابلہ میں بھی کفار مسلمانوں پر غالب نہ آسکے۔ یہی چیز تھی جس نے شام اور اس سے متصل رہنے والے نیم آزاد عربی قبائل کو بلکہ عراق کے قریب رہنے والے نجدی قبائل کو بھی جو کسریٰ کے زیر اثر تھے اسلام کی طرف متوجہ کر دیا اور وہ ہزاروں کی تعداد میں مسلمان ہوگئے۔ بنی سلیم (جن کے سردار عباس بن عمرو السلمی تھے) اور اشجع اور غطفان اور ذبیان اور فزارہ کے لوگ اس زمانہ میں داخل اسلام ہوئے اور اسی زمانہ میں سلطنتِ روم کی عربی فوجوں کا ایک کمانڈر فروہ بن عمر الجذامی مسلمان ہوا۔'' (۱۱)

جنگِ موتہ جو کہ حضورؐ کے بھیجے ہوئے ایک سفیر کے قتل کے ردِ عمل میں واقع ہوئی کا ایک سیاسی فائدہ عربوں کو یہ بھی حاصل ہوا کہ انہیں شہنشاہِ روم اور اس کی عظیم الشان قوت سے ٹکرانے کا حوصلہ مل گیا۔ پچھلی تاریخ میں عربوں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ وہ روم کی طاقت کا مقابلہ کر سکتے ہیں لیکن جنگ موتہ نے عربوں کی اجتماعی نفسیات بدل ڈالی ___ ! نیز دنیا پر یہ بھی واضح ہوگیا کہ اسلامی ریاست اپنے مقصد کے حصول، اپنی آزادی اور خود مختاری کو برقرار رکھنے کے لئے کسی بھی طرح سے مقابلہ کرنے کو تیار ہے۔ جنگِ موتہ کے ان اثرات کے باوجود عرب سرحدات کی طرف رومیوں کے خطرات کم نہ ہوئے بلکہ

Marfat.com

رومی فیصلہ کن معرکے کے لئے اپنے آپ کو متحد کر چکے تھے۔ نتیجتاً ۹ ھ میں تبوک کے مقام پر حضورؐ نے مقابلہ کی غرض سے پڑاؤ کیا۔ حضورؐ نے حربی اور سیاسی منصوبہ بندی کچھ اس طرح سے کی کہ مسلمان فوج رومیوں کی تیاری مکمل ہونے سے قبل ہی مقابلہ پر پہنچ گئی۔ تبوک میں قیام کے دوران ہی آپ نے قیصرِ روم کو تحریر فرمایا کہ

''میں تمہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتا ہوں اگر تم اسلام قبول کر لیتے ہو تو جو مراعات مسلمانوں کو حاصل ہوں گی وہ تمہیں حاصل ہوں گی اور جو واجبات ان پر عائد ہوتے ہیں وہی تم پر عائد ہوں گے لیکن اگر تم دائرۂ اسلام میں داخل نہیں ہونا چاہتے تو پھر جزیہ ادا کرو''۔

اس لئے کہ اللہ فرماتا ہے کہ

''اہلِ کتاب میں سے جو لوگ اللہ پر اور روزِ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور نہ اللہ و رسول کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں اور نہ ہی دینِ حق کی اطاعت قبول کرتے ہیں ان سے جنگ جاری رکھو یہاں تک کہ وہ ماتحتی کرتے ہوئے خود آخر جزیہ ادا کریں۔''

اس جُرأت مندانہ اقدام کا ایک سیاسی فائدہ یہ ہوا کہ تبوک میں قیام کے دوران وہ سرحدی ریاستیں جو اب تک رومیوں کے زیرِ اثر تھیں ریاستِ نبویؐ کے باج گزار بن گئیں۔ ایلہ، اہل جرباء وازرح، دومۃ الجندل اور مقنا کے قبائل ان میں شامل ہیں۔ اس طرح ریاستِ نبویؐ کی حدود براہ راست جزیرہ نمائے عرب کی انتہائی شمالی سرحدوں تک پہنچ گئیں۔ حضور پاک ﷺ کی مذکورہ بین الاقوامی سفارتی سرگرمیوں کا بالآخر نتیجہ یہ نکلا کہ اسلام ایک عالمی قوت کے طور پر پہچانا گیا اور عرب کے بہت سے قبائل جو دور دراز علاقوں سے تعلق رکھتے تھے اس عالمی قوت کے ساتھ ناطہ جوڑنے کی خواہش کرنے لگے اور اس مقصد کے لئے حضورؐ کی خدمت میں اپنے وفود اور سفیر مدینہ بھیجے۔ ان وفود سے متعلق تفصیلات میں جانے سے قبل ضروری ہے کہ حضورؐ کے غیر ملکی وفود اور سفیروں کے ساتھ برتاؤ کا جائزہ لیا جائے۔

اسلام میں سفارتی آداب

بین الاقوامی سطح پر اسلام سے قبل بھی یہ روایت موجود تھی کہ غیر ملکی سفیروں سے اچھا برتاؤ کیا

Marfat.com

جائے۔ان کا تحفظ ہو اور ان سے بدسلوکی اور ایذا رسانی سے گریز کیا جائے۔قدیم یونانی مفکرین ارسطو اور افلاطون نے بھی اپنی کتابوں میں سفارتی نمائندوں کے تحفظ اور سہولتوں کا ذکر کیا ہے لیکن اس روایتی قانون کی موجودگی کے باوجود اس پر پوری طرح عمل نہ کیا جاتا تھا۔تاریخ میں بہت سی ایسی مثالیں موجود ہیں جب سفیروں کے ساتھ غیر مہذب سلوک کیا گیا، انہیں یرغمال بنایا گیا حتیٰ کہ بعض نمائندوں کو قتل بھی کیا گیا ــــــ لیکن رسول پاکؐ نے اپنی تعلیمات اور طرز عمل سے دنیا پر یہ واضح کر دیا کہ سفارتی نمائندے ہمیشہ قابل احترام ہوتے ہیں اور ان کی زندگی کا تحفظ لازم ہے۔جیسا کہ عامر بن طفیل کے وفد کے گستاخانہ رویہ کے ردعمل کے طور پر آپؐ کے طرزِ عمل سے ظاہر ہے۔عامر بن طفیل، اربند بن قیس اور جبان بن سلمیٰ پر مشتمل تین رکنی وفد آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ان سردارانِ قوم کے عزائم خطرناک تھے۔عامر بن طفیل نے رسول اللہؐ کے ساتھ انتہائی گستاخانہ اور غیر مہذب انداز میں گفتگو کی۔واپسی پر اس نے دھمکی بھی دی کہ وہ اپنے مسلح لشکروں سے مدینہ کو تہس نہس کر دے گا۔اس غیر مہذب گفتگو کے باوجود آپؐ نے اس کے ساتھ بھی سفارتی آداب کے تحت برتاؤ کیا اور اس کے جانے کے بعد یہ دعا کہ اے اللہ عامر کے فتنوں سے ہمیں محفوظ فرما۔اسی طرح مسیلمہ کذاب کے سفیروں سے بھی بہتر سلوک کیا گیا باجود اس کے کہ ان سفیروں نے تمام سفارتی آداب کو نظر انداز کرتے ہوئے بڑی بدتمیزی کا مظاہرہ کیا تھا۔

رسول اللہ نے صرف یہ فرمایا کہ

''خدا کی قسم اگر یہ بات نہ ہوتی کہ سفیروں کا قتل جائز نہیں تو
میں ضرور تمہاری گردنیں اتروا دیتا''۔(۱۲)

ساٹھ افراد پر مشتمل نجران کا ایک وفد مدینہ آیا یہ لوگ عیسائی تھے اور بیت المقدس کی طرف منہ کر کے عبادت کرتے تھے۔ان لوگوں کو مسجد نبویؐ میں ٹھہرایا گیا۔انہوں نے مسجد نبوی میں نماز ادا کرنا چاہی۔بعض لوگوں نے انہیں روکنا چاہا تو رسول اللہؐ نے مسلمانوں کو اس سے روک دیا اور فرمایا کہ ان مہمانوں کو اپنے مسلک کے مطابق نماز پڑھنے دو۔چنانچہ انہوں نے عیسائیت کے مطابق مسجد نبویؐ میں نماز ادا کی۔(۱۳)

قبیلہ بنوثقیف کے وفد کی بڑی عزت افزائی کی گئی اور انہیں مسجد نبویؐ میں ٹھہرایا۔ان کے لئے خصوصی طور پر خیمے لگوائے گئے۔حضرت خالد بن سعد بن العاصؓ کو ان کا پروٹوکول افسر مقرر کیا گیا۔ضرورت کے وقت حضور پاکؐ نے مدینہ آنے والے سفراء اور وفود کی مالی مدد بھی فرمائی۔قبیلہ حذیفہ کے وفد کے پاس واپس جانے کے لئے کھانے پینے کا سامان پورا نہ تھا۔آپؐ نے حضرت عمرؓ کو حکم دیا کہ ان کے لئے اسبابِ خورد

Marfat.com

ونوش کا انتظام کر دیا جائے۔ (۱۴) اس طرح وفد بنو ثعلبہ کو جاتے ہوئے پانچ اوقیہ چاندی دی ____
رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلالؓ کو سفیروں کے ساتھ عزت و احترام سے پیش آنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا تھا

''ان (وفد ثعلبہ) کے ساتھ اس طرح خاطر مدارت کرو
جس طرح وفود کے ساتھ خاطر مدارت کی جاتی ہے۔'' (۱۵)

اس کے علاوہ جن افراد کو آپؐ دوسرے علاقوں میں سفیر بنا کر بھیجتے ان کو بھی ہدایات فرماتے کہ وہ سفارتی آداب کو ملحوظ رکھیں اور حفظِ مراتب کا خیال رکھتے ہوئے اپنے فرائض انجام دیں۔ بین الاقوامی تعلقات کے ضمن میں سفراء اور وفود کے جان و مال کے تحفظ اور عزت و احترام کی اہمیت کے پیشِ نظر ہی رسول اکرم ﷺ نے آخری ایام میں وصیت کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ ان نمائندوں کی عزت و مدارت اسی طرح کرتے رہنا جس طرح میں کرتا ہوں۔

حضرت محمد ﷺ کی غیر ملکی نمائندوں کے ساتھ برتاؤ کی تعلیمات اور ان کے ساتھ مثالی طرزِ عمل کا نتیجہ یہ نکلا کہ بین الاقوامی طور پر اسلامی ریاست کی غیرت و وقار میں اضافہ ہوا۔ نیز اس سے غیر ملکی سفیروں کے متعلق بین الاقوامی قوانین کی تیاری میں بھی فائدہ حاصل ہوا اور مختلف زمانوں میں مختلف ممالک، بین الاقوامی تنظیموں اور اداروں نے سفراء سے متعلق قوانین کی تیاری کیلئے ان سے استفادہ بھی کیا ہے۔

رسول اللہ کی سفارتی سرگرمیوں کے نتائج

حضورؐ کی سفارتی حکمتِ عملی کے حوالے سے اوپر بیان ہو چکا ہے کہ مختلف مملکتوں کے بادشاہوں اور امراء کے نام جو خطوط آپؐ نے ارسال فرمائے تھے ان کے نتیجہ میں جنگِ تبوک کے بعد مسلمانوں کو سب سے بڑا فائدہ یہ پہنچا کہ طاغوتی طاقتوں کے سامنے مدینہ کی ایک نئی اسلامی ریاست کو تسلیم کیا جانے لگا اور خود عربوں کے اندر بڑی طاقتوں کا مقابلہ کرنے کا حوصلہ پیدا ہوا۔ عرب کے بہت سے قبائل جو ابھی تک اس نئی اسلامی ریاست کے تابع نہیں ہوئے تھے اس بات کے انتظار میں تھے کہ قریش مکہ اور حضورؐ کے تعلقات کیا رخ اختیار کرتے ہیں گویا وہ کسی فیصلہ کن نتیجہ کے انتظار میں تھے۔ فتح مکہ کے بعد رسول اللہؐ نے جب پرامن طور پر قریش مکہ پر غلبہ حاصل کر لیا تو حالات بدل گئے۔ عرب قبائل جو ابھی تک تذبذب کا شکار تھے اس نئی اسلامی ریاست کے ساتھ اپنا تعلق اور ناطہ جوڑنے کی خواہش کرنے لگے، بالکل اسی طرح جیسے ہر دور میں عظیم طاقتوں کے ساتھ چھوٹے ممالک تعلقات قائم

Marfat.com

کرنے کے آرزو مند ہوتے ہیں یا مجبور ہوتے ہیں ____! مختلف علاقوں سے قبائل نے حضورؐ کی خدمت میں وفود بھیجے تا کہ وہ اس نئی مذہبی اور سیاسی طاقت کا ایک حصہ بن سکیں یا اس کے ساتھ تعلقات قائم کر سکیں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''جب اللہ کی مدد اور فتح آئے اور جب لوگوں کو تم دیکھو کہ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہوتے ہیں تو اپنے رب کی ثناء کرتے ہوئے اس کی پاکی بولو اور اس سے بخشش چاہو بے شک وہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے۔'' (سورہ النصر)

حضورؐ پاک کی خدمت میں حاضر ہونے والے وفود کی تعداد کے بارے میں اختلاف رائے موجود ہے۔ ابن اسحاق نے پندرہ وفود کا ذکر کیا ہے۔ حافظ ابن قیم اور قسطلانی کے مطابق چونتیس وفود حاضر ہوئے۔ دمیاطی، سلطائی اور زین الدین عراقی، ابن سعد کے ساتھ متفق ہیں جس نے ستر وفود کا تذکرہ کیا ہے۔ مصنف سیرتِ شامی کے مطابق ایک سو چار وفود مدینہ آئے اور مشرف بہ اسلام ہوئے ____ بہر حال سب سے زیادہ وفود ۹ھ میں آئے اسی بناء پر اس سال کو ''عام الوفود'' کہا جاتا ہے۔ یہاں مقصد حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہونے والے وفود کا واقعاتی اور تفصیلی ذکر کرنا نہیں بلکہ ان وفود کی حضور پاکؐ کی خارجہ سیاست میں اہمیت کا جائزہ لینا ہے۔

حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہونے والے وفود کی اہمیت کا پہلا عنصر سفارتی نوعیت کا ہے۔ یعنی مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ آپؐ نے غیر ملکی سفیروں اور وفود کے ساتھ کس قسم کا برتاؤ کیا۔ گزشتہ صفحات میں اس کی کئی مثالیں دی جا چکی ہیں یہاں صرف یہ کہنا ہی کافی ہوگا کہ آپؐ نے ان وفود کو عزت و احترام بخشا اور ان کی خاطر و مدارت کے لئے خاص اہتمام فرماتے ہوئے افسرانِ مہماندار بھی مقرر کئے نیز واپسی پر ان کو تحفے و تحائف سے بھی نوازا۔ سفارتی آداب کے یہ اصول آج کے جدید دور میں بھی مسلمہ ہیں۔

حضورؐ کی خدمت میں پیش ہونے والے وفود کی اکثریت نے اسلام قبول کیا اور اسلامی تعلیمات کے درس سیکھے۔ جن وفود کے اراکین آپؐ کی طرف سے تعلیمات ملنے کے باوجود دائرہ اسلام میں داخل نہ ہوئے ان میں سے بعض نے دوستی اور صلح کے معاہدہ کئے۔ گویا دونوں لحاظ سے فائدہ اسلامی ریاست کو ہی پہنچا۔ حضور پاکؐ کی خارجہ پالیسی کا بنیادی اور اولین اصول اسلام کا پیغام پہنچانا تھا کیونکہ وہ اس مقصد کے لئے ہی بھیجے گئے تھے۔ اس مقصد کو حاصل کرتے ہوئے آپؐ نے سیاسی و حربی طریقے بھی اختیار کئے۔ یہ آپؐ کی سیاسی بصیرت کا نتیجہ تھا کہ آپؐ کی خدمت میں جتنے وفود حاضر ہوئے ان سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔

Marfat.com

رمضان ۱ھ میں ہجرت کے چھ ہی ماہ جب آنحضرتؐ نے قریش کے متعلق اپنی سیاست متعین کر لی کہ ان پر معاشی دباؤ ڈالا جائے اور اس سلسلے میں قریش کی تجارتی گزرگاہوں پر مقیم قبائل سے رابطہ کی ضرورت محسوس ہوئی۔ جہینہ کا قبیلہ اس مقام پر تھا جو قریشیوں کے تجارتی کاروانوں کی گزرگاہ تھی۔ اس قبیلہ کے عبدالعزیٰ بن بدر، احیافی اور ابوروعہ وفد کی شکل میں آپؐ کی خدمت میں مدینہ تشریف لائے۔(۱۶) اسی قبیلہ کے ایک اور شخص عمرو بن مرہ الجہنی نے آپؐ کے متعلق سن کر اپنا بت منہدم کر ڈالا اور آپؐ کے پاس آکر اسلام قبول کیا۔(۱۷) ڈاکٹر حمیداللہ کے مطابق عمرو الجہنی سے یا آنحضرتؐ نے ہجرت کے بعد خود کوئی معاہدہ حلیفی کیا تھا یا کم از کم انصار کی پرانی حلیفی کی تجدید کر کے اب سارے مسلمانانِ مدینہ کے لئے (جن کے سیاسی سردار خود ''رسول اللہؐ'' بن گئے تھے) عام کر دیا تھا۔(۱۸)

اس طرح قبیلہ مزینہ بھی اس اہم تجارتی شاہراہ پر واقع تھا جو قریش کے مواصلات کی شہ رگ تھی۔ اس قبیلہ کے چار سو افراد پر مشتمل وفد نے مدینہ منورہ میں آپؐ کی بارگاہ میں حاضری دی۔ ان میں بلال بن الحارث، نعمان بن مقرن، ابواسماء، عبیداللہ بن بردہ اور بشیہ بن تمعفر قابل ذکر ہیں۔ قبیلہ کے ایک سردار کو قبیلہ کی جاگیریں عطا ہوئیں۔ گویا آنحضرتؐ نے قیمتی جاگیر دے کر قبیلہ کو اس کا پابند کیا کہ قریشی آمدورفت کو روکنے میں مدد دے۔ پھر جب ارکانِ وفد نے ہجرت کی خواہش کا اظہار کیا تو آپؐ نے ان سے فرمایا کہ

''تم جہاں بھی رہو مہاجر ہو۔ لہٰذا تم لوگ اپنے مال ومتاع
کی جانب واپس جاؤ۔''(۱۹)

حضورؐ کی ارکانِ وفد کو نصیحت کا سیاسی مقصد یہ تھا کہ مدینہ کے یہ مسلمان اپنے مقام پر رہ کر قریشِ مکہ کے تجارتی قافلوں کی اطلاع کرتے رہیں اور مدینہ کی قیمتی اور زرخیز زمینوں کی نگرانی کرتے رہیں۔ پھر قبیلہ عامر بن عکرمہ کا وفد حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؐ نے ان کے سردار کو بھی ایک جاگیر عطا فرمائی تاکہ وہ بھی قریش کا تجارتی راستہ بند کرنے میں مددگار ثابت ہو۔ اشجع بظاہر قبیلہ غطفان کی ایک شاخ ہے یہ بھی قریش کے کاروانی راستے پر مدینے کے شمال میں بستے تھے۔ قریش کی تجارتی ناکہ بندی میں کامیابی کے بعد ۵ھ میں یہ قبیلہ معاشی مسائل کا شکار ہوا تو اپنا ایک وفد مدینہ بھیجا اور حضورؐ سے حلیفی کی۔ قریش مکہ کی تجارتی ناکہ بندی کی پالیسی کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ان مذکورہ وفود نے بہت اہم کردار ادا کیا تھا۔ نتیجتاً معاشی دباؤ کو برداشت نہ کرتے ہوئے قریش مکہ صلح حدیبیہ پر رضامند ہوئے اور مسلمانوں کو ایک قوت ماننے پر مجبور ہوئے تھے۔

جو سفراء یا وفود کے اراکین حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے وہ آپؐ کی دعوت اور اسلامی

Marfat.com

تعلیمات سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر وفود کے اراکین نے اسلام قبول کیا اور اسلامی احکامات سیکھے اور اپنے قبائل کو واپس جا کر لوگوں کو تبلیغ کی۔ نتیجتاً عرب قبائل دائرہ اسلام میں داخل ہوتے گئے اور اسلام نہ صرف عرب کی سرحدوں کو چھونے لگا بلکہ پڑوس کی عظیم سلطنتوں کے اندر بھی اس کے اثرات نمایاں ہونے لگے۔ گویا عرب کے دور دراز سرحدی قبائل میں اسلام کو ایک مذہبی اور سیاسی قوت بنانے میں ان وفود نے اہم کام کیا جو حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔

۵ھ میں بنوسعد بن بکر نے ضمام بن ثعلبہ کو اپنا سفیر بنا کر حضورؐ اکرم کی خدمت میں بھیجا۔ ضمام حضورؐ سے مختلف سوالات و جوابات کے بعد ایمان لائے اور اپنی قوم کی طرف لوٹ گئے اور لوگوں کو اسلام قبول کرنے کی تبلیغ دیتے ہوئے کہا ____ لات اور عُزّیٰ بہت بُرے ہیں، ان لوگوں نے کہا ضمام! برص اور کوڑھ اور جنون سے ڈرو اور ایسی بات زبان پر نہ لاؤ۔ انہوں نے کہا! خدا کے بندو! خدا کی قسم! یہ بت نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں نہ فائدہ۔ اللہ تعالیٰ نے رسولؐ گرامی کو بھیج دیا ہے، ان پر کتاب نازل کی اور تمہیں شرک و کفر سے نجات کی راہ دکھا دی ہے۔ جس شرک و کفر میں تم مبتلا تھے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمدؐ اللہ تعالیٰ کے عبد مکرم اور رسولؐ ہیں اور میں تمہارے پاس احکام لے کر آیا ہوں کہ انہوں نے کن چیزوں کا حکم دیا ہے اور کن چیزوں سے منع فرمایا ہے۔ اس بیان پر شام سے قبل ہی تمام لوگ مسلمان ہو گئے۔ قبیلہ دوس کے طفیل عمر دوسی آپؐ کی دعوت پر مسلمان ہوئے۔ واپس جا کر اپنے قبیلہ کو دعوت دیتے رہے۔ نتیجتاً ۷ھ میں دوس کے ستر یا اسی مسلمانوں کا وفد مدینہ منورہ آیا۔ ان میں ابو ہریرہؓ اور عبداللہؓ بن ازہیر بھی شامل تھے۔ (۲۰) ۸ھ میں جب آپؐ جعرانہ سے واپس ہوئے آپؐ نے قیس بن سعد بن عبادہ کو یمن میں قبیلہ صداء کے ساتھ چار سو مسلمانوں کی قیادت میں جنگ کی غرض سے روانہ فرمایا۔ صداء کے ایک شخص زیاد بن حارث اپنی قوم کی طرف سے سفیر بن کر حاضر ہوئے۔ آپؐ نے جیش کو واپس طلب کر لیا۔ بعد میں زیاد بن حارث پندرہ افراد پر مشتمل ایک وفد لے کر آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مشرف بہ اسلام ہوئے۔ قبیلہ صُداء میں اسلام سرعت سے پھیلا۔ حجۃ الوداع کے موقع پر اس قبیلے کے ایک سو افراد آپؐ کی زیارت کو حاضر ہوئے۔ (۲۱)

قبیلہ مراد کے فروہ بن مسیک مرادی، کندہ کے بادشاہوں کو چھوڑ کر اور ان سے کنارہ کشی اختیار کر کے رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا۔ تبوک سے واپسی پر رسول اللہؐ کی خدمت میں شاہانِ حمیر کا مکتوب پہنچا۔ جو حارث بن عبد کلال، نعیم بن عبد کلال اور ذی رعین، معافر اور ہمدان کے امیر نعمان نے ذرعہ زویزن مالک ابن مرہ ہادی کے ہاتھ بھجوایا گیا تھا۔ اس میں تحریر تھا کہ ہم اسلام لا چکے ہیں اور شرک اور اہل شرک سے کنارہ کش ہو چکے ہیں۔ آپؐ نے جواباً احکام اسلام لکھ کر

Marfat.com

بھجوائے۔

فروہ ابن عمر ابن الناضرہ جذامی نفائی نے ایک قاصد کو اپنے اسلام لانے کی اطلاع کرنے کے لئے رسول اللہؐ کی خدمت میں بھیجا۔ فروہ شاہِ روم کی طرف سے ان عربوں پر عامل مقرر تھے جو ان کے قریب رہتے تھے۔ شام میں معان اور اس کے آس پاس کا علاقہ ان کے زیر انتظام تھا۔ جب شاہِ روم کو ان کے اسلام لانے کی خبر ملی تو انہیں بلا کر گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا اور بالآخر ان کا سر قلم کر دیا گیا۔

فتح مکہ کے بعد وفد ثمالہ اور وفد الحدان آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا اور زکوٰۃ سے متعلق احکامات وصول کئے۔ اسی طرح وفد شیبان، وفد تجیب، وفد خولان، وفد جعفی، وفد خشین، وفد بلی، وفد عذرہ، وفد ثقیف، وفد بنو تمیم، وفد سلیم، وفد باہلہ، وفد غامق اور وفد حضرموت اور کئی دیگر وفود کے اراکین رسول اللہؐ کی دعوت پر اسلام کے دائرہ میں داخل ہوئے۔ ان وفود کے اسلام لانے اور واپس جانے پر تبلیغی کام سے مسلمانوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوا اور حدودِ ریاستِ اسلام میں بھی وسعت پیدا ہوتی گئی۔ اس طرح اسلام ایک عالمگیر طاقت اور مذہب بننے لگا۔

وفود کا تجزیاتی مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض قبائل کی طرف سے بھیجے گئے وفود اسلام قبول کئے بغیر واپس لوٹے البتہ صلح کے معاہدے کئے۔ بنو تغلب کے آئے ہوئے وفد کے کچھ اراکین عیسائی تھے، جنہوں نے اسلام قبول نہ کیا البتہ اس شرط پر صلح کی کہ وہ خود عیسائیت پر قائم رہیں گے لیکن اپنی اولاد کو عیسائیت کی تعلیم نہیں دیں گے۔ نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؐ نے اسلام کی دعوت دی، قرآن پاک سنایا لیکن وہ اسلام لانے کے لئے تیار نہ تھے۔ آپؐ نے مباہلہ کی پیشکش کی لیکن وہ کترا گئے بالآخر دو ہزار حلے سالانہ دینے پر صلح ہوئی۔ اور یمن سے جنگ کی صورت میں چند چیزوں کی عاریۃً مدد کی بھی شرط رکھی گئی۔ (۲۲) واپسی پر آپؐ نے ابوعبیدہ بن جراحؓ کو بعض امور کی غرض سے ساتھ بھیجا جن کے فیضان صحبت سے پورا نجران منور ہو گیا۔ بعض وفود کی آمد میں قبولیت اسلام کے ساتھ ساتھ اقتصادی امداد کا عنصر بھی نظر آتا ہے۔ ۹ھ میں تبوک سے واپسی پر بنو فزارہ کا وفد حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وفد کے اراکین نے جو کمزور سواریوں پر سوار ہو کر آئے تھے عرض کی کہ ہمارے شہر خشک سالی کی زد میں ہیں، ہمارے مویشی ہلاک ہو گئے، ہمارا علاقہ قحط کا شکار ہے اور کھیتیاں خشک ہو گئیں ہیں۔ آپؐ اپنے رب سے ہمارے لئے دعا کریں۔ حضورؐ نے دعا فرمائی۔

> ''اے اللہ! اپنے شہروں اور چوپایوں کو سیراب فرما، اپنی
> رحمت عام فرما اور اپنے مردہ شہر کو زندگی عطا فرما۔ اے اللہ!
> ہمیں سیراب کرنے والی، خوشگوار تازگی بخش وسیع اور ہمہ

Marfat.com

گیر بارش جلدی عطا فرما۔ دیر سے نہیں، مفید ہو، نقصان دہ نہ ہو۔ اے اللہ! ہمیں رحمت کی بارش عطا فرما جو باعث عذاب، مکانات کو گرانے والی، افراد کو غرق اور فنا کرنے والی نہ ہو۔ اے اللہ! ہمیں بارش عطا فرما اور دشمنوں کے خلاف ہماری مدد فرما۔''

حضورؐ کی دعا قبول ہوئی اور وادی فزارہ کی وادی میں قحط ختم ہوا اور کھیتیاں سبز ہو گئیں۔ (۲۳)
غرض رسول اللہؐ کی خدمت میں جتنے وفود حاضر ہوئے اسلام اور حضورؐ سے متاثر ہوئے بغیر واپس نہ گئے۔ اکثر مسلمان ہوئے اور جو اسلام نہ لا سکے حضورؐ نے اپنی سیاسی بصیرت کے کمال پر ان سے صلح کے معاہدات کئے جن سے مسلمانوں نے بھرپور انداز میں فائدہ اٹھایا۔ مشہور مصری مصنف ہیکل نے اس پر یوں تبصرہ کیا ہے۔

''جزیرہ نمائے عرب میں کوئی قبیلہ ایسا نہ تھا جس نے بت پرستی کی جگہ اسلام قبول نہ کر لیا ہو۔ عرب کے مشرکین بت پرستی چھوڑ کر اسلام میں داخل ہوتے گئے تا آنکہ تمام ملک بتوں کی پرستش سے بے نیاز ہو کر خدائے یکتا کی عبادت پر کاربند ہو گیا۔ از خود اطاعت گزارانہ حیثیت سے آیا۔ نہ کسی قبیلہ پر دباؤ ڈالا گیا اور نہ کسی کے معاملہ میں کشت و خون کی نوبت آئی۔'' (۲۴)

Marfat.com

حوالہ جات باب پنجم

۴۔ البخاری، کتاب الجہاد

۵۔ الطبری، ج ۳، ص ۸۸۷۔

۶۔ طبقات ابن سعد، حصہ دوم، ص ۳۶۔

۷۔ علی بن برہان الدین حلبی، "السیرۃ الحلبیہ"، ج ۳، ص ۲۹۳۔

۸۔ فتوح البلدان، ص ۱۲۸۔

۹۔ السیرۃ الحلبیہ، ج ۳۔ ص ۳۰۴

۱۰۔ طبقات ابن سعد، جلد ۲، صفحہ ۷۵۔

۱۱۔ مودودی، "تفہیم القرآن"، جلد ۲، ص ص ۱۶۸۔۱۶۹۔

۱۲۔ ابن ہشام، "سیرۃ النبی ﷺ"، جلد ۴، ص ۲۷۲۔

۱۳۔ السیرۃ الحلبیہ، جلد ۲، ص ۲۳۵۔

۱۴۔ الخصائص الکبریٰ، جلد ۲، ص ۲۳۔

۱۵۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، جلد ۱، ص ۲۹۰۔

۱۶۔ ایضاً، جلد ۲، ص ۲۴۲۔

۱۷۔ طبقات ابن سعد، حصہ دوم، ص ۱۳۰

۱۸۔ ڈاکٹر حمید اللہ، "رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی"، ص ۲۷۹۔

۱۹۔ طبقات ابن سعد، حصہ دوم، ص ۷۵۔

۲۰۔ زاد المعاد، جلد سوم، ص ۱۱۷۔ طبقات ابن سعد، حضہ دوم، ص ۱۵۵۔

۲۱۔ ایضاً، ص ۱۲۲۔

Marfat.com

۲۲۔ نقوش رسول نمبر، جلد ۷، ص ۷۱۹۔

۲۳۔ طبقات ابن سعد (عربی)، جلد ۱، ص ۲۹۷، بحوالہ "نقوش رسولؐ نمبر" جلد ۷، ص ۲۹۷۔

۲۴۔ محمد حسین ہیکل، "حیات محمد ﷺ"، ص ۵۸۳۔

Marfat.com

باب ۶

رسولؐ اللہ کے سیاسی وفوجی اتحادات ومعاہدات

کسی بھی ملک کی خارجہ سیاست میں معاہدانہ روابط کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ ہر ریاست کی خواہش اور کوشش ہوتی ہے کہ اس کی سرحدات دشمنوں سے محفوظ رہیں اور اس مقصد کے لیے وہ پڑوسی ملکوں اور بڑی طاقتوں کے ساتھ معاہدے بھی کرتی ہے۔ ایسے معاہدے مختلف نوعیت کے ہوتے ہیں دفاعی بھی اور سیاسی بھی ____ بعض اوقات دو سے زائد ممالک اکٹھے مل کر دفاعی تقاضوں کو پورا کرنے کی ذمہ داری قبول کر لیتے ہیں۔ یعنی خود کو فوجی اتحاد میں جکڑ لیتے ہیں تا کہ دشمن سے اجتماعی طاقت کے ساتھ نبٹا جا سکے۔ ایسے معاہدے اور اتحادات ہمیشہ بعض اصولوں اور شرائط کے تحت طے پاتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے بہت سے اصول مقرر فرمائے ہیں۔ مثلاً دوسرے پر برداشت سے زیادہ بوجھ ڈالنا یا معاہدے سے پھرنا یا اس کی خوش دلی کے بغیر اس سے کچھ لینا، ان تمام باتوں سے منع فرمایا ہے اور کہا ہے کہ معاہدہ میں ایسا فعل کرنے والوں کے خلاف بروز قیامت میں وکیل ہوں گا۔ آپ ﷺ نے معاہدے کی خلاف ورزی نہ تو خود کی اور نہ ہی کسی دوسرے مسلمان کو کرنے کی تلقین فرمائی۔ بلکہ غزوۂ نضیر ایک معاہدے کو پورا کرنے کے سلسلے میں ہی ہوئی تھی۔ ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے وعدہ خلافی کی وہ ہم (مسلمانوں) میں سے نہیں، اس طرح ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جو قوم عہد شکنی کرتی ہے، اس پر دشمن مسلط کر دیا جاتا ہے۔ معاہدہ یا میثاق کا ذکر سورۂ اعراف کی آیت ۱۷۲ میں بھی آیا ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ

''اور جب تمھارے پروردگار نے بنی آدم سے یعنی ان کی پیٹھوں سے ان کی اولاد نکالی، تو ان سے خود ان کے بارے میں اقرار کرالیا۔ کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں وہ کہنے لگی کیوں نہیں، ہم گواہ ہیں (کہ تو ہمارا پروردگار ہے) یہ اقرار اس لیے کرایا گیا تھا کہ قیامت کے دن کہیں یوں نہ کہنے لگو کہ ہم کو تو اس کی بھی خبر نہیں۔''

Marfat.com

اس کی مزید وضاحت سورۃ الاحزاب میں کی گئی ہے:

''اور جب ہم نے پیغمبروں سے میثاق لیا اور تم سے نوحؑ
سے اور ابراہیمؑ سے اور موسیٰؑ سے اور مریمؑ سے اور عیسیٰؑ سے
اور میثاق بھی ان سے چکالیا''۔(۱)

رسول اللہ ﷺ نے سیاستِ خارجہ میں معاہدات اور حلیفانہ تعلقات کی طرف غیر معمولی توجہ فرمائی۔ کیونکہ آپ ﷺ جنگ وجدل سے انتہائی ممکن حد تک بچ نکلنا چاہتے تھے تاکہ ایسی پرسکون فضا میں دعوت حق کا کام بخوبی ہو سکے اور جنگی جذبات بیچ میں حائل نہ ہوں۔ جنگی کاروائیاں جہاں کہیں بقائے ریاست، بقائے امن یا بقائے اسلام کے لیے ناگزیر ضرورت بن گئیں وہاں تو آپ ﷺ نے کسی درجہ کی ہچکچاہٹ سے کام نہیں لیا، لیکن اگر جنگ سے بچ کے نکلا جا سکتا ہو اور ریاست کا سیاسی تحفظ واستحکام اور دعوت کے لیے کھلا میدان امن وآشتی سے خالی کرنا ممکن ہو تو پھر آپ ﷺ نے لازماً صلح آشتی کا راستہ اختیار کیا۔ خود رسول اللہ ﷺ نے معاہدہ عقبہ کے نتیجے میں مکہ سے مدینہ ہجرت فرمائی، پھر ریاست کا وجود تلوار کے زور سے نہیں بلکہ دستوری معاہدے پر قائم ہوا۔

معاہدات استوار کرنا اور حلیفانہ تعلقات قائم کرنا کوئی آسان کام نہیں ہوتا خصوصاً جب کہ مذہبی اختلافات اور سیاسی تعصّبات موجود ہوں اور کئی مخالف طاقتیں مداخلت بھی کر رہی ہوں۔ پھر ایسے قبائل اور عناصر سے معاہدات طے کرنا اور بھی زیادہ مشکل ہو جاتا ہے جو سابق تعلقات نہ رکھنے کی وجہ سے بالکل اجنبی ہوں۔ اس کام کے لیے بڑی سیاسی مہارت کی ضرورت ہوتی ہے، مخاطب کے حالات اور رجحانات کو دیکھنا، قوت کو پہچاننا، توازن قوت کو سمجھنا، مخالف طاقتوں کے اثرات کا مطالعہ کرنا، شرائط کے فوری اور دوررس نتائج پر نظر رکھنا اور پھر نفسیاتی گفت وشنید میں اثر پیدا کرنا۔ ایسے بے شمار لوازم کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ محسنِ انسانیت ﷺ نے اس دائرہ کار میں جس درجے کی سیاسی بصیرت اور قائدانہ مہارت اور قابلیت کا نمونہ پیش کیا ہے اس کی مثال کہیں نہیں مل سکتی۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے مختلف حالات میں مختلف نوعیت کے معاہدات اور حلیفانہ تعلقات قائم کرتے ہوئے کسی بھی موقع پر نظریۂ حق، اپنے اخلاقی اصولوں اور سیاسی مرتبے کو ذرا سا بھی نقصان نہیں پہنچنے دیا۔ بلکہ جتنے معاہدات اور اتحادات آپ ﷺ نے قائم فرمائے خواہ ان کی نوعیت سیاسی تھی، اقتصادی یا فوجی ان سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کی۔ اس کا اندازہ معاہدات کی تفصیل سے بخوبی ہو جاتا ہے۔(۲)

Marfat.com

معاہدہ عقبہ اولیٰ

یثرب میں قحطانی نسل کے دو قبیلے اوس اور خزرج آباد تھے۔ان قبیلوں کا پیشہ زراعت تھا۔ یثرب میں یہودیوں کی بھی خاصی کثرت تھی، یہ تجارت پیشہ لوگ تھے۔اوس وخزرج اور یہودیوں کے باہمی تعلقات مستحکم نہیں تھے بلکہ ان میں اچھی خاصی رقابت موجود تھی۔کبھی کبھار جنگ وجدال کی نوبت بھی آجاتی تھی ____ یہودی دراصل قبائلی رقابتوں کی آڑ میں یثرب پر حکمرانی کا خواب دیکھ رہے تھے۔پھر اہلِ کتاب ہونے کی حیثیت سے وہ اپنی مذہبی برتری بھی قبائل عرب پر منوانا چاہتے تھے۔انہیں یہ علم تھا کہ ایک نبی کی بعثت ہونے والی ہے۔حقیقت میں یہودیوں کو تین پیغمبروں عیسیٰؑ، ایلی جاہؑ اور موسیٰؑ جیسے ایک پیغمبر کا انتظار تھا ____ جس کے ذریعے وہ یہودیت کے پرچار اور پھیلاؤ کا سوچ رہے تھے۔ انصار اس پہلو سے تہی دامن تھے۔اسی سبب نے اوس وخزرج کے لئے دعوتِ محمدیہؐ قبول کرنے کی گنجائش پیدا کردی۔نبوت کے دسویں برس حج کے دنوں میں خزرج کا ایک قافلہ مکہ آیا۔حضور پاک ﷺ عقبہ کے مقام پر ان سے ملے اور قرآن پاک پڑھ کر سنایا، اللہ تعالیٰ عزوجل شانہ، کی عظمت وجلال کا تذکرہ کیا اور بتوں سے ان کو نفرت دلائی۔ بت پرست ہونے کے باوجود یہودیوں سے روابط ہونے کی بنا پر ان کو یہ پتہ تھا کہ ایک نبی مبعوث ہونے والا ہے۔(۳) آپ ﷺ کی دعوت پر بعض نے کہا، واللہ یہ وہی نبی ہیں جن کا تذکرہ یہودی کرتے ہیں، دیکھو کہیں وہ ہم سے سبقت نہ لے جائیں۔(۴) الغرض یہ افراد مشرف بہ اسلام ہوئے۔بنی خزرج کے ان چھ افراد کے نام یہ تھے۔

(۱) ابوامامہ اسعد بن زرارہ (۲) عوف بن حرث (۳) رافع بن مالک
(۴) قطبہ بن عامر (۵) عقبہ بن عامر (۶) جابر بن عبداللہ

انہوں نے یثرب واپس جاکر تبلیغ شروع کردی۔اگلے سال یعنی ۱۱ نبوی بمطابق ۶۲۱ء اہلِ یثرب کا ۱۲ رکنی وفد پھر حج کے لیے مکہ آیا۔(۵) ان میں سے پانچ حضرات تو انہیں میں سے تھے جو گزشتہ برس آئے تھے۔باقی سات نئے تھے۔ان کے نام یہ ہیں۔

۱۔معاذ بن حارث ۲۔ ذکوان بن عبدالقیس ۳۔ عبادہ بن صامت
۴۔ یزید بن ثعلبہ ۵۔ عباس بن عبادہ ۶۔ ابوالہشیم مالک بن التیہان
۷۔ عویم بن ساعدہ

رسالت مآب ﷺ نے ان سے درج ذیل امور پر باقاعدہ بیعت لی:

۱۔ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔

Marfat.com

۲۔ ہم چوری نہیں کریں گے۔
۳۔ ہم زنا کے مرتکب نہیں ہوں گے۔
۴۔ اولاد کے قتل سے اجتناب کریں گے۔
۵۔ ہم باہمی بہتان طرازی سے پرہیز کریں گے۔
۶۔ ہم آپ ﷺ کی معروف و نیک امر میں نافرمانی نہیں کریں گے۔(۶)

اس بیعت کے بعد یہ لوگ یثرب لوٹ گئے جہاں ان کی وجہ سے اسلام کو اور زیادہ فروغ ہوا۔ حضرت محمد ﷺ نے حضرت مصعبؓ کو ان کے ساتھ بھیج دیا تھا تا کہ احکام قرآن کی اشاعت کریں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قبیلہ اوس کے سرداروں نے بھی اسلام قبول کر لیا اور اس طرح گھر گھر اسلام کا چرچا ہونے لگا۔ بیعتِ عقبہ اولیٰ کے اگلے سال ماہ رجب مکہ آئے اور آپ ﷺ سے اپنی پیش رفت کا ذکر کیا انہوں نے یہ عرض کی کہ محفوظ و مامون حالات کے پیش نظر یثرب کو اسلامی قالب میں مکمل طور پر ڈھالا جا سکتا ہے۔ علاوہ بریں وہاں کے مسلمان بہادر جری بھی ہیں۔

حضور ﷺ نے ان حالات کا تقابل مکہ کے مشرکین کے نا قابلِ برداشت مظالم سے کیا۔ یثرب کے حالات مسلمانوں کے حق میں ازحد بہتر اور موزوں تھے۔ مکہ کی بنجر زمین کی طرح اس کے باسیوں کی طبیعت میں سختی پائی جاتی تھی۔ اہل یثرب کے دل بھی وسیع تھے اور زمین بھی مکہ کی نسبت قابل کاشت۔ اہل یثرب آپ ﷺ کو ایک ایسے مقام کی پیش کش کر چکے تھے جہاں اسلام کی تکمیل ہوتی نظر آتی تھی۔ ان چھ حضرات نے جنہیں بیعت عقبیٰ اولیٰ سے پہلے اسلام قبول کرنے کا شرف حاصل ہوا تھا آپ ﷺ سے عرض کی تھی کہ ہم آپ ﷺ کی رسالت کی تصدیق کرتے ہیں اور آپ ﷺ پر ایمان لاتے ہیں۔ ہم آپس میں اور یہودیوں سے اکثر برسر پیکار رہتے ہیں۔ اگر آپ ﷺ کے ذریعے اتفاق پیدا ہو سکا تو اس وقت ہمیں آپ ﷺ سے زیادہ کوئی عزیز نہ ہوگا۔(۷) آپ ﷺ یہ بھی جانتے تھے کہ مکہ میں ان کے ساتھی قریش کا مقابلہ نہیں کر سکتے آپ ﷺ کے چند رشتے دار اگرچہ آپ ﷺ کی حمایت کرتے تھے لیکن وہ برملا قریش کی ناراضگی کی قیمت نہیں دے سکتے تھے۔

بیعت عقبہ اولیٰ میں مسلمانوں کے لیے ایک سیاسی مرکز کی تلاش بھی کارفرما تھی۔ اس میں کوئی کلام نہیں کہ مسلمانوں نے حبشہ کی طرف دو دفعہ ہجرت کی۔ وہاں فرمانروا نجاشی نے ان کی آؤ بھگت بھی کی تھی لیکن حبشہ کے محل وقوع کی نسبت یثرب کا محل وقوع مسلمانوں کے حق میں تھا۔ یثرب میں ان کے بھائی ان کی اعانت بھی کر سکتے تھے جبکہ جزیرہ نمائے عرب سے حبشہ جا کر مدد کرنا اس وقت کے حالات کے پیش نظر ممکن نہ تھا۔

Marfat.com

معاہدۂ عقبہ ثانی

اگلے برس یعنی ۱۲ نبوی بمطابق ۶۲۲ء یثرب سے بہت سے لوگ حج کی غرض سے مکہ آئے اور پچھتر مسلمانوں نے عقبہ کے مقام پر حضور ﷺ کی بیعت کی۔ اس کو معاہدہ یا بیعت عقبہ ثانی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ حضور ﷺ نے وفد سے ارشاد فرمایا کہ

> ''میں تم سے اس بات پر بیعت لیتا ہوں کہ تم میری حفاظت اپنے بیوی اور بچوں کی حفاظت کی طرح کرو گے۔'' (۸)
>
> جہاں تمہارا خون گرے گا، میرا لہو بہے گا۔ میں تم سے ہوں اور تم میرے ہم قوم ہو۔ جس سے تمہاری جنگ ہوگی میں بھی اس سے برسر پیکار رہوں گا۔ جس سے تمہاری صلح ہوگی میں بھی اس کا حلیف ہوں گا۔ (۹)

بیعت ہائے عقبہ بیک وقت مذہبی مواثیق بھی ہیں اور سیاسی و فوجی معاہدات بھی۔ نیز یہ معاہدہ بیک وقت معاہدۂ عمرانی بھی ہے۔ اس سے اسلام کی عظمت کی نیو رکھی گئی، اہلِ یثرب آپ ﷺ کی اطاعت کے پابند بنے اور آپ ﷺ کی حفاظت کی ذمہ داری قبول کی۔

اس معاہدے میں بیعتِ عقبہ اولیٰ کے برعکس جنگ کی شق بھی موجود تھی۔ آپ ﷺ نے اہل یثرب سے یہ عہد لیا تھا جس کے آپ ﷺ خود بھی فریق تھے کہ ''تمہاری جنگ میری جنگ، تمہاری صلح میری صلح اور میں اب تمہیں میں سے ہوں۔'' اس اقرار نے گویا دونوں فریقوں کو پابند کیا کہ ان کے حریف و حلیف مشترکہ ہوں گے۔ یہاں اس کے نتائج کے طور پر دیکھنا یہ ہے کہ اہل یثرب میں جنہوں نے یہ اقرار کیا تھا کس حد تک اس کو پورا کرنے میں کامیاب ہوئے۔ فوجی حلیفی کے نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو یہ معاہدہ بڑا کارگر ثابت ہوا۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ معاہدۂ عقبہ میں شریک پچھتر افراد میں سے پچاس سے زائد حضور پاک ﷺ کے ساتھ بدر، اُحد، خندق وغیرہ کے مقامات پر لڑی جانے والی جنگوں میں شریک تھے۔ جبکہ ان میں سے پندرہ سے زائد نے انہی مختلف جنگوں میں شہادت حاصل کی۔ حضور پاک ﷺ کے ساتھ کیے گئے اقرار کو پورا کرنے کے لیے اس سے بڑی قربانی ممکن نہیں ہو سکتی۔

معاہدۂ عقبہ اسلامی تاریخ میں ایک اہم موڑ ثابت ہوا۔ اہل مدینہ نے اسلام قبول کیا تو گویا یہ حقیقت بھی مان لی کہ دین و ایمان کے آگے رنگ و نسل، زبان و وطن اور قومیت و عصبیت بے وقعت ہیں

Marfat.com

اور اتحاد کا سب سے مستحکم ذریعہ ''دین'' ہی بن سکتا ہے۔ پھر انہیں یہ اطمینان وفخر بھی حاصل ہو گیا کہ وہ یہودیوں سے زیادہ مؤقر اور ان سے بہتر دین وکتاب کے حامل ہو گئے ہیں۔ اہل مکہ پر جو بیعت عقبہ کے اثرات متوقع تھے وہ کسی بھی صاحب نظر سے پوشیدہ نہ تھے اور قریش خود بھی اس کی خطرناکیوں کو اچھی طرح محسوس کر رہے تھے۔ اسی لیے جس رات عقبہ کی بیعت ہوئی علی الصبح ہی قریش اہل مدینہ کے خیموں میں آدھمکے اور اہل مدینہ سے پوچھنے لگے کہ

> ''ہم نے سنا ہے تم نے ہمارے خلاف جنگ پر معاہدہ کر لیا
> ہے اور ہمارے آدمی کو تم نکال کر لے جانا چاہتے ہو۔'' (۱۰)

ان الفاظ میں قریش کے اندرونی خدشات نمایاں نظر آ رہے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ مدینہ میں اہل ایمان اور اوس وخزرج کی قوت کا مجتمع ہونا ان کے لیے پیغام موت سے کم نہیں ہے کیونکہ اوس وخزرج ایک جنگ جو قوم ہے اور وہ آنحضرت اور دوسرے مسلمانوں کی حفاظت کرنے پر پوری طرح قادر ہے۔ نیز مدینہ کی طرف سے مکہ پر حملہ بھی غیر متوقع نہیں ہو سکتا تھا بلکہ اس سے زیادہ بڑا خطرہ اہل مدینہ سے یہ تھا کہ شام کی تجارتی شاہراہ چونکہ مدینہ سے ہو کر گزرتی ہے اس لیے مدینہ سے اس شاہراہ کی ناکہ بندی کی جا سکتی ہے اور اس طرح وہ معاشی شہ رگ بھی کاٹی جا سکتی ہے جس کے محفوظ رہنے پر قریش اور دوسرے بڑے بڑے قبائل کی معاشی زندگی کا انحصار تھا ______ علاوہ ازیں یہ احساس بھی قریش مکہ کے لیے کم سوہانِ روح نہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ یوں آسانی کے ساتھ ان کے دست ظلم سے بچ کر ایک محفوظ ٹھکانہ بنا لیں اور شجر اسلام نئی زمین اور نئی فضا میں پرورش پا کر ایک تناور درخت بن جائے۔

معاہدۂ مدینہ

معاہدۂ عقبہ کے نتیجے میں رسول اللہ ﷺ اور دیگر مسلمان مکہ چھوڑ کر مدینہ جا کر آباد ہو گئے۔ مدینہ میں آنحضرت ﷺ کو چند فوری ضرورتوں اور مسائل کا سامنا تھا۔

۱۔ اپنے اور مقامی باشندوں کے حقوق وفرائض کا تعین

۲۔ مہاجرین مکہ کے توطن اور گذر بسر کا انتظام

۳۔ مدینہ کے غیر مسلموں خاص کر یہودیوں سے سمجھوتہ

۴۔ مدینہ کی سیاسی تنظیم اور فوجی مدافعت کا اہتمام

۵۔ قریش سے مہاجرین کو پہنچے ہوئے جانی و مالی نقصان کا بدلہ (۱۱)

بیعتِ عقبہ کے ذریعے رسول اللہ ﷺ اور اہل مدینہ کے درمیان جس انداز و پیمانے پر سیاسی

Marfat.com

رابطہ استوار ہوا اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی قیادت کو مکمل سمع وطاعت کے ساتھ جس طرح قبول کرلیا تھا اس کے بعد تو فی الواقع ضرورت اس امر کی رہ گئی تھی کہ کوئی قطعی اراضی زیر اثر آجائے جس میں کوئی اور سیاسی اقتدار کارفرمانہ ہو تو معاً ایک ریاست روبہ عمل آسکتی ہے۔

چنانچہ ہجرتِ مدینہ کے بعد ایک طرف تو مسلمانوں کی جماعت کو عقدِ مواخاۃ کے ذریعے ایک منظّم معاشرہ کی شکل دے دی گئی اور دوسری طرف ایک سرزمین بھی حاصل ہوگئی جہاں نیراج کی وجہ سے کوئی باقاعدہ سیاسی اقتدار موجود نہ تھا گویا ریاست کے کل عناصر ولوازم میسر آگئے۔(۱۲) جہاں مذکورہ بالا تقاضوں کو پورا کیا جاسکتا تھا تو ابتدائی مسائل سے فارغ ہوتے ہی رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کے پہلے ہی سال میں ایک دستاویز مرتب فرمائی جسے مدینہ کے لوگوں نے تسلیم کیا۔ یہ معاہدہ طرفین کی رفاہیت اور حقوق کی نگہبانی میں جامعیت کے اعتبار سے تاریخ کا اہم ترین باب ہے۔(۱۳)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۔ یہ دستاویز محمد ﷺ کی طرف سے جو نبی ہیں۔ مہاجرین اور اہل یثرب میں سے مسلمانوں اور ان لوگوں کے مابین جو ان کے تابع ہوں اور ان کے ساتھ شامل ہو جائیں اور ان کے ہمراہ جہاد میں حصہ لیں۔ دوسرے تمام لوگوں کے بالمقابل ان کی ایک علیحدہ سیاسی وحدت ہوگی۔

۲۔ قریش کے مہاجر قبل اسلام کے دستور کے مطابق خون بہا ادا کریں گے اور اپنے اسیروں کا فدیہ ادا کریں گے تاکہ ایمان والوں کا برتاؤ باہم نیکی اور انصاف کا ہو۔

۳۔ اور بنی عوف اپنے دستور کے مطابق خون بہا ادا کریں گے اور ہر گروہ اپنے اسیروں کو خود فدیہ دے کر چھڑائے گا۔ تاکہ ایمان والوں کا برتاؤ باہم نیکی اور انصاف کا ہو۔

۴۔ اور بنی حارث اپنے دستور کے مطابق خون بہا ادا کیا کریں گے اور ہر گروہ اپنے اسیروں کو فدیہ دے کر چھڑائے گا تاکہ ایمان والوں کا برتاؤ باہم نیکی اور انصاف کا ہو۔

۵۔ اور بنی ساعدہ اپنے دستور کے مطابق خون بہا ادا کیا کریں گے اور ہر گروہ اپنے اسیروں کو فدیہ دے کر چھڑائے گا تاکہ ایمان والوں کا برتاؤ باہم نیکی اور انصاف کا ہو۔

۶۔ اور بنی جشم اپنے دستور کے مطابق خون بہا ادا کیا کریں گے اور ہر گروہ اپنے اسیروں کو فدیہ دے کر چھڑائے گا تاکہ ایمان والوں کا برتاؤ باہم نیکی اور انصاف کا ہو۔

۷۔ اور بنی نجار اپنے دستور کے مطابق خون بہا ادا کیا کریں گے اور ہر گروہ اپنے اسیروں کو فدیہ دے کر چھڑائے گا تاکہ ایمان والوں کا برتاؤ باہم نیکی اور انصاف کا ہو۔

۸۔ اور بنی عمرو بن عوف اپنے دستور کے مطابق خون بہا ادا کیا کریں گے اور ہر گروہ اپنے اسیروں کو

Marfat.com

فدیہ دے کر چھڑائے گا تا کہ ایمان والوں کا برتاؤ باہم نیکی اور انصاف کا ہو۔

۹۔ اور بنی البنیت اپنے دستور کے مطابق خون بہا ادا کیا کریں گے اور ہر گروہ اپنے اسیروں کو فدیہ دے کر چھڑائے گا تا کہ ایمان والوں کا برتاؤ باہم نیکی اور انصاف کا ہو۔

۱۰۔ اور بنی اوس اپنے دستور کے مطابق خون بہا ادا کیا کریں گے اور ہر گروہ اپنے اسیروں کو فدیہ دے کر چھڑائے گا تا کہ ایمان والوں کا برتاؤ باہم نیکی اور انصاف کا ہو۔

۱۱۔ اور ایمان والے کسی قرض کے بوجھ سے دبے ہوئے کو مدد دیے بغیر نہ چھوڑیں گے تا کہ اس کا فدیہ یا خون بہا بخوبی ادا ہو سکے۔

۱۲۔ اور کوئی مومن دوسرے کسی مومن کی اجازت کے بغیر اس کے مولا سے معاہدہ نہیں کرے گا۔

۱۳۔ اور متقی ایماندار ہر اس شخص کی مخالفت پر کمر بستہ رہیں گے جو ان میں سے سرکشی کرنے یا استحصال یا بالجبر کرنا چاہے یا گناہ یا زیادتی کا مرتکب ہو یا ایماندار لوگوں میں فساد پھیلائے۔ ان سب کے ہاتھ ایسے شخص کی ممانعت پر ایک ساتھ اٹھیں گے خواہ وہ ان میں سے کسی کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔

۱۴۔ اور کوئی ایماندار کسی ایماندار کو کافر کی خاطر قتل نہ کرے گا اور نہ کسی ایماندار کے خلاف کافر کو مدد دے گا۔

۱۵۔ اور خدا کا ذمہ ایک ہی ہے۔ مسلمانوں میں سے ادنیٰ فرد بھی کسی کو پناہ دے کر سب پر پابندی عائد کر سکے گا اور ایمان والے دوسرے لوگوں کے مقابلے میں باہم بھائی بھائی ہیں۔

۱۶۔ اور یہودیوں میں سے جو ہمارا اتباع کرے گا تو اسے امداد و مساوات حاصل ہوگی، نہ ان پر ظلم ہو گا اور نہ ان کے خلاف کسی کو مدد دی جائے گی۔

۱۷۔ اور ایمان والوں کی صلح ایک ہی ہوگی۔ اللہ کی راہ میں لڑائی ہو تو کوئی ایمان والا کسی دوسرے ایمان والے کو چھوڑ کر دشمن سے صلح نہیں کرے گا جب تک یہ صلح سب کے لیے برابر نہ ہو۔

۱۸۔ اور ایمان والے اس چیز کا انتقام لیں گے جو خدا کی راہ میں ان کے خون تک پہنچے۔

۱۹۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ متقی ایمان والے سب سے اچھے اور سب سے سیدھے راستہ پر ہیں۔

۲۰۔ اور ہر کوئی مشرک قریش کے جان اور مال کو پناہ نہ دے گا اور نہ اس سلسلے میں کسی مومن کے آڑے آئے گا۔

۲۱۔ اور جو شخص کسی مومن کو ناحق قتل کرے گا اور اس کا ثبوت مہیا ہو تو اس سے قصاص لیا جائے گا بجز اس صورت کہ مقتول کا ولی خون بہا پر راضی ہو جائے اور تمام ایمان والے اس کی تعمیل کے لیے اٹھیں گے اور اس کے سوا ان کے لیے کوئی صورت ان کے لیے جائز نہ ہوگی۔

Marfat.com

۲۲۔ اور کسی ایمان والے کے لیے جو اس دستاویز کے مندرجات کا اقرار کر چکا اور خدا اور یومِ آخرت پر ایمان لا چکا ہو، یہ بات جائز نہ ہوگی کہ کسی قاتل کو مدد یا پناہ دے اور جو اسے مدد یا پناہ دے گا تو قیامت کے دن خدا کی لعنت اور غضب کا مستوجب ٹھہرے گا اور اس سے کوئی فدیہ یا معاوضہ قبول نہ کیا جائے گا۔

۲۳۔ اور جب کبھی تم میں سے کسی چیز کے متعلق اختلاف پیدا ہو تو اللہ تعالیٰ اور محمد ﷺ کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

۲۴۔ اور یہودی اس وقت مومنین کے ساتھ اخراجات برداشت کرتے رہیں گے جب تک وہ مل کر جنگ کرتے رہیں۔

۲۵۔ اور بنی عوف کے یہودی مومنین کے ساتھ ایک سیاسی وحدت (امت) تسلیم کیے جاتے ہیں۔ یہودی اپنے دین پر رہیں اور مسلمان اپنے دین پر خواہ موالی ہوں یا اصل۔ البتہ جو لوگ ظلم اور عہد شکنی کے مرتکب ہوں گے وہ اپنی ذات یا گھرانے کے سوا کسی کو ہلاکت وفساد میں نہیں ڈالیں گے۔

۲۶۔ اور بنی نجار کے یہودیوں کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو بنی عوف کے یہودیوں کو۔

۲۷۔ اور بنی حارث کے یہودیوں کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو بنی عوف کے یہودیوں کو۔

۲۸۔ اور بنی ساعدہ کے یہودیوں کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو بنی عوف کے یہودیوں کو۔

۲۹۔ اور بنی جشم کے یہودیوں کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو بنی عوف کے یہودیوں کو۔

۳۰۔ اور بنی اوس کے یہودیوں کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو بنی عوف کے یہودیوں کو۔

۳۱۔ اور بنی ثعلبہ کے یہودیوں کے بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو بنی عوف کے یہودیوں کو۔ البتہ جو ظلم یا عہد شکنی کا ارتکاب کرے گا اس کی ذات یا گھرانے کے سوا کوئی مبتلائے ہلاکت وفساد نہ ہوگا۔

۳۲۔ اور جفنہ جو بنی ثعلبہ کی شاخ ہے اسے بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اصل کو۔

۳۳۔ اور بنی شیطبہ کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو بنی عوف کے یہودیوں کو اور وفا شعاری ہو نہ کہ عہد شکنی۔

۳۴۔ اور ثعلبہ کے موالی کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اصل کو۔

۳۵۔ اور یہودیوں کے قبائل کی ذیل شاخوں کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اصل کو۔

۳۶۔ اور یہ کہ ان میں سے کوئی بھی محمد ﷺ کی اجازت کے بغیر جنگ کے لیے نہ نکلے گا۔

۳۷۔ اور زخم کا بدلہ لینے میں کوئی رکاوٹ نہ ڈالی جائے گی۔ جو کوئی خون ریزی کرے تو اس کی ذمہ داری اس پر اور اس کے گھرانے پر ہوگی۔ بجز اس شخص کے جس پر ظلم کیا گیا ہو اور خدا اس کے ساتھ

Marfat.com

ہے جو اس دستاویز کی زیادہ سے زیادہ وفا شعارانہ تعمیل کرے۔

۳۸۔ یہودی اپنے خرچ کے ذمہ دار ہوں گے اور مسلمان اپنے خرچ کے۔

۳۹۔ اور جو کوئی اس صحیفے کو قبول کرنے پر ان سے جنگ کرے تو یہودی اور مسلمان ایک دوسرے کی مدد کریں گے اور ان میں باہم حسنِ مشورہ اور بہی خواہی ہوگی۔ وفا ان کا شیوہ ہوگا نہ کہ عہد شکنی۔

۴۰۔ کوئی شخص اپنے حلیف کی بدعملی کا ذمہ دار نہ ٹھہرایا جائے گا اور مظلوم کو بہر حال مدد دی جائے گی۔

۴۱۔ جنگ میں یہودیوں پر ان کے خرچے کا بار ہوگا اور مسلمانوں پر ان کے خرچے کا۔

۴۲۔ یثرب کا میدان اس نوشتے کے ماننے والوں کے نزدیک مقدس و محترم ہوگا۔

۴۳۔ پناہ گزین سے ویسا ہی برتاؤ ہوگا جیسا کہ پناہ دہندہ سے ہو رہا ہے۔ نہ اسے کوئی نقصان پہنچایا جائے گا اور نہ وہ خود عہد شکنی کرے گا۔

۴۴۔ کسی عورت کو اس کے کنبے کی اجازت کے بغیر پناہ نہ دی جائے گی۔

۴۵۔ اس نوشتے کو قبول کرنے والوں کے درمیان کوئی نیا معاملہ یا جھگڑا پیدا ہوا جس پر فساد رونما ہونے کا ڈر ہو تو اسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے رجوع کیا جائے گا۔ اس نوشتے میں جو کچھ ہے اللہ تعالیٰ کو اس پر زیادہ سے زیادہ احتیاط اور وفا شعاری پسند ہے۔

۴۶۔ اور قریش کو پناہ دی جائے گی اور نہ اس شخص کو جو ان کا معاون ہو۔

۴۷۔ اور کوئی یثرب پر حملہ آور ہو تو یہودیوں اور مسلمانوں پر ایک دوسرے کی امداد و نصرت لازم ہوگی۔

۴۸۔ اور اگر ان کو کسی صلح میں مدعو کیا جائے تو وہ بھی صلح کریں اور اس میں شریک رہیں گے۔ اس طرح جب وہ کسی صلح کے لیے بلائیں گے تو اسے قبول کریں گے اور مسلمانوں پر بھی قبول کر لینا لازم ہوگا بجز اس صورت کے کہ کوئی دینی جنگ کرے۔

۴۹۔ ہر شخص کے حصے میں اسی کی مدافعت آئے گی جو اس کے بلمقابل ہوگا۔

۵۰۔ اور اوس کے یہودیوں کو حوالی ہوں کہ اصل وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اس دستاویز کے ماننے والوں کو حاصل ہوں گے اور وہ بھی اس دستاویز والوں کے ساتھ خالص وفا شعاری کا برتاؤ کریں گے۔ اور وفا شعاری ہوگی نہ کہ عہد شکنی۔ جو جیسا کرے گا ویسا خود ہی بھرے گا۔ اور خدا اس کے ساتھ ہے جو جو اس دستاویز کی مندرجات کی زیادہ سے زیادہ صداقت اور زیادہ سے زیادہ وفا داری کے ساتھ تعمیل کرے۔

۵۱۔ یہ نوشتہ کسی ظالم یا عہد شکن کے آڑے نہ آئے گا اور جو شخص جنگ کے لیے نکلے وہ بھی اور جو شخص گھر بیٹھا رہے وہ بھی امن کا مستحق ہوگا۔ صرف وہ مستثنیٰ ہوں گے جو ظلم یا عہد شکنی کے مرتکب

Marfat.com

ہوں گے۔

۵۲۔ اور اللہ تعالیٰ اس شخص کا حامی ہے جو عہد و اقرار میں وفا شعار اور پرہیز گار ہے اور اللہ کے رسول محمد ﷺ بھی اس کے حامی ہیں۔ (۱۴)

اس معاہدے پر مدینے کی تمام قوموں کے دستخط ہو گئے تو نبی ﷺ نے یہ چاہا کہ گرد و نواح کے قبیلوں کو بھی اسی معاہدے میں شامل کر لیا جائے۔ اس سے دو فائدے ہوں گے۔

۱۔ قبائل کے درمیان ہمیشہ سے جاری خانہ جنگی کا خاتمہ۔

۲۔ قریش مکہ ان لوگوں کو جن سے معاہدہ ہو جائے گا مسلمانوں کے خلاف برانگیختہ نہ کریں گے۔

انہی پر امن مقاصد کو لے کر نبی ﷺ نے ہجرت کے پہلے سال ہی قبیلہ بنی ضمرہ بن بکر بن عبد مناف کو جبکہ ربیع الاول دو ہجری میں کوہ بواط کے لوگوں اور مقام ینبوع کی طرف بنو مدلج کو معاہدے میں شریک کر لیا ______!

معاہدے کا ابتدائی حصہ مہاجرین و انصار کے حقوق و فرائض سے بحث کرتا ہے، جبکہ دوسرا حصہ یہود مدینہ کے حقوق و فرائض سے متعلق ہے ______ جہاں تک انصار کا تعلق ہے ان کے متعدد قبائل تھے انہیں اسی شکل میں تسلیم کر لیا گیا اور اس کے بالمقابل تمام مہاجرین کو بھی ایک قبیلہ کے مماثل مانا گیا اور یہ واضح کر دیا گیا کہ جملہ مسلم طبقات کو یکساں حقوق و واجبات حاصل ہوں گے۔

یہ ایک بین الاقوامی معاہدہ تھا جس میں مدینہ کی مختلف اقوام سمیت گرد و نواح کے قبائل بھی شریک تھے۔ اس معاہدے کی اہمیت مغربی مستشرقین نے بھی تسلیم کی ہے۔ چنانچہ ولہازن نے بجا طور پر لکھا ہے۔

> "There for the first time the talio becomes effective, there it can be enforced the community, at the head of which God stands,and the prophet as God's persoutative..has power to deliever the shedder of beloved over to avenger, and it is the duty of community to see that this is done ."

Marfat.com

(''قصاص و دیت کا ضابطہ وہاں پہلی مرتبہ اتنا موثر بنا کر اسے نافذ کیا جا سکے۔ وہ سیاسی وحدت جس کی سربراہی اللہ کے ذمے تھی اور جہاں رسول ﷺ کی حیثیت اللہ کے نمائندے کی تھی۔ یہ اختیار رکھتی تھی کہ قاتل کو منتقم کے حوالے کر سکے اور اس بات کی نگرانی کرنا بھی پوری جماعت کا کام تھا کہ ضابطہ کی تعمیل کر دی گئی ہے۔'') (۱۵)

سیاسی لحاظ سے دیکھا جائے تو اس معاہدے کے نتیجے میں ایک نیا معاشرہ وجود میں آیا جس کے اندر مکمل سیاسی وحدت موجود تھی _____! پھر صحیح معنوں میں یہ ایک تحریری آئین بھی تھا جسے وفاقی مملکت مدینہ کے قیام کی اساس بنایا گیا اور مرکزی حکومت قائم کی گئی۔ آئینی ریاست و حکومت کے قیام، وفاقیت، حقیقی تقسیمِ اختیارات، علاقائی جمہوریت اور مساوات جیسے سیاسی اصول اس آئین کے اندر واضح طور پر موجود ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مختلف اقوام اور قبایل کے باہمی تعلقات کو ضابطوں کے تحت لایا گیا۔

معاہدہ مدینہ کا دوسرا حصہ یہودیوں سے متعلق ہے جس میں تمام یہود مہاجرین و انصار کی طرح ایک جماعت کی حیثیت سے شہری ریاست مدینہ سے منسلک کیے گئے۔ یہود کو ایک علیحدہ فریق سمجھا گیا جس میں تمام اصل حوالی قبائل وغیرہ شامل تھے۔ معاہدے میں بہت ساری ایسی دفعات موجود ہیں جن سے معاہدے میں شریک ہونے والوں کے درمیان فوجی و سیاسی حلیفی واضح ہوتی ہے۔ ایک شق کے مطابق اگر جنگ میں مسلمان و یہود کے درمیان اتحاد و عمل ہوا تو ہر فریق اپنے مصارفِ جنگ خود برداشت کرے گا۔ اسی بات کو ایک دوسری شق میں بھی دہرایا گیا ہے۔ صلح و جنگ مرکزی مسئلہ قرار دیا گیا اور دفاعی سیاست کے لحاظ سے بھی بالادستی رسول اللہ ﷺ کی رکھی گئی (یہ اسی طرح ہی کی پابندی ہے جس طرح سیٹو اور سینٹو کے معاہدات میں شریک ممالک کو کمیونزم کے حملے کی صورت میں باہمی امداد کا پابند بنایا گیا) البتہ دینی جنگوں میں انہیں رعایت دی گئی۔ دفاع ہی کے سلسلے میں یہ بات طے کر دی گئی کہ ''نہ قریش کو پناہ دی جائے گی اور نہ اس کے مددگاروں کو''۔ اس طرح قریش مکہ کو ان کے ایک اہم حلیف یعنی یہودیوں کی اعانت سے اصولی طور پر محروم کر دیا گیا۔ یہودیوں کو عام مسلمان رعایا کے ساتھ سیاسی و تمدنی حقوق میں مساوات برتی گئی اور یہودیوں کے معاہداتی رشتہ داروں کو حقوق اور ذمہ داریوں میں عام اور اصل یہودیوں کے برابر مان لیا گیا۔

یہودیوں کے معاشرتی و خانگی مسائل میں رسول اللہ ﷺ نے کوئی مداخلت نہیں کی ان کو دین

Marfat.com

اور عقیدہ و مذہب، دیت اور دوسرے رسوم و رواج میں بالکل آزاد رکھا_____ معاہدے کی انہی خصوصیات کی بنا پر نہ صرف یہودیوں نے اس کو قبول کیا بلکہ مسلمانوں کے ساتھ ان کے تعلقات کو خوشگوار بنانے میں بھی مدد ملی۔ رسول اللہ ﷺ بھی مدینہ اور اس کے گردونواح کے ملحد اور لادین لوگوں کی نسبت ایک خدا پر یقین رکھنے والے یہودیوں سے زیادہ قریب تھے۔ مدینہ آمد پر آپ ﷺ نے کعبہ کی بجائے بیت المقدس کو قبلہ بنایا۔ اسی طرح دس محرم کے روزہ کو بھی اپنایا گیا۔ (۱۶) جب کسی یہودی کا جنازہ پاس سے گزرتا تو آپ ﷺ احتراماً کھڑے ہو جاتے۔ آپ ﷺ اس بات کو بھی ناپسند فرماتے کہ آپ ﷺ کے صحابہؓ موسیٰؑ کے مقابلے میں مبالغہ آرائی سے کام لیں۔ بہرحال (معاہد مدینہ کے بعد) ہجرت کے پہلے سال مسلم یہود خوشگوار تعلقات کی مزید تصدیق قریش کے اس سخت رویے سے ہوتی ہے جو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے خلاف اپنایا تھا۔

مدینہ کی سیاسی صورت حال کا جائزہ لیتے ہوئے قریش نے محسوس کیا کہ ان کے لیے یہود کی بجائے عبداللہ بن ابی کو اپنے ساتھ ملانے کے زیادہ مواقع ہیں۔ قریش نے عبداللہ بن ابی کی مدد طلب کرتے ہوئے اسے ایک خط کے ذریے رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے یا انہیں مدینہ سے نکال دینے کے لیے کہا۔ (۱۷) بدر سے قبل ان خوشگوار تعلقات کے باعث یہود نے مدینہ میں ایک وفاقی ریاست کے قیام اور متفقہ دستور بنانے میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تعاون کیا۔ اس وقت وہ آپ ﷺ سے اتنی امیدیں وابستہ کیے ہوئے تھے کہ انہوں نے اس معاہدے کی تدوین و ترتیب میں نہ صرف آپ ﷺ کی رسالت پر کوئی اعتراض نہ کیا بلکہ معاہدہ میں واضح طور پر اس کا اندراج بھی ہوا۔ (۱۸)

معاہدہ مدینہ کی دفعات کا ایک بڑا حصہ یہود سے جنگی و دفاعی معاملات پر مشتمل ہے۔ چنانچہ اس حصہ کی کم از کم دس دفعات بھی بہرطور اسی سے متعلق ہو جاتی ہیں۔ غالباً اس پہلو کے پیش نظر بعض مصنفین نے اسے یہودیوں سے ''اصل میں ایک جنگی حلیفی'' یا ''فوجی اتحاد'' قرار دیا ہے۔ مدینہ کے حالات پر غور کرنے سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ یہود سے اس قسم کا دفاعی تعلق رکھنے کی ضرورت سیاسی اور عسکری دونوں اعتبار سے ناگزیر تھی۔ کیونکہ ایک طرف تو قریش کی طرف سے ممکنہ حملہ کا دفاع مقصود تھا اور دوسری طرف خود یہود کی سرکشی و بغاوت کا سدِّ باب اخلاقی طور پر کرنا تھا_____

علاوہ ازیں اس انتظام سے ایک فائدہ رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی حاصل کر لیا کہ علیحدہ ایک مستقل فوج رکھنے اور دفاعی ضرورتوں کے لیے اخراجات مختص کرنے کی زحمت سے بچ گئے اور وہ بھی اس وقت جبکہ وسائل بالکل نایاب تھے۔

رسول اللہ ﷺ اور مہاجرین کو ذاتی طور پر بھی اور آپ ﷺ کی قائم کردہ ریاست کو مجموعی طور پر

Marfat.com

سب سے بڑا خطرہ قریش کی طرف سے لاحق تھا اس لیے کہ ریاست میں محض اندرونی طور پر امن وامان اور استحکام قائم کر دینا ہی کافی نہ تھا بلکہ اس سے زیادہ ضرورت قریش کے متوقع مسائل کی روک تھام تھی۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی نگاہِ دُوررس نے اس خطرہ (بلکہ فوری ضرورت) کو پوری طرح محسوس کرتے ہوئے معاہدے کی متعدد دفعات کے تحت یہ انتظام کر دیا کہ اہل یثرب کے لیے قریش کے ساتھ حلیفانہ تعلقات یا دوستانہ روابط کا کوئی موقع نہ رہے اور قریش کی حیثیت اہل یثرب کے مشترکہ دشمن کی ہو جائے۔ چنانچہ معاہدے میں یہ دفعات موجود ہیں کہ اگر یثرب پر حملہ ہوا تو معاہدہ کے جملہ شرکاء کے لیے باہمی امداد و اعانت لازمی ہوگی۔ کوئی شخص حتیٰ کہ ایک مشرک بھی قریش کی جان و مال کو کوئی پناہ دے گا نہ اس سلسلے میں کسی مومن کے آڑے آئے گا اور یہ کہ نہ قریش کو کوئی پناہ دی جائے گی نہ اس کے حامی کو۔

حضور ﷺ کی سیاست خارجہ کا کمال یہ ہے کہ قریش کے خلاف اس اتحاد کو مدینہ کی تمام جماعتوں تک ہی محدود نہیں رکھا بلکہ مدینہ سے لے کر براہ راست ینبوع کی بندرگاہ تک کے علاقے میں رہنے والے قبائل کو یا تو معاہدات کے ذریعہ اپنے ساتھ ملا لیا یا امان نامے دے کر اپنے اختیار کو منوالیا اور یا پھر انہیں کم از کم قریش کی امداد واعانت سے کنارہ کش رہنے پر آمادہ کر لیا_____!

یہودیوں کے ساتھ دوستی اور حلیفی کی جو فضا معاہدہ مدینہ کے نتیجے میں پیدا ہوئی تھی وہ زیادہ دیر قائم نہ رہ سکی اس کی کئی وجوہات تھیں۔ یہود کے تین قبیلے بنوقینقاع، بنونضیر اور بنوقریظہ مدینہ کے اطراف میں آباد تھے۔ ان میں بنوقینقاع سب سے زیادہ طاقتور اور دولتمند قبیلہ تھا۔ جس کے پاس اسلحہ کے وافر ذخیرے بھی موجود رہتے_____ انصار عموماً ان کے مقروض اور زیر بار تھے۔ ملکی اور تجارتی افسروں کے ساتھ ان لوگوں کا مذہبی اور علمی اثر بھی تھا۔ انصار عموماً جاہل اور بُت پرست تھے۔ اس بناء پر وہ یہود کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے اور ان کو اپنے سے زیادہ مہذب اور شائستہ سمجھتے تھے۔ مدینہ میں حضور ﷺ کی آمد کے بعد اسلام جس قدر روز بروز پھیلتا جاتا تھا۔ اسی قدر یہودیوں کے مذہبی وقار کو جو ان کو مدتوں سے حاصل تھا، زوال ہوتا جاتا تھا۔ مدینہ کے مشرکین میں یہودیت جو تدریجاً پھیل رہی تھی دفعتہً رک گئی۔ نئے نئے فتوحات کی بدولت انصار جس قدر دولتمند ہوتے جاتے تھے یہودیوں کے قرض کے شکنجوں سے آزاد ہوتے جاتے تھے۔ یہودیوں میں جو اخلاق بد عموماً پھیلے ہوئے تھے اور جن پر دولتمندی اور مذہبی پیشوائی نے پردہ ڈال رکھا تھا، اب ان کا راز فاش ہونے لگا تھا۔ یہ صورت یہودیوں کو کسی صورت قبول نہ تھی۔(۱۹) ایک دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ یہود یہ جانتے تھے کہ مسلمانوں کو جو قوت حاصل ہے وہ اس وجہ سے ہے کہ انصار کے قبیلے اوس اور خزرج جو باہم لڑتے بھڑتے رہتے تھے اور جنگ بعاث نے ان کی قوت کو

Marfat.com

کمزور بھی کر دیا تھا۔ اسلام نے ان کو باہم متحد کر دیا ہے اور یہ باہمی اتحاد یہودیوں کے کسی طرح بھی مفاد میں نہ تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جنگ بدر مسلم یہود تعلقات میں ایک اہم موڑ ہے۔ اس جنگ سے ایک ماہ قبل شعبان ۲ ھ میں اللہ کے حکم سے رسول اللہ ﷺ نے اپنا قبلہ بیت المقدس سے کعبہ کی طرف تبدیل کر دیا۔

(پس اپنا منہ مسجدِ حرام کی طرف موڑ لو)

اس بات سے یہود ناراض ہو گئے۔ معاہدے میں یہود کو مذہبی آزادی کی ضمانت موجود تھی تاہم ان کے نا قابل اعتبار سماجی حرکات اور تکلیف دہ رویہ پر قرآن میں تنقید کی گئی اور ان کے خطرناک عزائم بے نقاب کیے گئے۔ یہ بات ان کی توقعات کے خلاف تھی۔ وہ امید کرتے تھے کہ نیا رسول ﷺ ان کے رویہ اور عادات و خصائل کو جائز قرار دے گا اور دوسروں کو ان کی پیروی کی تلقین کرے گا۔ مگر ایسا نہ ہوا۔ اس سے یہود برافروختہ ہو گئے۔ غزوۂ بدر کی عظیم الشان فتح نے ان کی مایوسی میں مزید اضافہ کر دیا۔ ان کو اعلانیہ نظر آیا کہ اسلام اب ایک طاقت بن کر اُبھر رہا ہے۔ چنانچہ انہوں نے سازشوں کے جال بچھانا شروع کر دیے۔ (۲۰)

قریشِ مکہ مسلمانوں کے ساتھ پر امن بقائے باہمی کے اصول کو ماننے کے لیے تیار نہ تھے۔ پہلے انہوں نے عبداللہ بن ابی سے راہ و رسم پیدا کی جسے ہجرت سے پہلے اوس و خزرج کا سردار بننے کی توقع تھی اور جو بعد میں مدینہ کے منافقین کا سرغنہ بنا۔ قریش نے اسے رسول اللہ ﷺ کو مدینہ سے نکال دینے کے لیے کہا۔

> ''تم نے ہمارے آدمی کو پناہ دی ہے۔ بخدا تم اسے قتل کرو گے یا وہاں سے نکال دو گے یا ہم اپنی پوری قوت سے تم پر حملہ کریں گے اور تمہیں تباہ کر دیں گے اور تمہاری عورتوں کی بے حرمتی کریں گے۔'' (۲۱)

رسول اللہ ﷺ کی فراست، دانشمندی اور تدبر سے جب قریش کی یہ پہلی کوشش ناکام ہو گئی تو غزوۂ بدر کے بعد انہوں نے معاہدہ مدینہ میں شریک یہود سے تعلقات پیدا کیے اور انہیں رسولؐ اللہ کے خلاف بغاوت کرنے یا سنگین نتائج بھگتنے کے لیے تیار رہنے کو کہا۔

> '' تم اسلحے سے لیس ہو اور تمہارے پاس قلعے ہیں، تمہیں ہمارے آدمی سے لڑنا چاہیے یا ہم تمہارے ساتھ ایسا اور ایسا کریں گے اور ہمیں کوئی چیز تمہاری مستورات کے زیوروں

Marfat.com

سے نہ روک سکے گی۔'' (۲۲)

اس طرح یہودی مسلمانوں کے خلاف باقاعدہ ایک منصوبہ بنا چکے تھے۔ اس دوران ایک اتفاقیہ سبب یہ پیش آ گیا جس نے اس آگ کو اور بھڑکایا۔ کہ ایک انصار کی بیوی مدینہ کے بازار میں ایک یہودی کی دکان میں نقاب پوش آئیں۔ یہودی نے ان کی بے حرمتی کی۔ ایک مسلمان یہ دیکھ کر غیرت سے بے تاب ہو گیا اور اس نے یہودی کو مار ڈالا۔ یہودیوں نے مسلمان کو قتل کر ڈالا۔

آنحضرت ﷺ کو جب یہ حالات معلوم ہوئے تو ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا

''کہ خدا سے ڈرو، ایسا نہ ہو تم پر بھی بدر والوں کی طرح عذاب آئے۔''

بولے کہ

''ہم قریش نہیں ہیں، ہم سے معاملہ پڑے گا تو ہم دکھا دیں گے کہ لڑائی اس کا نام ہے۔''

یوں انہوں نے معاہدے کو پامال کیا اور مسلمانوں سے جنگ کی۔ (۲۳) چونکہ قبائل یہود میں سب سے زیادہ جری اور بہادر قینقاع تھے اس لئے سب سے پہلے انہی نے اعلان جنگ کی جرأت کی۔ آنحضرت ﷺ سے جو معاہدہ کیا تھا سب سے پہلے انہی نے اس کی عہد شکنی کی۔ ابن ہشام اور طبری نے روایت کی ہے کہ

''بنو قینقاع پہلے یہود تھے جنہوں نے اس معاہدے کو جو ان میں اور آنحضرت ﷺ میں تھا توڑ ڈالا اور بدر اور اُحد کے درمیانی زمانہ میں مسلمانوں سے لڑائی کی۔''

ابن سعد نے غزوۂ بنو قینقاع کے ذکر میں لکھا ہے۔

''واقعہ بدر میں یہودیوں نے شورش اور حسد ظاہر کیا اور عہد کو توڑ ڈالا۔''

بنو قینقاع کی طرف سے اعلان جنگ ہو گیا تھا۔ مجبور ہو کر آنحضرت ﷺ نے لڑائی کی۔ وہ قلعہ بند ہوئے۔ پندرہ دن تک محاصرہ رہا بالآخر اس پر راضی ہوئے کہ رسول اللہ ﷺ جو فیصلہ کریں گے ان کو منظور ہو گا۔ بنو قینقاع کے حلیف عبداللہ بن ابی نے آنحضرت ﷺ سے انہیں جلاوطن کرنے کی سفارش کی جسے آپ ﷺ نے قبول فرمایا۔ اس کے نتیجے میں بنو قینقاع مدینہ سے جلاوطن کر دیئے گئے ____ بنو قینقاع کا اعلان جنگ اصل میں معاہدہ مدینہ کی رُو سے غداری تھی اور غداری کی سزا کسی بھی معاشرے

Marfat.com

میں موت سے کم نہیں رہی۔ لیکن رحمۃ للعالمین نے ان پر رحم فرماتے ہوئے ان کے لئے محض جلا وطنی کی سزا تجویز کی۔

یہودیوں کے دوسرے قبیلے بنونضیر کا معروف شاعر کعب بن اشرف معاہدہ مدینہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے غزوۂ بدر کے بعد مکہ گیا۔ اس نے اشتعال انگیز اشعار پڑھے اور قریش کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا۔ (۲۴) اس نے رسول اللہ ﷺ کے قتل کا بھی منصوبہ بنایا اور بالآخر خود مارا گیا۔ عمرو بن امیہ نے بنو عامر کے دو آدمیوں کو ایک مسلمان کے بدلے میں ہلاک کر دیا تھا۔

بنو عامر، بنونضیر کے حلیف تھے۔ آپ ﷺ اس خون بہا کی ادائیگی اور دیگر معاملات کو طے کرنے کے لئے بذات خود بنونضیر کے پاس تشریف لے گئے۔ یہودیوں نے اس موقع پر حضور ﷺ کی زندگی کے خلاف سازش کی لیکن آپ ﷺ کو یہودیوں کے اس ارادے کا حال معلوم ہو گیا فوراً مدینہ واپس چلے آئے۔ بنوقینقاع کی جلا وطنی، کعب بن اشرف کی دغابازی اور بنونضیر کی طرف سے سازش نے یہودیوں سے تجدیدِ معاہدہ کی ضرورت پیدا کر دی۔ بنوقریظہ نے تجدیدِ معاہدہ پر دستخط کر دیے مگر بنونضیر معاہدے سے منحرف ہو گئے بلکہ نیا معاہدہ کرنے سے بھی انکار کر دیا۔ (۲۵) ان کا رویہ اعلانِ جنگ کے مترادف تھا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے مضبوط قلعوں میں مورچہ بندی کر لی۔ مسلمانوں نے ان کا محاصرہ کر لیا۔ آخر کار وہ مسلمانوں کے سامنے ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس غداری کے جرم میں بنو نضیر کو سزائے موت دینے کی بجائے بنوقینقاع کی طرح صرف جلا وطن کرنے کا فیصلہ کیا جسے بنونضیر نے بخوشی قبول کیا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ معاہدے کے مطابق انہیں سزائے موت دی جا سکتی تھی۔

بنونضیر جب جلا وطن ہوئے تو ان کے رئیس الاعظم حیَ بن اخطب ابورافع سلام ابن ابی الحقیق خیبر میں جا کر آباد ہوئے۔ جنگ احزاب ان ہی کی کوششوں کا نتیجہ تھی۔ اس وقت تک قریظہ معاہدے پر قائم تھے۔ لیکن حیَ بن اخطب بنوقریظہ کو اپنے زیر اثر لانے میں کامیاب ہو گیا۔ جس سے بنوقریظہ معاہدے سے رُوگردانی کرنے اور مقابلے میں حملہ آوروں کی امداد کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعدؓ بن معاذ اور حضرت سعد بن عبادہؓ کو ان کے پاس بھیجا کہ وہ انہیں عہد کی پاسداری یاد دلائیں۔ انہوں نے جواباً کہا

''ہم نہیں جانتے محمدؐ کون ہے اور معاہدہ کیا ہے۔'' (۲۶)

جنگ اِحزاب میں شکست کھانے کے بعد وہ اپنے قلعوں میں محصور ہو گئے۔ حضرت محمد ﷺ نے علیؓ بن ابی طالب کو ہراول دستے کے طور پر بنوقریظہ کی طرف بھیجا۔ جب وہ ان قلعوں کے قریب پہنچے تو یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ کو گالیاں دیں اور ان کو برے ناموں سے پکارا۔ غرض ان کا محاصرہ کیا گیا جو

Marfat.com

تقریباً ایک مہینہ تک رہا۔ بالآخرانہوں نے درخواست پیش کی کہ حضرت سعد بن معاذؓ جو فیصلہ کریں ہمیں منظور ہے۔ حضرت سعد بن معاذ اوران کے قبیلہ (اوس) قریظہ کا حلیف اور ہم عہد تھا۔ عرب میں یہ تعلق ہم نسبی سے بڑھ کر تھا۔ آنحضرت ﷺ نے ان کی درخواست منظور فرمائی۔ حضرت سعدؓ نے جو فیصلہ کیا یعنی کہ لڑنے والے قتل کئے جائیں۔ عورتیں اور بچے قید ہوں، مال و اسباب غنیمت قرار دیا جائے۔ (۲۷) توراۃ کے مطابق تھا۔ توراۃ کتاب تثنیہ اصحاح ۲۰۔ آیت ۱۰ میں ہے۔

''جب کسی شہر پر حملہ کرنے کے لئے تو جائے تو پہلے صلح کا پیغام دے اگر وہ تسلیم کریں اور تیرے لئے دروازے کھول دیں تو جتنے لوگ موجود ہوں سب تیرے غلام ہو جائیں گے۔ لیکن اگر صلح نہ کریں تو ان کا محاصرہ کر۔ اور جب تیرا خدا تجھ کو ان پر قبضہ دلا دے تو جس قدر مرد ہوں، سب قتل کر دے۔ باقی بچے، عورتیں، جانور اور جو چیزیں شہر میں موجود ہوں سب تیرے لئے مال غنیمت ہوں گی۔'' (۲۷)

بعض یہودی محققین بنو قریظہ کو دی جانے والی سزا پر معترض ہیں۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ معاہدہ مدینہ میں واضح طور پر درج کیا گیا کہ جو کوئی ظلم اور غداری کا ارتکاب کرے گا وہ اپنے آپ اور اپنے خاندان کے سوا کسی کو ہلاکت میں نہیں ڈالے گا۔ یہودیوں کے تینوں بڑے قبیلوں نے ظلم اور غداری کا ارتکاب کیا تھا۔ پھر بنو قریظہ کو تو ان ہی کی کتاب میں درج انہی کے مقرر کردہ ثالث کے ذریعے سزا ہوئی تھی۔ عہد حاضر کے لوگ اگر اقوامِ متحدہ کے چارٹر کی ترتیب وتدوین پر فرحان ونازاں ہیں۔ کیا اس کی دفعات موجود نہیں ہیں کہ اس چارٹر کو تسلیم کرنے والی قوم اگر اس کی خلاف ورزی کی مرتکب ہو تو اس کیخلاف کاروائی کی جائے گی؟ اس ادارے کی جنرل اسمبلی اور سکیورٹی کونسل کی قراردادیں اور فیصلے محققین کے لئے اس بات کا کافی مواد فراہم کرتے ہیں کہ جس قوم نے اقوام عالم کے اس متفقہ دستور کے ساتھ غداری کی یا اس کی خلاف ورزی کا ارتکاب کیا اس کے ساتھ وہی سلوک کیا گیا جس کا ذکر دستور کے اندر موجود ہے۔ معاہدہ مدینہ کو پامال کرنے والوں کو اگر معاہدے کے تحت ہی سزا دی جاتی ہے تو اسے ظلم قرار دیا جاتا ہے۔ حالانکہ اقوام متحدہ کا چارٹر دستور مدینہ کا ایک معمولی سا عکس ہے۔ (۲۸)

الغرض معاہدہ مدینہ کے ذریعے ہر سیاسی وحدت کو مساوی دینی، سیاسی اور معاشرتی حقوق دیے گئے۔ رنگ، نسل اور مذہب کی بنیاد پر امتیازات وتعصّبات ختم کرنے کی تاریخ میں یہ ایک عظیم انقلاب تھا۔ اقوام متحدہ کا چارٹر بھی اس روشن اور درخشندہ ماہتاب کے مقابلے میں ایک ٹمٹماتے ہوئے

Marfat.com

چراغ کی حیثیت رکھتا ہے۔(۲۹)

معاہدہ جہنیہ

یہ معاہدہ قبیلہ جہنیہ کی مختلف شاخوں سے ماہِ رمضان ہجرت کے ساتویں مہینے ہوا۔ معاہدے کی مختلف اشکال ابن سعد نے یوں بیان کی ہیں۔(۳۰)

(ا) بنی زرعہ و بنی الربعہ کے لئے آپ ﷺ نے تحریر فرمایا کہ ان لوگوں کو ان کے جان و مال میں امان ہے۔ جو شخص ان پر ظلم کرے یا ان سے جنگ کرے اس کے خلاف ان کی مدد کی جائے گی سوائے اس کے کہ وہ ظلم و جنگ دین یا اہل وعیال کے بارے میں ہو۔ ان کے خانہ بدوشوں میں سے جو نیکوکار اور پرہیزگار ہوگا اس کے وہی حقوق ہوں گے جو ان کے شہریوں کے ہیں اور اللہ ہی سے مدد چاہی جاتی ہے۔

(ب) عوسجہ بن حرمۃ الجہنی، جو ذی المروہ میں رہتا تھا کے لئے آپ ﷺ نے تحریر فرمایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رسول اللہ ﷺ نے عوسجہ بن حرملۃ کو ذی المروۃ عطا فرمایا۔ یہ اس کی دستاویز ہے۔ آپ ﷺ نے انہیں مابین بلکثہ سے مضعہ جفلات حد جبل قبلہ تک دے دیا۔ اس میں کوئی ان سے مزاحمت نہ کرے۔ جو ان سے مزاحمت کرے گا ناحق پر ہوگا۔ حق عوسجہ ہی کا ہوگا۔ گواہ شدہ: علاء بن عقبہ

(ج) بنی اشجع کے لئے آپ ﷺ نے تحریر فرمایا؛

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ دستاویز ہے جو محمد ﷺ نے قبیلہ جہنیہ کے بنی اشجع کو عطا فرمائی۔ آپ ﷺ نے انہیں صفینہ کی وہ زمین عطا فرمائی جس پر انہوں نے خط لگایا اور کھیتی کی۔ جو ان سے مزاحمت کرے گا تو اس کا کوئی حق نہ ہوگا اور ان کا دعویٰ سچا ہوگا۔ گواہ شدہ: علاء بن عقبہ

(د) بنی الجرمز بن ربیعہ کے لئے آپؐ نے مندرجہ ذیل امین نامہ تحریر فرمایا۔

"ان لوگوں کو ان کی بستیوں میں امن ہے۔ یہ لوگ بحالت
قبولِ اسلام جو دولت و مال رکھتے ہیں وہ سب انہیں کا ہے۔"

معاہدہ بواط

ربیع الاول ۲ ہجری میں سرورِ کونین ﷺ کوہ رضوی کی طرف تشریف لے گئے اور کوہ بواط کے لوگوں کے ساتھ معاہدہ فرمایا۔

Marfat.com

معاہدہ بنو مدلج

یہ قبیلہ بنوضمرہ کا حلیف تھا جو میثاقِ مدینہ میں ایک فریق تھا۔ بنو مدلج کے ساتھ انہی شرائط پر ہی جمادی الثانی ۲ ہجری میں معاہدہ طے ہوا۔

معاہدہ بنوغفار

بنوغفار سے معاہدہ غزوۂ بدر کے زمانہ میں ہوا۔ یہ قبیلہ بنوضمرہ کی ایک شاخ تھا۔ معاہدے کے الفاظ یہ ہیں۔

> ''ان کے وہی حقوق ہوں گے جو مسلمانوں کے ہیں۔ ان پر وہی واجب ہوگا جو مسلمانوں پر واجب ہے۔ نبی ﷺ نے ان کے جان و مال پر اس کے رسول کو ذمہ دار بنایا ہے۔ اس شخص کے خلاف ان کی مدد کی جائے گی جو ان کے ساتھ ظلم کی ابتداء کرے گا۔ نبی ﷺ جب انہیں اپنی مدد کے لئے بلائیں گے تو یہ آپ ﷺ کا حکم مانیں گے اور ان پر آپ ﷺ کی مدد واجب ہو گی سوائے اس کے کہ جو ان میں سے آپ ﷺ سے دینی جنگ کرے تو اس پر معاہدے کی پابندی نہ ہوگی۔ یہ معاہدہ اس وقت تک نافذ رہے گا جب تک سمندر کسی سیپ کو گیلا کرتا رہے۔ جو اس پر عمل کرنے سے روکے وہ گنہگار ہوگا۔''

یہ سب معاہدات معاہدۂ مدینہ کی روشنی اور انہی شرائط پر طے پائے۔ حضور ﷺ مدینہ میں موجود مختلف قوموں کے ساتھ جب حلیفی کے معاہدے کے بعد مطمئن ہو گئے تو اس وقت کی جغرافیائی حالت کو دیکھتے ہوئے انہوں نے یہ ضروری خیال کیا کہ گردونواح کے قبائل جو کہ خودمختار حیثیت کے مالک تھے کو بھی اس میں شامل کیا جائے تا کہ دشمنان اسلام قریش مکہ کے مدینہ پر متوقع حملہ کی صورت میں بہتر دفاع کیا جا سکے۔ مذکورہ تمام قبائل کے ساتھ یہ معاہدات اس لئے بھی اہم تھے کہ جغرافیائی لحاظ سے اکثر قبائل جن مقامات پر آباد تھے وہ مکہ کے قریشی تاجروں کی تجارتی شاہراہوں پر واقع تھے جیسا کہ ابواء نامی مقام مدینہ سے تقریباً ۸۰ میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ مدینہ کے جنوب مغرب میں واقع یہ مقام اس لحاظ سے بھی اہم تھا کہ قریش کے تجارتی قافلے اسی راستے سے شام و مصر جایا کرتے تھے۔ ابواء کے قبائل کے

Marfat.com

ساتھ معاہدے سے قریش کی تجارت پر ایک کاری ضرب پڑی۔ علاوہ ازیں مدینہ کو یہاں سے ہر وقت اطلاعات بھی فراہم ہو سکتی تھیں۔ اسی طرح بنو اشجع جو قبیلہ غطفان کی ایک شاخ تھے بھی تجارتی شاہراہ کے متصل آباد تھے۔ جب آپ ﷺ نے قریش کی ناکہ بندی کی تو اس سے ان کی معاش پر بھی اثر پڑا کیونکہ تجارتی قافلوں کی خدمت کر کے اپنی روزی کمایا کرتے تھے۔ معاشی بحران سے دو چار ہو کر ان کا وفد مدینہ آیا اور آپ ﷺ نے ان سے معاہدہ فرمایا۔

آج کے جدید سیاسی دور میں دیکھیں تو ہر ملک کی سب سے اہم خواہش اور ضرورت یہی ہوتی ہے کہ وہ اپنے پڑوسی ملکوں سے محفوظ رہے۔ اس مقصد کے لئے وہ باہم عدمِ جارحیت، دوستی اور فوجی حلیفی کے معاہدات بھی کرتے ہیں۔ جیسا کہ ۱۹۷۹ء میں سوویت یونین کی افواج افغانستان پر قابض ہوئی تھیں تو پاکستان نے اپنی شمال مغربی سرحدوں کو غیر محفوظ خیال کیا۔ ضرورت تھی کہ باقی اطراف سے پاکستان خود کو دفاعی لحاظ سے محفوظ کر لے۔ چنانچہ پاکستان نے مشرق کی طرف واقع پڑوسی بھارت کو ایک دوسرے پر حملہ نہ کرنے کے معاہدے کی پیشکش کی۔ اسی طرح دنیا کی اکثر ریاستوں نے مختلف اوقات میں مختلف مقاصد کے تحت فوجی و سیاسی حلیفیاں قائم کیں۔ جیسا کہ سیٹو (SEATO) سینٹو (CENTO) اور ANZUS کے معاہدات میں شامل ممالک کو بیرونی حملہ کی صورت میں ایک دوسرے کی امداد کا پابند بنایا گیا۔ اور آج کل وارسا پیکٹ اور معاہدہ شمالی بحر اوقیانوس (NATO) کی مثالیں موجود ہیں۔

بہر حال حضور ﷺ نے معاہدہ مدینہ کی صورت میں انصار، یہودیوں اور مدینہ کے گرد و نواح کے قبائل کو شامل کر کے جو سیاسی و فوجی حلیفی قائم کی اس کا مقصد نئی مسلم ریاست کا دفاع تھا اور اسلام کو مدینہ سے نکال کر دیگر علاقوں میں پھیلانے کے مواقع پیدا کرنا _____!

عینیہ بن حصن سے معاہدہ

یہ معاہدہ ربیع الاول ۵ ہجری میں ہوا۔

سینٹ کیتھرائن سے معاہدہ

سن چھ ہجری میں رسالت مآب ﷺ نے سینٹ کیتھرائن متصل کوہ سینا کے راہبوں اور تمام عیسائیوں کو ایک فرمان عطا فرمایا جس کی عبارت درج ذیل ہے۔

''جو قلیل و کثیر اشیاء (منقولہ و غیر منقولہ) ان کے گرجاؤں،
غازوں اور رہبانیت کی ان کے تحت ہیں اور جو کچھ اللہ اور

Marfat.com

اس کے رسول ﷺ کے ہمسایہ ہیں وہ سب انہی عیسائیوں
کی رہیں گی (یعنی باوجود اسلام نہ لانے کے ان سے کچھ نہ
لیا جائے گا) نہ کسی پادری کو اس کے منصب سے بدلا جائے
گا، نہ کسی راہب کو اس کی رہبانیت سے، نہ کسی کاہن کو اس
کی کہانت سے، نہ ان کے حقوق میں کوئی تغیر کیا جائے گا اور
نہ ان کی سلطنت میں یا اس چیز میں جس پر وہ تھے۔ جب
تک وہ خیر خواہی کریں گے اور جو حقوق ان پر واجب ہیں
ان کی اصلاح کریں گے نہ ان پر کسی ظلم کا بار پڑے گا اور نہ
وہ خود ظلم کریں گے۔'' (۳۱)

عالمی اہمیت کے اس معاہدہ کا ایک ایک لفظ قابلِ غور ہے۔ عیسائیوں کو اس معاہدہ کے تحت وہ حقوق اور مراعات دی گئیں جو خود ان کو اپنے حکمرانوں کے عہد میں بھی حاصل نہ تھے۔

بعض مستشرقین کا یہ خیال کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا اور مسلمان جنگ جوانہ اور انتہا پسندانہ مزاج کے مالک ہیں اس معاہدہ کی رُو سے باطل ٹھہرتا ہے۔ نہ معلوم ان کی نظریں ایسے معاہدوں کے الفاظ پر کیوں نہیں پڑتیں جن سے حریت، رواداری اور مساوات کے واضح مفہوم سامنے آتے ہیں۔ اس معاہدے میں عیسائیوں کے مذہبی اور دیگر معاملات میں عدمِ مداخلت کے اصول پر اتفاق کیا گیا۔ یہی نہیں بلکہ اس معاہدے کی تکمیل نہ کرنے والے مسلمانوں کو سزا کا مستحق قرار دیا۔ بین الاقوامی تعلقات میں یہ معاہدہ حضور پاک ﷺ کی سیادت کا علمبردار ہے۔ یہ معاہدہ جس میں اس بات کا اقرار کیا گیا کہ عیسائیوں پر بے جا ٹیکس عائد نہیں کئے جائیں گے، کسی بشپ کو اس کی خانقاہ سے نکالا نہیں جائے گا، عیسائیوں کی عبادت گاہوں کو منہدم نہیں کیا جائے گا رواداری کی ایک قابل فخر یادگار ہے۔ ایسی عیسائی عورتیں جو مسلمانوں کے عقد میں آئیں وہ اس معاہدے کی رُو سے اپنے مذہب پر قائم رہ سکتی تھیں۔

معاہدہ صلحِ حدیبیہ

ہجرت کے دوسرے برس کعبہ کو قبلہ کی حیثیت ملی تو مسلمانوں خصوصاً مہاجرین کی کعبہ سے جذباتی وابستگی میں مزید اضافہ ہوا۔ جب سے مسلمان ہجرت کر کے مدینہ آئے تھے دوبارہ خانہ کعبہ کی زیارت کو نہ گئے تھے۔ حضور ﷺ بھی مدینہ کی نو مسلم ریاست کے استحکام کے لئے مختلف معاہدات کی تشکیل، غزوات اور سرایا میں مصروف رہے اور قریش سے خصومت کی بناء پر وہ خانہ کعبہ اور اس کے

Marfat.com

متعلقہ مناسک کی زیارت سے محروم رہے۔ مہاجرین کو اپنے پیچھے چھوڑے ہوئے اہل وعیال کی یاد بھی ستاتی تھی اور کئی ایک مدینہ کی آب وہوا راس نہ آنے پر نوبتی بخار میں مبتلا ہو گئے تھے۔ (۳۲) لیکن انہوں نے یہ سب کچھ اسلام کے سچے جذبے اور تڑپ کو محسوس کرتے ہوئے بخوشی قبول کیا۔ ان حقائق کے ہوتے ہوئے چھ ہجری میں رسالت مآب ﷺ کو مکہ کی زیارت کی بشارت ہوئی۔ چنانچہ آپ ﷺ چودہ سو افراد کی معیت میں مدینہ سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اپنی عدم موجودگی میں آپ ﷺ نے نُمیلہ بن عبداللہ لیثی کو مدینہ کا عامل مقرر فرمایا۔ (۳۳) آپ ﷺ کے اس سفر کا مقصد قریش مکہ سے جنگ کرنا نہ تھا بلکہ مقصود محض زیارتِ کعبہ تھی اسی لئے مدینہ ہی سے احرام باندھ لئے گئے تھے اور ستر اونٹ بھی قربانی کی غرض سے خرید لئے تھے۔

عسفان پہنچنے پر بنوکعب کے بشر بن سفیان نے اطلاع دی کہ قریشی مسلمانوں کو کعبہ کی زیارت سے روکنے کا عہد کر چکے ہیں۔ بہرحال آپ ﷺ نے مکہ سے تقریباً دس میل دور حدیبیہ پہنچ کر اپنے ساتھیوں کے ساتھ پڑاؤ کیا۔ یہاں پہنچتے ہی سفارتی سرگرمیاں شروع ہو گئیں۔ قبیلہ خزاعہ کے ساتھ مسلمانوں کے دوستانہ مراسم تھے۔ سب سے پہلے ان کا سردار بدیل بن ورقا الخزاعی نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر آنے کی غرض دریافت کی۔ حضور ﷺ نے بتایا کہ ہم صرف بیت اللہ کی زیارت و اکرام کی خاطر آئے ہیں، لڑنے نہیں۔ (۳۴) بدیل نے قریش مکہ کو سمجھایا کہ مسلمان لڑنے کو نہیں آئے، صرف حج کا ارادہ رکھتے ہیں۔ مگر انہوں نے نہ مانا اور اصرار کیا کہ ہم کسی صورت میں بھی ان کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ اب قریش نے مِکرز بن حفص کو آپ ﷺ کے پاس سفیر بنا کر بھیجا آپ ﷺ نے اس سے بھی وہی مدعا بیان کیا جو بدیل سے فرمایا تھا۔ پھر قریش کی طرف سے قبائل احابیش کے سردار عیس سفیر بن کر آئے اور صورت حال کا مشاہدہ کر کے قریش کو اطلاع دی کہ مسلمانوں کا مقصد زیارتِ کعبہ ہے۔ مگر انہوں نے الٹا اسے ڈانٹا اور کہا کہ تم بدو لوگ ان باتوں کو کیا سمجھو گے۔ اس جواب پر عیس نے اپنے قبیلے سمیت قریش کی حلیفی سے الگ ہونے کی دھمکی دی تو قریش نے منت سماجت کر کے اسے منایا اور اتنی مہلت مانگی کہ کوئی باہمی مصالحت کی راہ نکل آئے۔ (۳۵) اسی دوران کچھ شرارت پسند قریشی نوجوان مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے مگر گرفتار کر لئے گئے۔ جب انہیں رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا تو رحمۃ لعالمین نے سب کو معاف کر دیا۔

اب عروہ بن مسعود کفارِ مکہ کا سفیر بن کر آیا اور نہایت ترش روئی سے حضور ﷺ کو مخاطب کر کے کہا کہ تم یہ اتنا بڑا انبوہ لے کر خود اپنی قوم کو مٹانے آئے ہو لیکن جب قریش مسلح ہو کر مقابلہ پر آئے تو تمہارے یہ سب ساتھی چمپت ہو جائیں گے۔ اس پر حضرت ابوبکرؓ سے رہا نہ گیا اور عروہ کو بڑا ذلت آمیز

Marfat.com

جواب دیا۔عروہ نے کہا

''ابوبکر تمہارا ایک احسان میری گردن پر ہے۔ ورنہ میں بھی
سخت کلامی سے پیش آتا۔''(۳۶)

عروہ نے اس ساری گفت وشنید میں ایک خاص چیز مشاہدہ کی وہ یہ تھی کہ مسلمان شمع رسالت کے پروانے ہیں اور آنحضرت ﷺ کی بے حد تعظیم کرتے ہیں۔اس نے واپس جا کر قریش کو قیصر وکسریٰ اور نجاشی کے درباروں کی مثالیں دے کر سمجھایا کہ اتنے معزز تو وہ بھی نہیں تھے جتنے محمد ﷺ ہیں۔بہتر یہ ہے کہ تم فیصلہ پر نظر ثانی کرو۔(۳۷)

ابھی تک تصفیہ نہ ہو سکنے کی بناء پر حضور ﷺ نے حضرت عمرؓ کو سفیر نامزد کیا۔مگر انہوں نے قریش کی دیرینہ عداوت کے پیش نظر معذوری ظاہر کی۔حضور ﷺ نے ان کا عذر قبول کرتے ہوئے حضرت عثمانؓ کو شرفاء مکہ سے مذاکرات کی خاطر روانہ کیا۔عثمانؓ نے عمائدین قریش کو آپ ﷺ کا پیغام پہنچایا تو قریش نے ان سے کہا کہ اگر تم چاہو تو بیت اللہ کا طواف کر لو۔حضرت عثمانؓ نے آپؐ کی عدم رفاقت میں اس پیشکش کو ٹھکرا دیا۔اس پر قریش نے حضرت عثمانؓ کو اپنے یہاں روک لیا۔اس سے مسلمانوں میں یہ افواہ پھیل گئی کہ حضرت عثمانؓ شہید کر دئے گئے ہیں۔اس موقع پر حضور ﷺ نے ایک ببول کے درخت کے نیچے بیٹھ کر سب جاں نثاروں سے بیعت لی کہ جب تک عثمانؓ کا قصاص نہیں لیں گے۔اس جگہ سے نہیں ہٹیں گے۔اس کو بیعت رضوان کہتے ہیں۔اس موقع پر وحی نازل ہوئی۔

ترجمہ:(اللہ مومنوں سے خوش ہو گیا جب وہ درخت کے
نیچے تم سے بیعت کر رہے تھے۔)

(القرآن الحکیم ۴۸:۱۸)

بعد میں معلوم ہوا کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کی خبر غلط تھی۔لیکن بیعت رضوان کا فوری اثر یہ ہوا کہ قریش مکہ نے گھبرا کر مسلمانوں کے ساتھ تجدید مذاکرات کے لئے سہیل بن عمرو کو آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔کافی ردوکد کے بعد معاہدہ صلح کی شرائط پر اتفاق ہوا۔حضرت علیؓ نے آپ ﷺ کے ارشاد کے مطابق بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا تو اس پر سہیل نے اعتراض کیا اور باسمک اللھم (اے اللہ تیرے نام سے) سے لکھنے کا اصرار کیا۔چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو ایسا ہی کرنے کا حکم دیا۔اس کے بعد سہیل پھر محمد رسول اللہ کے نام پر معترض ہوا اور کہا کہ محمد بن عبداللہ لکھا جائے۔حضور ﷺ نے حضرت علیؓ کو ایسا ہی کرنے کو فرمایا لیکن انہوں نے اجتناب کیا۔اس پر محسنِ انسانیتؐ نے خود اس صلح نامہ کو لے کر لفظ رسول اللہ کو محو کر کے محمد بن عبداللہ لکھوا دیا۔(۳۸) صلح نامہ درج ذیل شرائط پر تحریر کیا گیا:

Marfat.com

۱۔ فریقین دس سال تک جنگ نہ کریں گے۔اس اثناء میں لوگ امن کی زندگی بسر کریں گے۔
۲۔ اس سال مسلمان واپس چلے جائیں۔اگلے سال آئیں تو تین روز حرم میں قیام کریں۔تلوار نیام میں ہوگی۔اس کے سوا کوئی اور ہتھیار نہیں ہوگا۔
۳۔ قربانی کے جو جانور مسلمانوں کے پاس ہیں ان کو حدیبیہ میں ہی ذبح کر دیا جائے۔
۴۔ مسلمانوں اور قریش کے حقوق اور واجبات برابر ہوں گے۔
۵۔ محمدؐ کے ساتھیوں میں جو شخص، عمرہ یا تجارت کے لئے مکہ آئے گا تو وہ قریش کی امان میں ہوگا اور قریش کا کوئی فرد مصر یا شام بغرض تجارت جاتے ہوئے مدینہ سے گزرے تو اس کی جان و املاک کو تحفظ حاصل ہوگا۔
۶۔ اگر قریش کا کوئی فرد اپنے سرپرست کی اجازت کے بغیر چلا آئے تو محمد ﷺ اسے واپس کرنے کے ذمہ دار ہوں گے۔لیکن محمد ﷺ کے ساتھیوں میں اگر کوئی بھاگ کر مکہ آتا ہے تو اہلِ مکہ اسے واپس نہیں کریں۔
۷۔ دلوں کی عداوتیں دلوں میں ہی رہیں گی۔انہیں ظاہر نہیں کیا جائے گا۔
۸۔ اہلِ عرب فریقین میں سے جس کے ساتھ معاہدہ کرنا چاہیں دوسرا فریق اس میں حائل نہیں ہوگا۔

(۳۹)

عہد نامہ کی شرائط میں سے بعض کھلے طور پر مسلمانوں کے خلاف معلوم ہوتی ہیں۔اس لئے مسلمانوں نے ان کے خلاف آواز اٹھائی۔یہی وجہ ہے کہ جب معاہدہ کی آخری شق لکھی گئی تو حضرت عمرؓ اس پر ضبط نہ کر سکے اور پھر آنحضرت ﷺ سے ان کی یوں گفتگو ہوئی۔

عمرؓ: یارسول اللہ ﷺ کیا آپ ﷺ خدا کے برحق رسول نہیں ہیں؟
حضور ﷺ: کیوں نہیں۔
عمرؓ: کیا ہم حق پر اور وہ لوگ باطل پر نہیں ہیں؟
حضور ﷺ: کیوں نہیں
عمرؓ: کیا ہمارے مقتولین جنت میں اور ان کے مقتولین جہنم میں نہیں ہیں۔
حضور ﷺ: کیوں نہیں۔
عمرؓ: تو پھر ہم کیوں ذلت کو قبول کریں کہ (احرام باندھ لینے کے بعد) بغیر عمرہ کئے واپس چلے جائیں۔
حضور ﷺ: میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔میں اس کے حکم کے خلاف نہیں کروں گا اور

Marfat.com

اللہ مجھے ضائع نہیں فرمائے گا۔ وہ میرا مددگار ہے۔

اصل میں یہ احساسات اور جذبات صرف حضرت عمرؓ ہی کے نہیں بلکہ تقریباً سبھی صحابہؓ کے تھے۔ وہ اس عہد نامے کی بعض شرائط میں اپنے لئے ذلت محسوس کرتے تھے۔ عین اس وقت جب یہ عہد نامہ لکھا گیا سہیل بن عمرو کے بیٹے ابو جندل سہیل آ گئے۔ یہ مکہ میں مقیم تھے اور مسلمان ہو چکے تھے اور اب قریش کی قید میں تھے۔ ابو جندلؓ کسی طرح قید سے بھاگ کر مسلمانوں کے اس کیمپ میں پہنچ گئے۔ سہیل نے جب وہاں بیٹے کو دیکھا تو پکار اُٹھا یہ کہ پہلا شخص ہے جسے عہد نامے کی رو سے ہمارے حوالے کرنا ہے۔ آپؐ نے ابو جندل کو قریش کے حوالے کر دیا اور ابو جندل سے فرمایا۔ ''صبر سے کام لو! اللہ تمہاری اور تمہارے جیسے دوسرے قیدیوں کی رہائی کی کوئی سبیل نکال دے گا''! آئندہ آمدہ واقعات نے یہ ثابت کر دیا کہ جن شرائط کے سبب مسلمان مایوس ہو رہے تھے ان کے نتائج مسلمانوں کے لئے کس قدر مفید اور کارآمد نکلے۔ معاہدہ ہو جانے کے بعد مسلمانوں نے حضورؐ کے فرمان کے مطابق وہیں احرام کھول دیئے اور قربانی دی۔ واپسی پر جب یہ قافلہ کراع الغمیم کے مقام پر پہنچا تو سورۃ فتح نازل ہوئی۔

یہ معاہدہ فتح عظیم کا مقدمہ بنا۔ ابن ہشام نے اس سے مراد فتح مکہ لی ہے۔ (۴۰) حافظ ابن قیم رقمطراز ہیں کہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس سے مراد فارس اور روم کی فتوحات ہیں اور بعض فتح خیبر کے بعد آفاقِ عالم پر فتوحات کا سلسلہ مراد لیتے ہیں۔ (۴۱)

۱۔ رسول اللہ معاہدہ حدیبیہ کی شرائط پر اگر اتفاق نہ کرتے اور بزور قوت مکہ میں داخل ہونے پر اصرار کرتے تو ممکن تھا کہ فریقین کی جانب سے ہزاروں جانیں تلف ہو جاتیں۔ جب کہ آپؐ نے نہایت عقلمندی اور اعلیٰ ڈپلومیسی اور عسکری سیاست سے کام لیا اور اس کے مطابق چلنے سے آپؐ نے بہت سی جانوں کو بچا لیا جن کے خون بہانے سے آپؐ کو کوئی دلچسپی نہ تھی۔ بلکہ آپؐ حرم کے اندر خون بہانے کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتے تھے۔ جن کا سہولت اور کثرت سے بہانا ممکن تھا جس طرح جابر لیڈر بنوک شمشیر اپنے مقاصد کو پورا کرتے ہیں اسی طرح رسولِ کریمؐ بھی بنوکِ شمشیر مکہ میں داخل ہونے پر قادر تھے۔ لیکن آپؐ تو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجے گئے تھے۔

۲۔ معاہدہ کی رو سے اس سال مکہ میں آپؐ کا داخلہ ممنوع ہو گیا البتہ اگلے سال آپؐ اور آپؐ کے صحابہ مکہ میں داخل ہو سکتے تھے، قریش نے اس شرط کے لکھوانے سے یہ ظاہر کیا کہ انہوں نے مسلمانوں پر فتح حاصل کر لی ہے۔ جبکہ یہ شرط حقیقت میں قریش کی شکست تھی کیونکہ اب انہوں نے معاہدہ کے مطابق آئندہ کے لئے مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے کے حق کو تسلیم کر لیا تھا جسے وہ اب تک رد کرتے رہے تھے اور سخت قسمیں کھاتے تھے کہ وہ مسلمانوں کو کبھی یہ حق نہیں لینے دیں گے۔

Marfat.com

گزشتہ اور معاصر عسکری اور سیاسی ماہرین کا خیال ہے کہ آنحضرتؐ کا اپنے اصحاب کے ساتھ اس معاہدہ میں کامیاب ہو کر اس صورت میں واپس آنا اس قدر پختہ اور مضبوط اقدام ہے کہ جس کا قوم کا کوئی ذمہ دار لیڈر ہی اقدام کر سکتا ہے اور عملی اقدام سے قبل ہی نتائج کا اندازہ کر لیتا ہے۔ تاریخ کے سکالروں اور فلسفیوں نے صلح حدیبیہ کو بڑی فتح خیال کیا ہے جسے حضرت نبیؐ کریم نے اسلام اور مسلمانوں کے لئے حاصل کیا تھا۔ قضیہ حدیبیہ اور تاریخی صلح کو جس پر سارا چکر ختم ہوا گہری نظر دیکھنے والا معلوم کر لیتا ہے کہ اس قضیے سے عقائدی، سیاسی، ادبی اور اطلاعاتی فوائد حاصل ہوئے، جن کا اسلام اور مسلمانوں کو فائدہ پہنچا۔

۳۔ جنگ کے دوران میں بغیر جنگ کے بھی کوئی صلح کا معاہدہ عموماً اس صورت میں طے پایا کرتا ہے جب دونوں فریق برابر کی حیثیت کے ہوں یا دونوں کا مفاد اس صلح میں ہو۔ زور آور یا طاقتور فریق صلح نہیں کیا کرتا، یعنی شرائط منوایا کرتا ہے۔ قریش مسلمانوں کی عسکری اور حکومتی ہمسری کا انکار پندرہ سال تک کرتے رہے۔ مگر معاہدہ حدیبیہ پر دستخط کر کے انہوں نے ان کے وجود کو پوری طرح تسلیم کر لیا کہ مسلمان ایک علیحدہ قوم اور قوت ہیں اور حکومتی حیثیت کے مالک ہیں مزید یہ کہ حضورؐ اس کے سربراہ ہیں۔ یہ صلحِ حدیبیہ کا سب سے پہلا اور بڑا سیاسی فائدہ تھا۔

۴۔ صلح حدیبیہ آنحضرتؐ کے حسن تدبر اور ماہرانہ خارجہ و جنگی حکمت عملی کی وجہ سے عمل میں آئی یہ صلح فتح خیبر کا پیشہ خیمہ ثابت ہوئی۔ مشرکین مکہ اور یثرب اور خیبر کے یہودیوں کے درمیان اسلام سے پہلے ہی تعلقات قائم تھے۔ مدینہ میں مسلمانوں کی ریاست کے قائم ہونے پر قریش مکہ اور یہود دونوں کو ناگوار گزری اور دونوں کے تعلقات پہلے سے بھی زیادہ مضبوط ہو گئے اور پھر مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان جتنی بھی لڑائیاں ہوئیں ان میں یہودیوں نے کھل کر مشرکین مکہ کی پوری پوری امداد کی۔ جنگ احزاب (غزوہ خندق) میں سخت ناکامی کے بعد مشرکین مکہ بھی تلملا رہے تھے اور کسی اچھے سے موقع کے انتظار میں تھے کہ مدینے کی اس ریاست کا خاتمہ کر دیں۔ دوسرے غزوہ احزاب میں یہودیوں کے بھرپور حصہ لینے کے نتیجے میں ابھی ابھی مسلمانوں اور یہودیوں میں لڑائیاں ہو چکی تھیں اور مدینہ سے جلا وطن کئے ہوئے یہودی جو خیبر میں جا بسے تھے دوسرے یہودیوں سے مل کر مسلمانوں پر حملے میں مصروف تھے۔ سو اگر یہ یہودی مل کر مسلمانوں پر حملہ آور ہو جاتے تو مشرکینِ مکہ ضرور ان کی مدد کو پہنچتے یا بصورت دیگر اگر مسلمان خود خیبر جا کر ان سے جنگ کرتے تو بھی قریش مکہ ان یہودیوں کی امداد کو آتے۔ دونوں صورتوں میں مسلمانوں کو ان دونوں طاقتوں اور ان کے حلیفوں کا مقابلہ کرنا پڑتا جو یقیناً بڑا کٹھن تھا۔ یہ حدیبیہ کا عہد نامہ ہی تھا جس کی ایک شرط کی وجہ سے قریشِ مکہ کو خیبر کے یہودیوں کی مدد نہ کرنے کا پابند بنا

Marfat.com

دیا گیا اور اس کی ایک اور شق کی بنیاد پر مکہ کے نواح کے بعض قبائل اگر قریش کے حلیف بن گئے تو کچھ قبائل مسلمانوں کے حلیف بھی بن گئے۔ گویا مسلمانوں کو مکہ کے نواح میں بھی حلیف حاصل ہو گئے جو اس معاہدے کے بغیر ممکن نہ تھا۔ نتیجتاً خیبر کے تمام یہودیوں وادی القریٰ فدک تیما اور تمام شمالی علاقوں پر مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی۔ یہودیوں پر مجاہدین کو فتح ہی حاصل نہ ہوئی بلکہ کثیر اموالِ غنیمت بھی ہاتھ آئے۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کو وہاں زرخیز زمینیں بھی عطا ہوئیں۔ یہ سب وہ غنائمِ کثیر تھے جس سے مسلمانوں کی مفلسی اور تنگ دستی کا خاتمہ کرنے میں مدد ملی۔

۵۔ معاہدہ حدیبیہ میں ایک شرط یہ بھی شامل کی گئی کہ قریش کی طرف سے اگر کوئی آدمی اپنے اہل کی اجازت کے بغیر خواہ مسلمان ہو کر آپؐ کے پاس آئے۔ آپؐ اسے قریش کی طرف واپس کریں گے۔ اسی شرط کی رو سے جب قریش ابوجندلؓ کو پابہ زنجیر واپس مکے لے گئے تو انہوں نے وہاں قید میں تبلیغ کا کام شروع کیا۔ اس طرح ایک سال کے اندر تین سو مشرکوں کو حلقہ بگوش اسلام بنا لیا۔ قریش کو اس سے اتنی پریشانی ہوئی کہ ابوجندلؓ اور اس کے ساتھی اسلام لے آنے والوں کو مکہ سے نکال دیا۔ ابوجندلؓ اور اس کے ساتھی عہد نامے کی رو سے مدینہ نہیں رہ سکتے تھے۔ اس لئے انہوں نے مکہ سے شام جانے والی شاہراہ پر ایک پہاڑی پر قبضہ کر کے وہاں ڈیرہ جما لیا اور قریش کے ان قافلوں کو لوٹنا شروع کر دیا جو اس طرف آتے جاتے تھے۔ اس سے قریش کو زبردست مالی نقصان پہنچا۔ قریش نے حضورؐ سے التجا کی کہ آپ عیض کے مسلمان انقلابیوں سے قریش کے خلاف بغاوت ختم کرنے کو کہیں اور قریش کا جو آدمی آپؐ کے پاس آئے مدینہ میں رہنے کے لئے اجازت دے دیں تا کہ قریش کے تجارتی قافلے بچ جائیں۔ آنحضور ﷺ نے اپنی قوم کے مشرک ہونے کے باوجود ان کی بات کو مان لیا اور انقلابیوں کے لیڈر ابوبصیر اور اس کے نائب ابوجندلؓ کی طرف پیغام بھیجا کہ وہ خود اور ان کے انقلابی بھائی مدینہ آ جائیں اور عیض میں اپنے مقامات کو چھوڑ دیں۔ انقلابیوں نے اس حکم کو قبول کیا اور مدینہ کی طرف واپس آ گئے۔

۶۔ ۶ ہجری میں ہونے والے اس معاہدے کی رو سے قبائل آزاد تھے کہ ان میں جو چاہے قریش کا حلیف بن جائے اور جو چاہے محمد ﷺ کے ساتھ ہو جائے۔ اس شرط کے تحت بنوخزاعہ آنحضرتؐ کے حلیف بن گئے اور ان کا مخالف قبیلہ بنوبکر قریش سے مل گیا۔ یہ حلیف قبائل بھی عہد نامہ کی شرائط کے پابند تھے۔

۷۔ عہد نامے کی ایک شق کے مطابق دس برس تک امن سے رہنے اور جنگ نہ کرنے کی پابندی عائد تھی، لیکن اس معاہدے کے ابھی دو برس بھی نہ گزرے تھے کہ بنوبکر نے بنوخزاعہ پر بے خبری میں حملہ کر دیا اور قریش نے عہد شکنی کرتے ہوئے بنوبکر کی امداد کی۔ بنوخزاعہ کو سخت جانی نقصان اٹھانا پڑا اور بھاگ کر مسجد حرام میں پناہ لی۔ قبیلہ کے کچھ آدمی جان بچا کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان

Marfat.com

لوگوں کی عہد شکنی اور مظالم کی داستان سنائی۔ معاہدے کی اس خلاف ورزی سے مسلمانوں کے دلوں کو سخت ٹھیس پہنچی۔ قریش نے کھلم کھلا عہد شکنی کر کے معاہدہ حدیبیہ کو کالعدم قرار دے دیا تھا۔ اس لئے آنحضرتؐ نے ان کو سزا دینے کے لئے تیاری شروع کر دی۔ آپؐ ایک ہزار نفوس کی تعداد میں تیار ہو کر مکہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ حضورؐ نے جنگی حکمتِ عملی اس طرح اپنائی تھی کہ قریش مجتمع ہو سکیں نہ جنگی تیاری کر سکیں اور نہ اپنے حلیف قبائل کو بلا سکیں۔ مسلمانوں کا یہ لشکر رات کے وقت مکہ کے قریب پہنچا تھا اور آنحضرتؐ نے حکم دیا تھا کہ لشکر کو دور دور تک پھیلا دیا جائے، چنانچہ جب قریش کے سردار ابوسفیان نے بلندی سے اس کیمپ پر نظر دوڑائی تو اسے تا حدِ نگاہ آگ جلتی نظر آئی۔ اس سے اہلِ مکہ ایسے مرعوب ہوئے کہ مکہ بغیر کسی جنگ کے فتح ہو گیا۔ قرآن نے اس فتح کا ذکر یوں فرمایا ہے۔

''یعنی دوسری فتح _____ جس پر تم (پہلے) قادر نہ ہو سکے تھے۔''

اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ پورا ہونے کے لئے عہد نامے کی یہ شق کتنی اہم اور ضروری ثابت ہوئی۔

۸۔ عہد نامے کے نتیجہ میں صلح اور امن ہو جانے اور قبائل کی آزادی کا مسلمانوں کو ایک بڑا فائدہ پہنچا کہ وہ مشرکین مکہ کے علاوہ قبائل کے لوگوں سے آزادی سے ملنے جلنے لگے۔ اس طرح مسلمانوں کو کھلم کھلا موقع مل گیا کہ وہ ان لوگوں سے اسلام کی حقیقت بیان کر سکیں اور انہیں اسلامی تعلیمات سے آگاہ کر سکیں۔ تبلیغ کے یہ مواقع حاصل ہونے کا یہ نتیجہ ہوا کہ عام عرب اسلام کی سچائی سے واقف اور کثیر تعداد میں حلقہ بگوش اسلام ہوتے گئے۔ دور کے قبائل تو ایک طرف خود مکہ کے بہت سے لوگ اسلام لے آئے۔ ان میں عظیم سپہ سالار خالد بن ولیدؓ، عمرو بن العاصؓ اور کعبہ کے کلید بردار عثمان بن طلحہؓ کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ایمان لانے کے بعد ان تینوں اصحاب کے متعلق رسول اللہؐ نے فرمایا تھا کہ

''مکہ نے اپنے تین جگر گوشے تمہاری طرف پھینک دیئے ہیں۔''

حدیبیہ کے موقع پر مکی مسلمانوں کی تعداد تقریباً تین ہزار تھی اور یہ تعداد صلح حدیبیہ کے محض دو سال بعد فتح مکہ کے موقع پر دس ہزار سے تجاوز کر گئی تھی۔ یہ کامیابی صلح حدیبیہ ہی کی وجہ سے حاصل ہوئی۔

۹۔ اسی طرح امن و اطمینان کی فضا پیدا ہونے کے بعد ساتویں ہجری میں آپؐ نے عرب کے رؤسا اور بڑے بڑے بادشاہوں کے نام وہ تاریخی خطوط ارسال فرمائے جو ان دور دراز علاقوں اور ملکوں میں اسلام کی پہلی دعوتِ تھی۔ ان خطوط کی تاثیر کے اختلاف کے باوجود ان کا پہنچنا اور ان کی خبر کا

Marfat.com

پھیلنا بلاشبہ دعوت اسلامی کے مفاد میں ہوا۔

پھر صلح حدیبیہ کے ذریعہ حضرت نبی کریمؐ کو یہ موقع ملا کہ آپؐ بازنطینی حکومت کو مسلمانوں کی فوجی طاقت کے متعلق بتانے کے لئے جزیرہ عرب کی حدود سے باہر پہلا فوجی حملہ کریں۔ جب تک مسلمانوں نے حدودِ شام کو پار کر کے رومی علاقے میں اسی ۸۰ میل اندر داخل ہو کر جوار دن کے علاقہ میں اس حکومت کو یہ نہیں بتایا کہ مسلمان بھی کوئی طاقت ہیں، اس سے قبل وہ مسلمانوں کو کسی حساب و کتاب میں شمار نہ کرتی تھیں۔ قریش اور مسلمانوں کی صلح کے دوران رسولِ کریمؐ نے تین ہزار آدمیوں کا ایک فوجی دستہ تیار کیا جس کو شام میں رومی علاقے کے اندر تک جانے کا حکم ہوا۔ نتیجتاً رومیوں اور مسلمانوں کے مابین جنگ موتہ واقع ہوئی۔ اس خطرناک جنگ میں مسلمانوں نے سیاسی لحاظ سے یہ کامیابی حاصل کی کہ رومی جزیرہ عرب سے جنگ کرنے سے کترانے لگے۔

بہر حال نتائج کے اعتبار سے دیکھا جائے تو امرِ واقعہ یہ ہے کہ خارجہ تعلقات کی تاریخ میں اس سے افضل نمونہ ملنا دشوار ہے۔ یہ معاہدہ آپ کی بے نظیر ذکاوت کا آئینہ دار ہے۔

معاہدۂ خزاعہ (۵ھ)

معاہدۂ حدیبیہ کی رو سے قبائل کو آزادی تھی کہ وہ قریش یا مسلمانوں سے حلیفی کریں۔ خزاعہ یمن کی قحطانی نسل کا ایک قبیلہ تھا جو مکہ کے قرب و جوار میں آ کر آباد ہو گیا تھا۔ اس قبیلہ نے معاہدہ حدیبیہ کے موقع پر اعلان کیا تھا کہ وہ مسلمانوں کے حلیف ہیں۔ اس موقع پر آپؐ نے عبدالمطلب کے پرانے حلف نامہ کی تجدید بھی فرمائی۔ اس حلیفی کا سیاسی اور فوجی لحاظ سے رسولؐ اللہ نے انتہائی اہم مقصد حاصل کیا۔ کہ جب بنوبکر نے قریشیوں کی مدد سے بنوخزاعہ پر حملہ کیا تو حضورؐ کو مکہ پر چڑھائی کرنے کا موقع مل گیا کیونکہ قریشیوں نے بنوخزاعہ کے خلاف بنوبکر کا ساتھ دے کر معاہدہ حدیبیہ کی واضح خلاف ورزی کی تھی۔

معاہدۂ خیبر

جب حضورؐ نے خیبر کے یہودیوں کو ان کے قلعوں میں محصور کر دیا تو انہوں نے صلح کی درخواست کرتے ہوئے ۷ ہجری (مئی ۶۲۸ء) میں آپؐ سے معاہدہ کر لیا۔ جس کی رو سے انہوں نے جلاوطنی کو قبول کر لیا۔ لیکن بعد میں درخواست کی کہ انہیں وہیں مقیم رہنے دیا جائے اور نصف پیداوار زمین کی ادائیگی کی شرط پر معاہدہ ہوا۔ (۴۲)

Marfat.com

معاہدۂ فدک

معاہدہ فدک اور معاہدہ وادی القریٰ یہ دونوں معاہدے حضورؐ نے سن ۷ ہجری میں معاہدۂ خیبر کی شرائط پر یہودیوں سے طے فرمائے۔

معاہدۂ تیماء

وادی تیماء میں بھی یہودی آباد تھے۔ان کی درخواست پر آپؐ نے درج ذیل معاہدہ فرمایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

''یہ تحریر اللہ کے رسول محمد کی طرف سے بنو عادیا
کے لئے ،ان کے لئے ذمہ داری ہے اوران پر جزیہ، نہ ظلم
ہوگا اور نہ جلاوطنی ۔رات (اس معاہدے کو) دراز کرے گی
تو دن اس میں شدت پیدا کرے گا''۔(۴۳)

معاہدۂ بنوعریض و بنی غازیہ

یہ معاہدہ آپؐ نے بحرین کے یہودی قبائل بنوعریض اور بنی غازیہ کے ساتھ اطاعتِ جزیہ پر فرمایا۔

معاہدۂ مزینہ

مزینہ کا قبیلہ مدینہ کے مغرب میں ۲۸ کلومیٹر کے فاصلہ پر ساحلِ سمندر کی جانب آباد تھا جہاں سے گزر کر قریش کے تجارتی قافلے شام کی طرف جاتے تھے۔آنحضرتؐ نے اس قبیلہ کو زرعی اراضی اور کانیں جاگیر میں دیں اور معاہدہ کیا تا کہ قریش کے تجارتی قافلوں کی ناکہ بندی کے اقدامات میں وہ بھی مسلمانوں کا حلیف ثابت ہو۔

معاہدۂ جُرش

جرش طائف کے جنوب میں یمن کا ایک اہم مقام ہے۔فتح مکہ کے بعد ان کا محاصرہ کیا گیا۔ ان کی صلح کی درخواست پر معاہدہ تحریر ہوا۔آپؐ نے انہیں اسی حالت میں برقرار رکھا۔جو اہلِ کتاب تھے ان کے ہر بالغ پر ایک دینار جزیہ مقرر فرمایا اور یہ بھی لازم قرار دیا کہ وہ آئندہ مسلمان مسافروں کو سامان رسد مہیا کیا کریں گے۔(۴۴)

Marfat.com

معاہدۂ اسلم

قبیلہ اسلم خزاعہ کی ایک شاخ تھی۔اس کے ساتھ آپؐ نے درج ذیل معاہدہ فرمایا۔

۱۔ اسلم کے لئے جوخزاعہ کی ایک شاخ ہے،ان لوگوں کے لئے جوان میں سے ایمان لائے ہیں، نماز پڑھتے ہیں اوراللہ کے دین کے بارے میں خواہی دکھاتے ہیں۔

۲۔ انہیں ایسوں کے خلاف مدد دی جائے گی جوظلم سے ان پراچانک دھاوابول دیں۔

۳۔ اوران پر نبی کریم ﷺ کی مدد نصیب ہوگی جبکہ آپؐ ان کو بلائیں۔

۴۔ اوران کے خانہ بدوشوں کے لئے بھی وہی حقوق وواجبات ہیں جوان کی بستی میں رہنے والوں کے لئے ہیں۔

۵۔ اوروہ مہاجر ہی ہیں جہاں وہ ہیں۔(۴۵)

مذکورہ معاہدہ کی شق ایک اوردو واضح طور پرفریقین کے درمیان دفاعی حلیفی کی نشاندہی کرتی ہیں اوراس بات کا پابند بناتی ہیں کہ جنگ کی صورت میں دونوں ایک دوسری کی مدد کوآئیں گے۔

معاہدۂ ثقیف

بنوثقیف عبد یالیل کی قیادت میں رمضان ۹ ہجری میں مدینہ آئے۔آپؐ نے انہیں مسجد کے قبہ میں ٹھہرایا اوران کے لئے یہ تحریر خالد بن سعید سے لکھوائی: (۴۶)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ ایک تحریر ہے،اللہ کے رسول محمد ﷺ کی جونبی ہیں ثقیف کے لئے لکھا جاتا ہے کہ ان کواس خدا کے ذمہ دیا جاتا ہے کہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور نبی محمد بن عبداللہ کا ذمہ اس چیز کے متعلق جواس دستاویز میں لکھا گیا ہے۔بے شک ان کی وادی حرام ہےاورسب کی سب خدا کے لئے حرام کی گئی ہے۔وہاں کے جنگلی خاردار درخت،وہاں کا شکار،وہاں ظلم کرنا،وہاں چوری یا کوئی برائی کرنا سب حرام ہیں۔اور (اس وادی) دج کا ثقیف ہی کا سب سے زیادہ استحقاق ہے۔ان کے قلعے کوعبور نہیں کیا جاسکے گا اور نہ کوئی مسلمان وہاں جا کران کو وہاں وہ اپنے قلعے میں یااس کے سوا اپنی وادی میں جوعمارت چاہیں بناسکیں گے۔ان کونہ تو فوجی خدمت کے لئے جمع کیا جائے گا اورنہ ہی ان سے عشر زکوٰۃ لیا جائے گا اورنہ ہی مال یا ذات کے متعلق ان پرکوئی جبر کیا جاسکے گا۔

یہ مسلمانوں کا ہی ایک گروہ ہیں۔مسلمانوں میں جہاں چاہیں جا آسکیں گےاور جہاں جانا آنا چاہیں جا آسکیں گے۔اوران کے پاس جوقیدی ہووہ انہیں کا ہوگا۔اورانہیں کوسب لوگوں سے زیادہ اس

Marfat.com

پر استحقاق ہوگا تا کہ وہ اس کے متعلق جو چاہیں کریں۔ان کو رہن کی ضمانت پر جو قرض وصول ہو اور اس کی ادائیگی کی مدت آجائے تو وہ سود ہے۔اور اللہ سے برأت اور قرض رہن کی ضمانت پر موسم عکاظ کے بعد تک کے لئے ہو تو اس کا اصل راس المال عکاظ کے وقت ادا کر دیا جائے۔اور ثقیف کو ان کے کھاتوں میں ان کے اسلام لانے کے دن لوگوں سے جو وصولِ دُیون ہیں وہ ان کو ملیں گے۔اور ثقیف لوگوں نے جو امانت یا مال یا آدمی (یعنی لونڈی غلام) جسے امانت رکھانے والے نے مالِ غنیمت میں حاصل کیا تھا یا اسے کھویا تھا، وصول طلب ہو تو ضرور واپس کئے جائیں گے۔

اگر ثقیف کے کچھ لوگ یا سامان (اب) غیر حاضر ہوں تو اس کو بھی وہی امن حاصل ہوگا جو حاضر الوقت کو ہے اور ان کا جو مال بعد میں ہو تو اس کو بھی وہی امن حاصل ہوگا جو دج کے مال کو ہے۔

اور ثقیف کا جو حلیف یا تجارتی معاملت دار ہو تو اس کو بھی ثقیف کے لئے طے شدہ امیر ہی حاصل ہوگا اور اگر ثقیف پر کوئی الزام لگانے والا الزام لگائے یا کوئی ظلم کرنے والا ان پر ظلم کرے گا تو ان کے متعلق اس کی بات نہیں مانی جائے گی چاہے مال کے متعلق ہو یا جان کے متعلق۔اور رسول کریم ﷺ اور تمام مسلمان ان (ثقیف) کی مدد اس شخص کے خلاف کریں گے، جو ان پر ظلم کرے اور لوگوں میں سے جس کے متعلق انہیں ناپسند ہو کہ وہ ان کے ہاں آئے تو ایسا شخص ان کے ہاں نہ آسکے گا۔اور بازار اور بیوپار گھروں کے صحنوں میں ہوگا۔ان کا امیر انہیں میں سے کوئی ہوا کرے گا کوئی دوسرا نہیں۔چنانچہ بنی مالک پر ان کا امیر اور اخلاف پر ان کا امیر ہوگا۔اور ثقیف والے قریش کے جن تاکسنانوں کی ابرسانی کریں گے ابرساں کو اس کا آدھا ملے گا۔اور ان کو رہن کی ضمانت پر جو قرض وصول طلب ہو تو سود نہیں لیا جائے گا۔اگر رہن کے مالک فوری ادائیگی کے قابل ہو تو ادا کریں گے اور اگر فوری ادائیگی نہ کر سکتے ہوں تو آئندہ سال کے جمادی الاول تک ہو سکے گا۔اور جس کا وقت آگیا اور ادا نہ کرے تو گویا اس نے سود لیا۔اور ان لوگوں سے جو قرض وصول ہو تو انہیں اصل راس المال کے سوا کچھ نہ ملے گا۔اور ان کے پاس جو قیدی ہو جسے اس کے مالک نے بیچ دیا ہو تو اسی کو اس بیع کا حق ہوگا اور جو فروخت نہ کیا گیا ہو تو اس میں (فدیہ) چھ اونٹنیاں ہوں گی آدھوں آدھ تین اونٹنیاں اور دودھ عمدہ موٹی اور جس نے معاملہ بیع کر کے کچھ خریدا ہو تو اس کا بیع اسی کو حق ہوگا۔

معاہدۂ دومۃ الجندل

شوال ۹ ہجری میں طے پانے والے اس معاہدے کو معاہدہ اکیدر بھی کہتے ہیں۔معاہدے کی عبارت درج ذیل ہے۔(۴۷)

Marfat.com

یہ تحریر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے اُکیدر کے لئے ہے، جبکہ اس نے اسلام قبول کیا اور انداد و اصنام کو چھوڑ دیا، اور اہلِ دومہ کے لئے ہے۔ جوہڑوں کا وہ حصہ جو آبادی کے باہر ہے بنجر زمینیں اور جنگلی غیر آباد زمینیں اور زرہیں اور ہتھیار اور باربرداری کے جانور، اور گڑھی یہ سب چیزیں ہمارے لئے ہیں، اور تمہارے لئے وہ کھجور کے درخت ہیں جو گڑھی کے اندر ہیں اور بہتا ہوا پانی ہے۔ تمہارے چرنے والے جانور چراگاہوں سے نہیں پھیرے جائیں گے اور نصاب کی مقرر تعداد سے جو مویشی زیادہ ہوں گے زکوٰۃ کے تعین کے وقت ان کا شمار نہیں کیا جائے اور تمہارے اگنے سے نہیں روکے جائیں گے۔

''تمہیں وقت پر نماز پڑھنا اور حق کے مطابق زکوٰۃ دینا ہوگی۔ اس کے لئے تمہارے ساتھ اللہ کا عہد اور میثاق ہے اور تم ہماری صداقت اور وفائے عہد کے مستحق ہو۔ اللہ اور مسلمان حاضرین شاہد ہیں۔''

معاہدۂ ایلہ

ایلہ شام میں خلیج عقبہ کے کنارے ایک مقام تھا۔ آپؐ نے ایلہ کے حاکم یحنہ یا یوحنا کو ایک مکتوب بھیجا تھا جس کے جواب میں وہ خود آپؐ کی خدمت میں بمقام تبوک حاضر ہوا۔ یہ لوگ مسیحی تھے۔ آپؐ نے یوحنا کو مہمان کا درجہ دیا۔ گفت وشنید کے بعد درج ذیل معاہدہ طے پایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ تحریر امان کی ضامن ہے جو اللہ اور محمد النبی رسول اللہ کی طرف سے یحنہ بن رویہ اور اہل ایلہ کے لئے ان کے بری قافلوں اور بحری تجارتی جہازوں کی حفاظت کی غرض سے مرتب ہوئی۔ ان کے لئے اللہ اور محمد النبی کی حفاظت کا ذمہ ہے اور ان اہل شام، اہل یمن اور اہل بحر کے لئے جو ان کے ساتھ ہوں۔ لیکن ان میں جو بھی شخص معاہدے کے خلاف کوئی نئی بات پیدا کرے گا اس کی جان بچانے میں حائل نہ ہوگا اور وہ ہر اس شخص کے لئے حلال ہوگا جو اسے پکڑ لے گا۔ یہ جائز نہ ہوگا کہ ہمارے آدمیوں کو کسی بھی چشمے

Marfat.com

سے جس پر جا کر وہ پانی حاصل کرنا چاہیں یا کسی بھی بری یا
بحری راستے سے جس پر وہ چلنا چاہیں روکا جائے۔(۴۸)

معاہدۂ جریا، معاہدۂ ازرح

غزوۂ تبوک کے دوران ایلہ کے معاہدہ کے بعد مملکت مدینہ سے وفاداری کی شرائط پر یہ معاہدات ہوئے۔(۴۹)

معاہدۂ مقنا

اہلِ مقنا یہودی تھے اور ۹ ہجری میں درج ذیل معاہدہ اُن سے طے پایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

''محمد رسول اللہ کی طرف سے حبیبہ اور اہل مقنا کے نام۔تم پر سلامتی ہو۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم اپنے گاؤں واپس جا رہے ہو۔ جب میرا یہ مکتوب تمہارے پاس پہنچے تو تم اپنے تئیں حفظ و امان میں سمجھو کیونکہ اب تمہارے لئے اللہ کا اور اس کے رسول کا ذمہ ہے۔ اور رسول اللہ نے تمہارے گناہ، اور وہ شب خون، جن کے لئے تمہارا تعاقب کیا گیا تھا، معاف کر دیئے ہیں۔تمہارے گاؤں میں رسول اللہ کے سوا اور رسول اللہ کے نمائندے کے سوا تمہارا کوئی شریک و سہم نہیں ہے۔آج کے بعد تم پر نہ کوئی ظلم ہوگا اور نہ زیادتی اور اللہ کا رسول تمہیں ان تمام چیزوں سے بچائے گا جن سے وہ خود اپنے تئیں بچاتا ہے۔ جو چیزیں رسول اللہ نے یا رسول اللہ کے نمائندے نے معاف کر دی ہیں ان کے سوا تمہارے بنے ہوئے کپڑے، تمہارے غلام، تمہارے گھوڑے اور تمہاری زرہیں رسول اللہ کے لئے ہیں۔ جو کچھ تمہارے نخلستانوں میں پیدا ہو اور تمہاری کشتیاں شکار کریں اور تمہاری عورتیں کاتیں ان سب ہی سے ایک چوتھائی ہم پر واجب ہے، اس کے بعد جو کچھ ہے تمہارا ہے۔ نیز یہ کہ

Marfat.com

رسول اللہ نے تمہیں ہر قسم کے جزیہ اور بیگار سے مستثنیٰ کر دیا ہے۔ اگر تم سنو گے اور اطاعت کرو گے تو رسول اللہ تمہارے عزت داروں کی عزت کریں گے اور تمہارے قصور معاف کریں گے۔ بن حبیبہ اور اہل مقنا میں سے جو مسلمانوں سے بھلائی کرے گا وہ اسی کے لئے بھلائی ہوگی اور جو برائی کرے گا وہ اسی کے لئے برائی ہوگی۔ تم پر کوئی امیر نہیں ہوگا۔ مگر وہ جو خود تمہیں میں سے یا رسول اللہ کے اہلِ بیت میں سے ہو۔'' (۵۰)

معاہدۂ نجران

رسول اللہ نے اہل نجران سے ۱۰ ہجری میں درج ذیل معاہدہ فرمایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ وہ تحریر ہے جو اللہ کے رسول محمدؐ نے اہل نجران کے لئے لکھی ہے۔ اگر چہ آپؐ کو ان کے پھلوں، سونے چاندی، لوہے (اسلحہ) اور غلاموں میں سے حصہ لینے کی قدرت حاصل تھی مگر آپؐ نے یہ ساری چیزیں ان کو چھوڑ دیں اس شرط پر کہ وہ ہر سال دو ہزار حلے ادا کریں، ایک ہزار رجب میں اور ایک ہزار صفر میں۔ ہر حلہ ایک اوقیہ کا ہوگا اور جو اس سے کم یا زیادہ ہو تو وہ محسوب کر لیا جائے گا، اور جو زرہیں، گھوڑے یا سواریاں دیں وہ بھی حساب کر کے لی جائیں گی۔ اہل نجران پر میرے قاصدوں کے رہنے کا انتظام لازم ہوگا۔ کسی قاصد کو ایک ماہ سے زیادہ نہ روکا جائے۔ اگر یمن میں کوئی گڑبڑ پیدا ہو جائے تو اہل نجران کو تیس زرہیں، تیس گھوڑے اور تیس اونٹ مستعار دینے ہوں گے۔ اگر ان میں سے کوئی چیز ہلاک یا ضائع ہو تو اہل نجران کو اس کا معاوضہ ملے گا نجران اور اس کے حلقے کے لوگ اللہ

Marfat.com

کے جوار اور رسول اللہؐ کی ذمہ داری میں ہیں۔ ان کی جانیں، اموال، زمینیں، مذہب، حاضر و غائب، گرجے اور مملوکات کی حفاظت کی جائے گی۔ کسی پادری کو اس کے موقف سے، کسی راہب کو اس کی رہبانیت سے، کسی کاہن کو اس کی کہانت سے ہٹایا نہ جائے گا۔ جو کچھ بھی کم و بیش ان کے قبضہ میں ہے اس پر غارت گری نہ ہوگی۔ تم سے جاہلیت کے کسی جرم یا خون کا مواخذہ نہیں کیا جائے گا، نہ فوجی خدمت پر بلایا جائے گا۔ نہ کوئی عشر لگایا جائے گا۔ اور نہ کوئی لشکر تمہاری زمین پامال کرے گا۔ اگر تم سے کوئی اپنا حق مانگے گا تو دونوں کے درمیان انصاف کیا جائے گا۔ نہ تم پر ظلم ہونے دیا جائے گا اور نہ تمہیں ظلم کرنے دیا جائے گا۔
تم میں سے اس کے بعد جو سود کھائے گا وہ میری ضمانت سے خارج ہے۔ دوسرے آدمی کے ظلم کی پاداش میں دوسرا نہ پکڑا جائے گا۔ اس تحریر میں جو کچھ درج ہے وہ اللہ کی امان اور محمدؐ کا ذمہ ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اپنا امر لائے اور اس وقت تک کہ تم مسلمانوں کے خیر خواہ رہو اور ان شرائط کے پابند رہو جو تم سے کی گئی ہیں بغیر اس کے کہ تمہیں ظلم سے کسی بات پر مجبور کیا جائے۔'' (۵۱)

معاہدۂ نبالہ

۱۰ ہجری میں اہل نبالہ سے اہل جُرش کی شرائط پر معاہدہ ہوا۔ اور یہ لازم قرار دیا کہ وہ مسلمانوں کے لئے سامان رسد فراہم کریں گے۔ (۵۲)

معاہداتِ بنی الحرقہ و بنی الجرمز

رسالت مآبؐ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں عمرو بن معبد الجہنی اور بنی الحرقہ و بنی الجرمز کو ایک خاص فرمان کے ذریعے ان شرائط پر امن امان کی یقین دہانی کرائی کہ وہ مشرف بہ اسلام ہو کر نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں، اور مال گزاری بھی ادا کریں۔ مال غنیمت کا پانچواں حصہ مرکز کو ادا کریں۔

Marfat.com

اپنے غیر مسلم رشتہ داروں کے ساتھ تعلقات منقطع کر کے صرف راس المال لے کر اپنے قرضہ جات کے سود سے دستبردار ہو جائیں۔ جو افراد اس قبیلہ میں ضم ہوں وہ بھی انہی مراعات کے حامل ہوں گے جو اس قبیلہ کو حاصل ہیں۔

جس دور میں رسالتِ مآب نے یہ معاہدات فرمائے روم و فارس اس وقت کی دو عظیم طاقتور سلطنتیں تھیں۔ اسلامی ریاست مدینہ کو روم کی طرف سے خطرات لاحق تھے۔ غزوہ تبوک انہی خطرات کے تحت واقع ہوا تھا۔ تبوک میں قیام کے موقع پر حضورؐ نے سیاسی اور حربی فوائد حاصل کرنے کے لئے ان سرحدی ریاستوں کو اپنے ساتھ ملانے کے لئے اقدامات کئے جو اب تک رومیوں کے زیر اثر تھیں۔ تبوک میں مسلمانوں کی قلیل فوج کے جرأت مندانہ ٹھہراؤ اور بے مثال جذبہ نے سرحدی قبائل کو آپ ﷺ کی اطاعت قبول کرنے میں حالات کو سازگار بنا دیا تھا۔ چنانچہ حاکم ایلہ، اہل جرباء واذرح نے جزیہ پر صلح کر کے معاہدہ کیا۔ اس کے بعد دومتہ الجندل کو مطیع بنایا۔ پھر اہل مقنا کے عیسائی روساء نے جزیہ کی شرط پر صلح کر لی۔

ان معاہدات کا صاف نتیجہ یہ نکلا کہ ریاستِ نبویؐ کی حدود اقتدار براہ راست جزیرہ نمائے عرب کی انتہائی شمالی سرحدوں تک پہنچ گئے اور وہ عرب قبائل اب خود رومیوں کے حریف بن گئے جن کو اب تک عرب کے خلاف استعمال کرتے رہے تھے اور جو اب مسلمانوں کے حلیف بن چکے تھے۔ مذکورہ بالا عیسائی قبائل کو ریاست نبویؐ کے زیر اثر لانا حضور ﷺ کی سیاست خارجہ کا ایک بڑا کارنامہ تھا۔ اس سے رومی سلطنت کے منطقہ اثر میں گہرے شگاف پڑ گئے جن کی وجہ سے صفر ۱۱ ہجری میں اسامہ بن زید کی وہ مہم بالآخر حضرت ابوبکرؓ کے دور میں کامیابی سے ہمکنار ہوئی جسے ابتدائی طور پر رسول اللہ نے روانہ کیا تھا۔ اور پھر آگے چل کر اسی بناء پر بلادِ روم میں اسلام کے اثر و نفوذ، توسیع و اشاعت اور فتوحات کے دروازے کھل گئے۔ اور اسلام مستقبل قریب کی بین الاقوامی طاقت کی حیثیت سے محسوس کیا جانے لگا ——— !

●○●○●○●

Marfat.com

حوالہ جات باب ششم

۱۔ سید قاسم محمود، ''اسلامی انسائیکلوپیڈیا۔''

۲۔ نعیم صدیقی، "محسنِؐ انسانیت"، ص ۴۹۲۔

۳۔ تاریخ ابن خلدون، حصہ اول، ص ۵۶۔

۴۔ ابن ہشام، حصہ اول، ص ۴۴۲۔

۵۔ طبقات ابن سعد، حصہ اول، ص ۳۱۹۔

۶۔ ابن ہشام، حصہ اول، ص ۴۴۵، تاریخ ابن خلدون، حصہ اول، ص ۵۷۔

۷۔ طبقات ابن سعد حصہ اول، ص ۳۱۸۔

۸۔ ابن ہشام، حصہ اول، ص ۴۵۵۔

۹۔ ابن ہشام، حصہ دوم، ص ۹۰۔

۱۰۔ ابن ہشام، حصہ اول، ص ۴۵۴، ابن سعد، حصۃ اول، ص ۳۲۱۔

۱۱۔ حمید اللہ، عہد نبوی ﷺ میں نظام حکمرانی، ص ص ۸۰۔۸۱۔

۱۲۔ نقوش رسول نمبر، جلد ۵، ص ۹۰۔

۱۳۔ محمد حسین ہیکل "حیات محمد ﷺ" ص ۴۸۵۔

۱۴۔ ایضاً

۱۵۔ Well Havsen (The Historions of the World) Vol :viii, p.291.

۱۶۔ صحیح بخاری

۱۷۔ ابوداؤد، سنن، جلد ۳، باب بنونضیر۔

۱۸۔ نقوش، رسول ﷺ نمبر، جلد ۱۱، ص ۶۳۱۔

Marfat.com

۱۹۔ شبلی نعمانی، "سیرۃ النبی ﷺ" جلد اول، ص ص ۴۰۳۔۴۰۴۔
۲۰۔ نقوش رسول ﷺ نمبر جلد ۵، ص ص ۶۳۱۔۶۳۲۔
۲۱۔ ابوداؤد، سنن، جلد ۲، باب بنونضیر۔
۲۲۔ ایضاً
۲۳۔ ابن سعد، الطبقات، (ایڈیشن بیروت، ۱۹۵۷ء)، جلد ۲، ص ۲۹۔
۲۴۔ ابن ہشام، جلد ۲، ص ۵۶۔
۲۵۔ ابوداؤد، سنن، باب بنونضیر۔
۲۶۔ شبلی نعمانی "سیرۃ النبی ﷺ" جلد اول، ص ۴۱۲۔
۲۷۔ صحیح مسلم، جلد دوم، ص ۷۷۔
۲۸۔ نقوش، جلد ۱۱، ص ۶۴۸۔
۲۹۔ ایضاً، ص ۶۴۷۔
۳۰۔ طبقات ابن سعد، حصہ اول، ص ۳۴۴۔
۳۱۔ ایضاً، ص ۴۱۷۔
۳۲۔ ابن ہشام، حصہ دوم، ص ۳۵۳، تاریخ طبری، حصہ اول، ص ۳۲۵۔
۳۳۔ ایضاً
۳۴۔ ایضاً، ص ۳۵۶۔
۳۵۔ تاریخ طبری، حصہ اول، ص ۳۳۲۔
۳۶۔ ڈاکٹر حمید اللہ، "تاریخ اسلام" ص ۴۷۔
۳۷۔ ابن ہشام حصہ دوم، ص ۳۵۹، تاریخ طبری، حصہ اول، ص ۳۳۱۔
۳۸۔ تاریخ ابن خلدون، حصہ اول، ص ۱۳۵۔
۳۹۔ ابن ہشام، ابوعبید، "فتوح البلدان"؛ ڈاکٹر حمید اللہ۔
۴۰۔ ابن ہشام، حصہ دوم، ص ۳۷۱۔
۴۱۔ زادالمعاد، جلد دوم، ص ۲۲۸۔
۴۲۔ صحیح بخاری، کتاب الوکالہ، باب المزارعۃ مع الیہود، ابن ہشام، حصہ دوم، ص ۳۸۹۔
۴۳۔ طبقات ابن سعد، بحوالہ ڈاکٹر حمید اللہ، رسولِ اکرمؐ کی سیاسی زندگی، ص ص ۳۴۶۔۳۷۵۔
۴۴۔ فتوح البلدان، ص ۹۹۔

Marfat.com

۴۵۔ ابن سعد، بحوالہ ڈاکٹر حمید اللہ، ص ۳۷۴۔۳۷۵۔

۴۶۔ فتوح البلدان، ص ۱۰۳۔۱۰۴۔

۴۷۔ ابن ہشام، حصہ دوم، ص ۶۳۰۔۶۳۱۔

۴۸۔ تاریخ طبری، حصہ اول، ص ۴۴۳۔

۴۹۔ فتوح البلدان، ص ۱۰۱۔۱۰۲۔

۵۰۔ ایضاً، ص ۱۰۸۔۱۰۹، زادالمعاد، جلد سوم، ص ۱۲۶۔۱۲۷۔

۵۱۔ ایضاً، ص ۹۹۔

۵۲، ایضاً

Marfat.com

باب ۷

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جنگی سرگرمیاں

جنگ خارجہ پالیسی میں ایک اہم اصول ہے۔ جنگ ایک مسلح نزاع کا نام ہے جو دو یا دو سے زائد ملکوں کے درمیان برپا ہو۔ ایک انصاف کی جنگ ہوتی ہے جو کسی ایسی قوم کے خلاف لڑی جائے جو دوسری قوم پر ظلم کی مرتکب ہوئی ہو اور دوسری قوم کی ترقی اور اوج وعروج کو ناپسند و ناگوار محسوس کرتی ہو۔ اس جنگ کیلئے ضروری ہے کہ یہ انسانی آئین کے ماتحت ہو اور اس کا مقصد دائمی امن و امان ہو۔ نیز یہ شرط بھی ہے کہ انسانی زندگی اور بے گناہوں کے مال و املاک کا قرار واقعی احترام کیا جائے، نیز قیدیوں کے ساتھ حسنِ سلوک کا برتاؤ کیا جائے۔ اسی طرح یرغمالی کے ساتھ بھی کوئی بدسلوکی نہ ہو، نہ املاک پر ناواجب قبضہ کیا جائے۔

دوسری جنگ ظلم کی جنگ ہوتی ہے جو کسی صالح اور نیک مقصد کے ماتحت نہیں لڑی جاتی۔ جو حکومت اسی جنگ میں حصہ لیتی ہے اس کے پیشِ نظر یہ ہوتا ہے کہ کسی دوسری حکومت کے کسی حصے پر قبضہ کر لے یا اسے محکوم بنا لے۔

انسانیت کے ابتدائی دور میں جو سب سے پہلی جنگ تسلیم کی گئی ہے وہ دو قوموں یا دو جماعتوں کی جنگ نہ تھی بلکہ دو بھائیوں کی جنگ تھی۔ یہ آدم علیہ السلام کے بیٹے ہابیل اور قابیل تھے۔ اس جنگ کی بنیاد بغض وحسد کے جذبات تھے۔ قرآن میں ہے۔

''تو اگر مجھے قتل کرنے کے لئے ہاتھ بڑھانا چاہتا ہے (تو بے شک ایسا کر دیکھ) لیکن میں تیرے قتل کے لئے ہاتھ نہیں بڑھاؤں گا کیونکہ میں خدائے پروردگارِ عالم سے ڈرتا ہوں۔'' (المائدہ)

یہ وہ زمانہ تھا کہ اب تک کسی نسلی یا جغرافی قومیت کی بنیاد نہ پڑی تھی اور نہ ہی کوئی مملکتی تصور

Marfat.com

معرضِ وجود میں آیا تھا۔ مگر حضرت مسیحؑ سے دو یا اڑھائی ہزار سال قبل دنیا کی بڑی بڑی اقوام کی نقل وحرکت اور مختلف قوموں کی باہمی آویزش کے بہت سے واقعات ملتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تاریخِ انسانی کا یہ دور معاشی کشمکش ذہنی انتشار، آوارہ گردی اور طوائف الملوکی کا عجیب دور تھا اور اس عہد کی قوموں کا انتہائی مطمحِ نظر کسی وسیع وعریض اور سرسبز وشاداب خطۂ اراضی کا حصول تھا۔ چنانچہ اسی دور میں کچھ آریائی اقوام وسط ایشیا سے نکل کر ہندوستان میں داخل ہوئیں اور قدیم باشندوں سے جو سلوک کیا وہ تاریخ کے اوراق میں آج بھی محفوظ ہے ——— جن جنگ جوانہ قوموں کا ذکر قرآنِ حکیم نے کیا ہے وہ امم سامیہ اولیٰ ہیں۔ ان میں ایک عادِ اولیٰ کے نام سے موسوم ہوئی ہے۔ حقیقت میں یہی دنیا کی پہلی عظیم الشان قوم ہے جو اس دور میں ممالکِ عرب، صحراء، افریقہ، عراق، مصر، سیریا، ایران، قرطاجنہ (کارتھیج)، کریٹ اور یونان پر حکمرانی کرتی نظر آتی ہے۔ اس قوم کا اصل مسکن ومولد اگرچہ عرب تھا۔ مگر عرب میں وسائلِ معیشت کی کمی کی وجہ سے یہ دلیر اور جنگ جو قوم عرب سے نکل کر انسانی آبادیوں کو روندتی ہوئی دنیا کے اکثر ممالک پر چھا گئی۔ ان اقوام کا دورِ عروج دو ہزار سال قبل مسیح سے شروع ہوتا ہے جبکہ یہ بابل، مصر اور دوسرے ایشیائی ممالک پر حملہ آور ہو کر عظیم الشان حکومتوں کی بنیاد ڈالتی ہیں۔ ابن خلدون کے مطابق

> ''ان اقوام میں بہت سے بادشاہ تھے اور جزیرہ عرب میں ان کی بڑی بڑی سلطنتیں تھیں اور ان کے چند قبائل کی وسعت مملکت مصر وشام تک پہنچ چکی تھی۔'' (۱)

عاد اولیٰ کی قوت وشوکت، جاہ وجلال، سیاستِ قاہرہ اور حملہ وہجوم کے ظالمانہ طریق کو قرآن میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

> ''آپ نے دیکھا نہیں عادِ ارم سے آپ کے رب نے کیا سلوک کیا جو بڑی بڑی عمارتوں والی تھی اور جس کی مثال ممالک وبلاد میں پیدا نہیں کی گئی۔'' (الفجر)

> ''لیکن عاد نے ناحق طور پر زمین میں تکبر کیا اور کہہ دیا کہ ہم سے بڑھ کر طاقتور کون ہے؟'' (حم۔السجدہ)

> ''اے عاد! تم ہر اونچی جگہ پر محض بے فائدہ یادگار اور عجیب وغریب مکان بناتے ہو کہ شائد تم ہمیشہ زندہ رہو گے اور جب تم کسی پر گرفت کرتے ہو تو جابر وقاہر بن کر گرفت

Marfat.com

کرتے ہو۔''

ان آیاتِ قرانی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ان اقوام کا اندازِ فکر کیا تھا اور دوسرے ممالک پر ان کی فوج کشی، حملہ وہجوم اور دیار و بلاد پر ان کے غلبہ واستیلاء کے مقاصد کیا تھے اور مفتوح اقوام سے ان کا سلوک کیسا تھا۔ عہد قدیم کا مورخ نانیٹو ان اقوام کے حملہ مصر کے سلسلے میں رقمطراز ہے۔

''خدا ہم سے خفا تھا۔ ایک عجیب طریقہ سے یہ شریر الخلقت
لوگ اطرافِ مشرق سے چلے آئے۔ وہ اس قدر بہادر تھے
کہ وہ ہمارے ملک میں گھس گئے، نہایت آسانی سے بزور
مسخر کر لیا، گو ان سے ہماری ایک قسمت آزما جنگ ہوئی
جب انہوں نے ہمارے سرداروں کو گرفتار کر لیا اور اپنی
طاقت سے ہم پر حکومت کی۔ انہوں نے ہمارے شہروں کو
جلا دیا، ہمارے دیوتاؤں کے ہیکلوں کو برباد کر دیا۔'' (۲)

اسی طرح قومِ ثمود اور سبا کے فتنہ وفسادات اور ان کی تباہ و بربادی کا ذکر قرآن میں ملتا ہے۔ سبا کے ایک طبقہ نے حبش میں باقاعدہ ایک حکومت قائم کر لی تھی۔ آگے چل کر سبا یمن اور سبا حبش میں سخت قبائلی اور نسلی رقابت شروع ہوگئی۔ ان دونوں میں مدتوں جنگ جاری رہی۔ مگر ایک عرصہ بعد سبا حبش نے عیسائیت قبول کر لی اور سبا یمن نے یہودی مذہب اختیار کر لیا۔ قدیم رقابت میں اس اضافہ کے نتیجہ میں ۴۰۰ء سے چھٹی صدی تک ان کا باہم لڑائیوں کا سلسلہ جاری رہا۔ ان کی جنگوں میں نسلی اور قبیلوی تعصب کے علاوہ مذہب کا غلط تصور بھی کارفرما تھا۔ چنانچہ زونواس (شاہِ یمن) نے نجران کے کچھ عیسائیوں کو آگ کے گڑھے میں دھکیل دیا تھا۔ نتیجتاً شاہِ حبش نے یمن پر فوج کشی کر کے زونواس کا خاتمہ کیا اور یمن پر اپنا اقتدار قائم کر لیا۔ یہاں بھی مذہبی تعصب نمایاں تھا کہ باشندگانِ اکسوم کو اس شرط پر رہائی دی کہ وہ سب عیسائی ہو جائیں۔ یمن کے عیسائی گورنر ابرہہ نے مذہبی تعصب کی ہی بناء پر حضور ﷺ کی ولادت سے چالیس دن قبل مکہ معظّمہ پر چڑھائی کی تھی ـــــ قرآنِ حکیم میں اصحاب الفیل کے نام سے اس حملہ کے ذکر کے علاوہ بنی اسرائیل پر تین حملوں کا بیان بھی موجود ہے۔ پہلا حملہ وہ ہے جبکہ عمالقہ نے بنی اسرائیل کا سیاسی اقتدار ختم کر دیا تھا اور ان کو ان کے وطن سے نکال دیا تھا۔ قرآن میں ہے۔

''ہمیں کیا ہوا کہ اللہ کی راہ میں نہ لڑیں گے، حالانکہ ہمارے
دشمن نے ہم کو گھر بار اور اولاد سے جدا کر دیا۔'' (بقرہ)

دوسرا حملہ بابل کے مطلق العنان بادشاہ بخت نصر کا ہے۔ جب کہ اس کی افواجِ قاہرہ نے یہود

Marfat.com

کے دینی مرکز یعنی بیت المقدس پر یلغار کی، یہود کا قتلِ عام کیا، شہر کو ویران کر دیا۔ یہاں تک کہ ان کے مقدس معاہد اور ہیکلِ سلیمانی کو برباد کر دیا اور قتلِ عام سے جو لوگ بچ گئے ان کو گرفتار کر کے بابل لے جایا گیا جہاں وہ مدتوں مقید رہے۔ تیسرا حملہ شہنشاہِ روم ٹیٹس نے ۷۰ء میں بیت المقدس پر کیا تھا اور یہ حملہ اتنا شدید اور فیصلہ کن تھا کہ اس نے یہود کی ہزار سالہ عظمتِ قومی کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا اور اس کے بعد وہ سیاسی لحاظ سے کبھی نہ اُٹھ سکے تھے۔ ان پر حملہ آور اقوام کے جارحانہ حملوں، سفاکیوں اور حربی کارناموں کا ذکر تاریخ کی کتابوں میں محفوظ ہے۔ ان کے مطالعہ سے واضح ہو جاتا ہے کہ ان جنگوں کے مقاصد محض قومی و نسلی برتری اور مذہب کی غلط پیروی رہے ہیں۔

جنگوں کے حوالے سے اس تاریخی پس منظر کے بعد رسولؐ اللہ کے اہم غزوات و سرایا کا مختصراً واقعاتی مطالعہ ضروری ہے تا کہ معلوم ہو سکے کہ رسول اللہ کے غزوات کن مقاصد کے تحت واقع ہوئے اور یہ دوسری اقوام کی جنگوں کے مقاصد سے کس طرح مختلف تھے، ان کی جنگی حکمتِ عملی کیا تھی، خارجہ پالیسی کے تحت ان غزوات و سرایا کے عالمگیر اثرات کیا نکلے، اور ان سے بین الاقوامی قوانینِ جنگ و صلح میں کس طرح اصلاح پیدا ہوئی؟

جب سے آنحضرتؐ نے مکہ میں تبلیغِ اسلام کا کام شروع کیا تھا قریش کی مخالفت کا آغاز ہو گیا تھا۔ اس مخالفت میں قریشِ مکہ نے اسلام قبول کرنے والوں پر مختلف طرح سے ظلم ڈھائے اور مٹھی بھر مسلمانوں کے خاتمہ کی ہر ممکن کوششیں کیں۔ حتیٰ کہ رسولؐ اللہ کو قتل تک کر دینے کا منصوبہ بنایا گیا۔ لیکن ناکامیاں ان کا مقدر تھیں۔ قریش کی مخالفت میں سیاسی رنگ اہلِ مدینہ کی بیعتِ عقبہ ثانی کے بعد پیدا ہوا۔ قریشِ مکہ کے لئے یہ بات ناقابلِ برداشت تھی کہ اہل مدینہ رسولؐ اللہ کو عزت بخشیں اور مکہ میں ان کے زیر دست رہنے والے مفلوک الحال لوگوں کو ان کی مرضی کے خلاف مدینہ میں پناہ ملے اور ان ہی کے خلاف صف آراء ہوں۔

حضورؐ کے مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچتے ہی ابوسفیان اور ابی بن خلف الجمحی کی طرف سے انصار کو یہ خط لکھا گیا کہ

> ''امابعد ہمارے لئے اس سے زیادہ ناپسندیدہ بات اور کوئی نہیں ہے، کہ قبائل عرب میں سے کسی قبیلہ اور ہمارے درمیان محض تمہاری وجہ سے عداوت کی آگ بھڑک اُٹھے۔ تم نے جان بوجھ کر ہمارے آدمی کو رکھا ہے۔ جو ہمارے درمیان نہایت معزز اور ہماری قوم میں ذی حیثیت و منصب

Marfat.com

تھا۔تم نے اس کو اپنے یہاں ٹھکانہ مہیا کیا اور اس کی حمایت و حفاظت کا بیڑا اُٹھایا۔ بلاشبہ یہ بات خود تمہارے لئے باعثِ ذلت ہے۔اس لئے تم ہمارے اور اس کے درمیان سے ہٹ جاؤ۔ پس اگر وہ ٹھیک رہتا ہے تو ہم اس سے بہتر طریقے سے پیش آئیں گے اور اگر اس کے علاوہ دوسرا طرزِ عمل دکھایا تو پھر ہم ہی اس کے ولی ہونے کا زیادہ حق رکھتے ہیں اور اس کے ساتھ جو چاہیں کریں۔'' (۳)

اہلِ یثرب نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو محض ایک پناہ گزین کی حیثیت سے نہیں بلکہ خدا کے نائب اور اپنے امام فرمانروا کی حیثیت سے بلایا تھا۔آپؐ کے نزدیک بھی محض پناہ کی غرض سے یثرب میں قیام کرنا نہ تھا بلکہ مسلمانوں کی منتشر قوت کو یہاں جمع کر کے ایک منظّم معاشرہ کی تشکیل کرنا تھا۔ چنانچہ اوس و خزرج کی اکثریت کے مسلمان ہو جانے اور رسول اللہؐ کی سیاسی تدبیر سے قریش کی خط لکھنے کی سیاسی چال کارگر نہ ہو سکی۔ جنگ بدر سے کچھ پہلے انہوں نے عبداللہ بن ابی (جو کہ ہجرتِ مدینہ سے پہلے اوس وخزرج کا سردار بننے کے خواب دیکھ رہا تھا) کو لکھ بھیجا کہ

''تم نے ہمارے آدمی کو اپنے ہاں پناہ دے رکھی ہے۔ ہم اللہ کی قسم کھا کر تم سے کہتے ہیں کہ یا لوگ اس کو قتل کر ڈالیں یا اپنے شہر سے باہر نکال کریں۔ ورنہ ہم سب مل کر تم پر چڑھ دوڑیں گے۔ یہاں تک کہ تمہیں بری طرح موت کے گھاٹ اتار دیں گے اور تمہاری عورتوں کو اپنے لئے مباح سمجھیں گے۔'' (۴)

عبداللہ بن ابی اس پر کچھ آمادۂ شر ہوا مگر نبیؐ نے بروقت اس کے شر کی روک تھام کر دی۔قریشِ مکہ نے ایک طرف تو ریاستِ مدینہ کے خلاف سیاسی و سفارتی سطح پر ایک محاذ قائم کر دیا تھا تو دوسری طرف انہیں تاخت و تاراج کرنے اور اپنی قوت اور وسائل کا مسلمانوں پر سکہ جمانے کے لئے ہجرت کے فوراً بعد عملی کارروائیوں کا سلسلہ بھی شروع کر دیا تھا۔اس غرض کے لئے چھوٹے چھوٹے مسلح دستے مدینہ بھیجنا شروع کر دیئے تھے حتیٰ کہ ربیع الاول ۲ھ میں کرز بن جابر الفہری کی قیادت میں قریشِ مکہ کا ایک دستہ مدینہ کی چراگاہ پر حملہ آور ہوا چراگاہ کو لوٹا اور اس کے مویشی ہنکا لے گئے۔'' (۵)

ان حالات میں نوزائیدہ اسلامی ریاست مدینہ کو سلامتی اور خودمختاری کے خطرات میں مزید

Marfat.com

اضافہ ہوتا چلا گیا اور ہر وقت یہ خدشہ رہتا کہ قریش کسی بھی وقت مدینہ پر حملہ آور ہو سکتے ہیں۔ رسول اللہ ان خدشات سے پوری طرح باخبر تھے اور جانتے تھے کہ جنگ کی تیاری میدانِ جنگ سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ جس میں ریاست کا اندرونی استحکام، عوام کی اخلاقی تربیت، ہمسایہ ممالک سے دوستانہ تعلقات، نوعیتِ جنگ کا صحیح اندازہ اور اس کے لئے صحیح تربیت، مادی وسائل کی فراہمی، تیاریٔ اسلحہ، منصوبۂ جنگ کی سادگی، صحیح اشخاص کا انتخاب اور حکمتِ عملی اور تدبر جیسے اصولوں کی طرف توجہ دینا ضروری ہوتا ہے۔ حضورؐ نے ان تمام اصولوں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے مدینہ پہنچ کر سب سے پہلے ایک شہری مملکت کی بنیاد قائم کر کے اسے مستحکم کیا۔ بے سروسامان اور بے خانماں مہاجرین کا مسئلہ اس مملکت کے لئے بہت نازک صورت اختیار کر سکتا تھا لیکن مواخاۃ کے عمل کے ذریعے آپؐ نے مہاجرین و انصار کے بھائی چارے کی فضا قائم کر کے اسے نہایت خوش اسلوبی سے سلجھایا۔ اس عمل کی بدولت نہ صرف ایک اہم اقتصادی مسئلہ حل ہو گیا بلکہ مہاجرین و انصار میں محبت و یگانگت اور ہم آہنگی بھی پیدا ہو گئی۔ اس کے ساتھ ہی آپؐ نے اپنے پیروؤں کے حقوق و فرائض کو ضبطِ تحریر میں لا کر ایک دستاویز کی شکل دی اور مدینے کے یہودی قبائل سے حربی اور سیاسی معاہدات کئے جن کی رو سے مدینہ پر حملے کی صورت میں وہ آپؐ کی مدد کے پابند تھے۔

اس حربی اور سیاسی حلیفی کو آپؐ نے مدینے کے گردونواح کے ان قبائل تک پھیلا کر اپنی دفاعی حیثیت کو مزید مضبوط بنا لیا جو شام کی طرف جانے والے قریشی تجارتی کاروانوں کی گزرگاہ پر آباد تھے۔ ان میں بنوضمرہ، بنومدلج اور جہنیہ کے قبائل شامل تھے۔ جنہوں نے اسلام قبول نہ کرنے کے باوجود اس بات پر آمادگی ظاہر کر دی کہ اگر کوئی مدینہ پر حملہ آور ہوا تو یہ مسلمانوں کو مدد دیں گے اور اگر ان کے علاقوں پر کسی نے چڑھائی کی تو مسلمان ان کی مدد کریں گے۔ اس علاقے کی آبادیوں کو سیاسی اعتبار سے اپنے ساتھ ملا کر رسول اللہ نے ایک بہت بڑا کارنامہ انجام دیا تھا۔ ڈاکٹر حمید اللہ کے الفاظ میں

> ''یہ وہی علاقہ ہے جہاں سے کاروانی قافلے گزرا کرتے
> تھے اور مکہ والے شام، مصر یا عراق جانا چاہتے تھے تو اسی
> راستے سے گزرتے تھے۔ اس راستہ کی بندش قریش پر
> معاشی دباؤ ڈالنے میں اتنی مؤثر ثابت ہوئی کہ بدر کی
> شکست فاش بھی اتنا بے بس نہ کر سکی۔''(٦)

آنحضرتؐ نے ریاستِ مدینہ کی سرحدات کی نگرانی اور ملحقہ علاقوں میں دشمن کی نقل و حرکت کی دیکھ بھال کے لئے طلایہ گردی کے طور پر مہمات بھیجنا شروع کیں۔ بعض مہمات کے ساتھ آپؐ خود بھی

Marfat.com

تشریف لے گئے۔ پہلے سال چار مہمات روانہ کی گئیں۔ جو سریۂ حمزہؓ، سریۂ عبیدہ بن حارثؓ، سریۂ سعد بن ابی وقاصؓ اور غزوۃ الابواء کے نام سے موسوم ہیں۔(۷)

دوسرے سال ابتدائی مہینوں میں دو مزید تاختیں اسی جانب کی گئیں جن کو غزوۂ بواط اور غزوۂ ذوالعشیرہ کا نام دیا گیا۔ ان مہمات کا مقصد محض قریش کی نقل وحرکت پر نظر رکھنا تھا اور ان کو خبردار کرنا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ یہ مہمات پرامن رہیں۔ البتہ رجب ۲ھ میں حضرت عبداللہ بن جحش کی سرکردگی میں ایک مہم مقامِ نخلہ کی جانب قریش کی سرگرمیوں پر کڑی نظر رکھنے اور اس کی اطلاع فوری طور پر رسولؐ اللہ کو پہنچانے کی غرض سے روانہ کی گئی۔ جیسا حضور ﷺ کی ہدایت نامہ کی عبارت سے ظاہر ہے جو آپ ﷺ نے عبداللہ بن جحش کو دیا تھا کہ

> ''جب تم میرے مکتوب کو پڑھو تو چلتے جانا یہاں تک کہ مکہ اور طائف کے درمیان وادی نخلہ میں ٹھہرنا اور قریش کے قافلے پر گھات لگا کر بیٹھنا اور ان کے حالات سے ہمیں باخبر رکھنا۔''(۸)

لیکن یہ مہم پرامن نہ رہی بلکہ نخلہ سے گزرنے والے قافلے سے جھڑپ میں مسلمانوں نے عمرو بن حضرمی کو مار ڈالا اور عثمان بن عبداللہ اور الحکم بن کیسان کو گرفتار کر لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کے ماہ حرام میں اس مقاتلہ سے بے زاری کا اظہار فرمایا اور مالِ غنیمت میں حصہ لینے سے انکار کر دیا اور بعد میں فدیہ لے کر دونوں قیدیوں کو بھی رہا کر دیا۔(۹) سریہ نخلہ میں جو لوگ گرفتار اور واصلِ جہنم ہوئے وہ ابنائے امیہ تھے۔ عمرو بن حضرمی عبداللہ حضرمی کا بیٹا تھا جو حرب بن امیہ (امیر معاویہؓ کے دادا) کا حلیف تھا۔ حرب قریش کا رئیسِ اعظم تھا اور عبدالمطلب کے بعد اسے ریاستِ عام حاصل ہوئی تھی۔ گرفتار شدہ گان میں عثمان و نوفل مغیرہ کے پوتے تھے۔ مغیرہ ولید کا باپ اور خالدؓ کا دادا تھا۔ حرب کے بعد دوسرے درجے کا رئیس تسلیم کیا جاتا تھا۔ اہلِ مکہ نے اس واقعہ کو اپنی توہین خیال کیا اور اس طرح انتقام خون کی بنیاد قائم ہوگئی۔

شعبان ۲ ہجری (فروری یا مارچ ۶۲۳ء) میں قریش کا ایک بہت بڑا قافلہ جس کے ساتھ تقریباً ۵۰ ہزار اشرفی کا مال تھا، شام سے مکہ پلٹتے ہوئے اس علاقے میں پہنچا جو مدینے کی زد میں تھا۔ چونکہ سابقہ حالات کی بناء پر خطرہ قوی تھا کہ کہیں مسلمانوں کا کوئی طاقت ور دستہ اس پر چھاپہ نہ مار دے، سردارِ قافلہ ابوسفیان نے اس پُرخطر علاقے میں پہنچتے ہی ضمضم بن عمرو الغفاری کو مکے کی طرف دوڑایا تاکہ وہاں سے مدد لے آئے۔ اس نے مکہ پہنچتے ہی عرب کے قدیم قاعدے کے مطابق اپنے اونٹ کے کان

Marfat.com

کاٹے ،اس کی ناک چیر دی، کجاوے کوالٹ کر رکھ دیا اور اپنا قمیض آگے پیچھے سے پھاڑ کر شور مچانا شروع کر دیا۔

''قریش والو! اپنے قافلۂ تجارت کی خبر لو تمھارے مال جو ابوسفیان کے ساتھ ہیں محمد ﷺ اپنے آدمی لے کر ان کے درپے ہو گیا ہے۔ مجھے امید نہیں کہ تم اس کو پا سکو گے۔ دوڑو، دوڑو مدد کے لئے۔''

چنانچہ قریش نشۂ طاقت میں چُور تقریباً ایک ہزار کا لشکر لے کر رمضان ۲ھ میں مدینہ کو تاخت و تاراج کرنے کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ ان کے پیشِ نظر صرف یہ ہی کام نہیں تھا کہ اپنے قافلے کو بچائیں، بلکہ وہ اس ارادے سے نکلے تھے کہ آئے دن خطرے کو ہمیشہ کیلئے ختم کر دیں، اور مدینے میں یہ مخالف طاقت جو ابھی نئی نئی مجتمع ہونی شروع ہوئی ہے، اسے کچل ڈالیں، اور اس نوع کے قبائل کو اس حد تک مرعوب کر دیں کہ آئندہ کیلئے یہ تجارتی راستہ بالکل محفوظ ہو جائے۔ (۱۰) اس کی دلیل یہ ہے کہ جب ابوسفیان اپنے قافلے کو بحفاظت نکال کر لے گیا تو اس نے قریش کو کہلا بھیجا کہ وہ لوٹ آئیں۔ اس وقت قریش جحفہ کے مقام پر تھے۔ عمائدینِ قریش نے ابوسفیان کے مشورے پر عمل کرنے کیلئے آمادگی کا اظہار کیا لیکن ابوجہل نے کہا کہ

''اللہ کی قسم ہم واپس نہ جائیں گے۔ تین روز قیام کریں گے، کاٹنے کے قابل جانور کاٹیں گے، اور کھانا کھلائیں گے، شراب پلائیں گے، گانے والیاں ہمارے سامنے گائیں گی، عرب میں ہماری شہرت کے ڈنکے بجیں گے، ہمارے جانے اور اکٹھے ہونے کی خبر پھیلے گی، پھر ہمارا رعب داب ان پر چھا جائے گا، اس لئے چلنا چاہیے۔''(۱۱)

رسول اللہ ﷺ کو بھی لشکرِ قریش کی اطلاع مل چکی تھی۔ چنانچہ آپ ﷺ ۳۱۴ مہاجرین و انصار پر مشتمل ایک جماعت لے کر مدینہ سے روانہ ہوئے۔ (۱۲) دونوں لشکر بدر کے مقام پر آمنے سامنے آ گئے۔ جنگ کا آغاز انفرادی مقابلوں سے ہوا۔ لیکن قریش نے عتبہ، شیبہ اور ولید بن عتبہ کو قتل ہوتے دیکھ کر جنگ مغلوبہ شروع کر دی۔ بالآخر فتح مسلمانوں کو نصیب ہوئی۔ قریش کے ستر (۷۰) آدمی قتل اور اتنے ہی قید ہوئے جبکہ مسلمان شہدا کی تعداد چودہ تھی۔ (۱۳) جنگ بدر ریاستِ نبوی اور قریش کے

Marfat.com

درمیان آئندہ جنگوں کا مقدمہ بن گئی۔اور نتائج کے لحاظ سے فریقین کیلئے انتہائی اہم ثابت ہوئی۔ بدر میں قریش اپنے آبائی مذہب، قدیم رسم ورواج، اپنی قیادت اور معاشی مفاد کے بچاؤ کیلئے اُترے تھے لیکن حضورﷺ کے نزدیک اسلام کے پھیلاؤ کا اعلیٰ وارفع مقصد تھا جو جاہلیت کے خاتمہ کیلئے آیا تھا۔یہی وجہ ہے کہ حسب ونسب، رنگ ونسل اور قوم ووطن کی یکسانیت کے باوجود ''بدر'' میں فرق صرف ایمان کا تھا۔اسی لئے حضرت ابوبکرؓ اپنے بیٹے، حضرت حذیفہؓ اپنے باپ عتبہ، حضرت عمرؓ ایک طرف کیمپ میں اور آپﷺ کے حقیقی چچا عباس اور داماد ابوالعاص دشمن کے دوسرے کیمپ میں موجود تھے۔ایمانی قوت کے فرق نے ہی مسلمانوں کو فتح دی۔قرآن میں آیا ہے کہ

''بلاشبہ جنگِ بدر میں اللہ نے تمھاری مدد فرمائی اور اس
وقت تم کمزور بے سہارا تھے''۔(آل عمران:۱۲۳)

اس جنگ میں قریشِ مکہ کی طاقت کو خاصا نقصان پہنچا۔ان کے ستر آدمی مارے گئے۔ان میں شیبہ، عتبہ، ابوجہل، ابوالبختری، زمعہ بن الاسود، عاص بن ہاشم، امیہ بن خلف، اور منبہ بن الحجاج شامل تھے جو اسلام دشمنی میں سب سے آگے تھے اور اہلِ مکہ کے یہاں ان کا اثر ورسوخ، فراست وتدبر، بصیرت واہلیت اور جنگی قابلیت معروف تھی۔خود حضورﷺ نے فرمایا تھا کہ

''یہ مکہ ہے جس نے اپنے جگر پاروں کو سامنے ڈال دیا
ہے۔''

اس کے علاوہ جو قریش کے ستر قیدی ہوئے تھے ان کی رہائی کیلئے اڑھائی لاکھ درہم سے زائد کی رقم ادا کرنا پڑی۔اس مالی بوجھ نے بھی ان کی طاقت کو مضمحل کر دیا۔جب کہ وہ بدر میں اپنے تجارتی قافلوں کی ناکہ بندی کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے معاشی خطرات کا خاتمہ کرنے کیلئے مسلمانوں سے برسرِ پیکار ہوئے تھے۔درحقیقت ابوسفیان کے تجارتی قافلے کو روکنے کی پالیسی رسول اللہﷺ نے اس لئے بھی اختیار کی تھی کہ ان کو یہ اطلاع مل چکی تھی کہ تجارتی سفر کے نتیجہ میں حاصل ہونے والی منافع کی رقم سے قریش جنگی ہتھیار حاصل کرنے کا منصوبہ بنا چکے ہیں جو مسلمانوں کے ہی خلاف استعمال ہونے تھے ـــــ اقتصادی لحاظ سے ریاستِ نبویﷺ کو جنگ بدر سے اس طرح فائدہ پہنچا کہ مالِ غنیمت اور فدیہ کی اڑھائی لاکھ کی رقم اس کے حصہ میں آئی جس سے مسلمانوں کی معاشی حالت کو کچھ سنبھالا دینے میں مدد ملی۔جنگِ بدر میں قریش کی تین گناہ بڑی طاقت کی واضح شکست کے بعد مسلمان ایک قوت بن کر ابھرے اور اسلامی ریاست کی حیثیت مسلمہ بن گئی۔اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن میں فرمایا گیا ہے۔

Marfat.com

''یاد کرو وہ وقت جب کہ تم تھوڑے تھے، زمین میں تم کو
ناتواں سمجھا جاتا تھا تم ڈرے رہتے تھے، کہیں لوگ تمہیں
اچک نہ لے جائیں۔ پھر اللہ نے تم کو جائے پناہ مہیا کی اور
اپنی مدد سے تمھارے ہاتھ مضبوط کئے۔'' (الانفال:۲۱)

نتیجتاً مدینہ کے اندر اور باہر قبائل پر اسلامی ریاست کا رعب و دبدبہ قائم ہو گیا اور بعض قبائل رسول اللہ ﷺ کی امداد پر آمادہ ہو گئے۔ مثلاً جنگِ اُحد کیلئے قریش نے پیش قدمی کی تو قبیلہ خزاعہ نے رسول اللہ ﷺ تک اطلاعات بہم پہنچائیں۔ لیکن یہودی قبیلہ بنوقینقاع نے معاہدہ مدینہ کے تحت رسول اللہ ﷺ کی امداد کا پابند ہونے کے باوجود جنگِ بدر کے موقع پر نہ صرف غیر جانبدار رہنے کا اعلان کیا بلکہ اس سے قبل بھی وہ رسول اللہ ﷺ کے خلاف سازشوں میں شریک رہے۔ آخر کار حضور ﷺ نے اس فتنہ کے تدراک کیلئے اقدامات کئے اور یہودِ بنوقینقاع کو مدینہ چھوڑنا پڑا۔

سیاسی لحاظ سے جنگ بدر کی اہمیت اس لئے بھی مسلمہ ہے کہ اس میں بعض قوانینِ جنگ کی اصلاح ہوئی جو مالِ غنیمت اور جنگی قیدیوں کے متعلق تھے۔ زمانۂ جاہلیت سے مالِ غنیمت کی تقسیم کے بارے میں یہ طریقہ چلا آرہا تھا کہ جو جس کے ہاتھ آیا وہ اس کا ہوتا یا پھر بادشاہ یا سپہ سالار تمام غنائم پر قابض ہو جاتا۔ پہلی صورت میں اکثر ایسا ہوتا تھا کہ فتح یاب فوجوں کے درمیان اموالِ غنیمت پر سخت تنافس برپا ہو جاتا اور بسا اوقات ان کی خانہ جنگی فتح کو شکست میں تبدیل کر دیتی۔ دوسری صورت میں سپاہیوں کو چوری کا عارضہ لگ جاتا تھا اور وہ غنائم کو چھپانے کی کوشش کرتے تھے۔ لیکن یہاں قرآن نے

''الأنفال للّٰہ والرسول'' (انفال تو اللہ اور اس کے رسول کے لئے)

کہہ کر اموالِ غنائم کو اللہ اور اس کے رسولؐ کا قرار دیا اور یہ قاعدہ مقرر کر دیا کہ اس میں تصرف کرنا اور اسے تقسیم کرنا اسلامی حکومت کا کام ہے۔ اور پھر مال کی تقسیم کا یہ قانون بنا دیا کہ پانچواں حصہ خدا کے کام اور اس کے غریب بندوں کی مدد کیلئے بیت المال میں رکھ لیا جائے اور باقی چار حصے اس پوری فوج میں تقسیم کر دیئے جائیں جو لڑائی میں شریک ہوئی ہو۔ (۱۴)

دورِ جاہلیت میں جنگی قیدیوں کو رسول اللہ ﷺ نے ایک نیا مرتبہ دے کر اسیرانِ جنگ سے متعلق قوانین میں انقلابی تبدیلیاں فرمائیں۔ آپ ﷺ کی طرف سے قیدیوں سے بہتر سلوک کی واضح ہدایات دی گئی تھیں۔ قیدیوں میں سہیل بن عمرو بھی تھا جو اپنا زورِ فصاحت حضور ﷺ کے خلاف تقاریر کرنے میں صرف کرتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے مشورہ دیا کہ اس کے سامنے کے دانت اکھڑوا دیئے جائیں تا کہ آئندہ یہ جوشِ خطابت نہ دکھا سکے۔ لیکن حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں اس کے کسی حصہ بدن

Marfat.com

کو بگاڑوں تو میرے نبی ہونے کے باوجود خدا اس کو سزا کے طور پر میرے بھی اسی حصہ کو بگاڑے گا۔ خود ایک بدوی قیدی ابوعزیز (مصعب بن عمیر کے بھائی) کا بیان ہے کہ

''جن انصاریوں کے ہاں مجھے رکھا گیا تھا وہ خود کھجوروں پر گزارا کرتے تھے اور مجھے اچھا کھانا لا کر دیتے، اس سلوک کی وجہ سے سخت شرمسار ہوتا۔''

اس کے علاوہ فاتح طاقت بالعموم جشنِ مسرت منایا کرتی ہے۔ جبکہ رسول اللہ اور ان کی فوج مدینہ میں فاتح ہونے کے باوجود امن مارچ کرتے ہوئے دلوں میں اللہ کا ذکر کرتے ہوئے داخل ہوئی۔ غرض بدر میں مسلمانوں کی فتح نے دوررس اثرات مرتب کئے، ان کا استحصال رک گیا اور بقول ایک مغربی محقق کے

''بدر سے پہلے اسلام محض مذہب اور ریاست تھا مگر بدر کے بعد وہ مذہبِ ریاست بلکہ خود ریاست بن گیا۔''

معاہدۂ مدینہ کی رو سے یہودیوں پر لازم تھا کہ وہ جنگ کی صورت میں مسلمانوں کا ساتھ دیں۔ لیکن غزوۂ بدر میں یہودیوں نے مسلمانوں کا ساتھ نہ دیا تھا شائد اس کی وجہ یہ ہو کہ وہ مدینہ سے باہر لڑی جانے والی جنگوں میں مسلمانوں کی اعانت کے پابند نہ تھے۔ اس چیز کو مدِنظر رکھتے ہوئے آپ ﷺ نے ان سے حمایت کا مطالبہ نہ کیا تھا اور اس خیال سے کہ یہود اسلام قبول کرلیں گے ان کو تبلیغ فرماتے رہے۔ لیکن یہود نے اپنے رویے میں تبدیلی پیدا نہ کی۔ اسی اثنا میں یہودی سنار نے انصار کی ایک خاتون کی بے عزتی کی جس پر اُسے ایک راہ گیر مسلمان نے واصل جہنم کر دیا۔ بازار یہودیوں کا تھا انہوں نے مل کر اس مسلمان کو بھی مار ڈالا۔ اس واقعہ پر حضور ﷺ نے یہودیوں کو تنبیہ کی لیکن انہوں نے معاہدۂ مدینہ کی روگردانی کرتے ہوئے کہا!

''اے محمد تم سمجھتے ہو کہ ہم بھی تمھاری قوم کی طرح ہیں۔ تم اس دھوکے میں نہ رہنا تم نے ایسے لوگوں سے مقابلہ کیا ہے جنہیں جنگ سے متعلق کچھ معلوم نہ تھا۔ اس لئے ان کو شکست دے لی۔ ہماری حالت یہ ہے کہ واللہ! اگر ہم تم سے جنگ کریں تو تمھیں معلوم ہو گا کہ ہم خاص قسم کے لوگ ہیں۔'' (۱۵)

بنوقینقاع کی طرف سے یہ واضح اعلانِ جنگ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے نصف شوال ۲ ہجری کو بنو

Marfat.com

قینقاع کا محاصرہ کرلیا، جو پندرہ روز تک جاری رہا۔ بالآخر انہیں مدینہ سے جلاوطن کر دیا گیا۔ بنوقینقاع جو کہ یہودیوں میں سب سے زیادہ بہادر مشہور تھے کے اخراج سے ان کی کمزوری کھل کر سامنے آگئی۔ پھر اس کارروائی سے ریاستِ مدینہ کو پُرامن بنانے میں بھی مدد ملی کیونکہ یہود مسلسل سازشوں میں ملوث چلے آرہے تھے۔ یہودِ مدینہ کا عالم یہ تھا کہ جنگ بدر میں مسلمانوں کی فتح اور انصار نے انہیں وقفِ اضطراب کر دیا تھا، اشتعال، برہمی اور کینہ نے ان کی حالت غیر کر دی تھی۔ یہ لوگ مسلمانوں کی تباہی و بربادی کے دل سے خواستگاہ اور متمنی تھے۔ یہ ان کے خلاف جاسوسی کیا کرتے تھے اور ان کے دشمنوں کو بھڑکایا کرتے تھے کہ ان سے لڑیں اور ان کا خاتمہ کر دیں۔ ان حالات میں بدر کی فتحِ مبین کے بعد یہود کا مدینہ میں رہنا ایک مستقل خطرہ تھا اور سر پر لٹکتی ہوئی تلوار کو ہٹانا بے حد ضروری تھا تا کہ مدینہ صحیح معنوں میں اسلام کا پُر امن اور مستحکم مرکز بن سکے اور مستقبل کی عسکری نقل و حرکت کیلئے مسلمان فوجیں اسے اپنا مرکز بنا سکیں اور دعوتِ نشر و اشاعت کے اعتبار سے بھی مدینہ کو مرکزی حیثیت حاصل ہو جائے۔ بنوقینقاع کی جلاوطنی کے بعد مسلمان کسی حد تک داخلی طور پر بدترین دشمنوں کے خطرے سے محفوظ ہو گئے اور مدینہ کو اپنے لئے ایک پُر امن اور محفوظ مرکز بنا لیا۔ (۱۶) حضورﷺ یہاں چاہتے تو بنوقینقاع کے ساتھ سخت برتاؤ بھی کر سکتے تھے جیسا کہ داؤد علیہ السلام نے ''Ammonities'' کے ساتھ کیا تھا کہ ان کو اینٹوں کی بھٹی میں بھون دیا تھا لیکن حضورﷺ نے رحمۃ للعالمین کا ثبوت دیتے ہوئے ایسا فیصلہ نہ دیا۔

جنگِ بدر کے بعد قریش خاموش ہو کر نہیں بیٹھ گئے تھے بلکہ وہ اپنے جذبۂ انتقام کے تحت ایک اور فیصلہ کن معرکے کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے تھے کیونکہ تاریخ کا اصول ہے کہ مذہبی، سیاسی یا معاشی اقتدار جس کسی کو حاصل ہوتا ہے وہ اسے بچانے کیلئے آخری بازی تک کھیلتا ہے۔ قریش کے جاہلی اقتدار کو اگرچہ بدر میں ہی ضرب لگ چکی تھی لیکن قبائلی عصبیتوں نے قریش کے حق میں یہ کام کیا کہ جنگِ بدر کے بعد وہ تمام قوتیں رسول اللہﷺ کے خلاف کھل کر سامنے آگئیں جو اسلام کو اپنے لئے خطرہ تصور کر رہی تھیں۔ چنانچہ بنی سلیم اور بنی غطفان کے کچھ لوگوں نے جنگی ارادے سے قوت اکٹھی کی جسے حضورﷺ نے اپنی دفاعی ذمہ داریوں کو پورا کرتے ہوئے ختم کیا۔ آپﷺ تمام متوقع صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے منصوبہ بندی کر چکے تھے۔ چنانچہ جب معرکۂ بدر کے دو ماہ بعد ابوسفیان دوسو آدمیوں کے ہمراہ جنگی ساز باز کے سلسلے میں مدینہ کے علاقہ میں آیا اور واپسی پر مقامِ عریض میں چراگاہ کو تباہ اور ایک انصار کو قتل کیا تو حضورﷺ نے اس کا قرقرۃ الکدر کے مقام تک تعاقب کیا۔ اس مہم کو غزوہ سویق کا نام دیا گیا کیونکہ بھاگتے ہوئے غارت گر ستوؤں کے تھیلے چھوڑ گئے تھے جو اسلامی دستہ کے قبضہ میں آئے۔ پھر آپﷺ نے نجد کی جغرافیائی اہمیت کے پیش نظر وہاں ایک ماہ تک قیام فرمایا تا کہ علاقہ میں حلیفانہ

Marfat.com

تعلقات کو بڑھایا جاسکے۔ مکہ کے تجارتی قافلے بدر اور ساحل کا راستہ ترک کرتے ہوئے نجد اور عراق سے گزر کر شام جانے لگے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے اس راستہ میں بھی رکاوٹ پیدا کرنے کا انتظام کیا۔ ۳ھ میں ابوسفیان بن حرب کی قیادت میں جانے والے قریشی قافلے کی اطلاع حضور ﷺ کو ملی تو آپ ﷺ نے زیدؓ بن حارث کو ایک سو افراد کی قیادت میں روانہ کیا۔ زیدؓ نے نجد کے چشموں میں سے القردہ نامی ایک چشمے پر قافلے کو جالیا۔ ایک لاکھ درہم کی چاندی قافلہ سے چھین لی گئی۔ رسول اللہ ﷺ کے اس اقدام سے قریش کی جنگی تیاریوں میں رکاوٹ ضرور پیدا ہوئی ہوگی کیونکہ وہ اپنی تجارت کا تمام منافع انتقامی جنگ کیلئے جمع کر رہے تھے۔ اس طرح نجد کا راستہ بھی بند ہونے کے باعث قریش کی تجارت کو نقصان ہونے لگا اور معاشی بحران میں مبتلا ہوگئے۔ بہرحال واقعات کا یہ تسلسل جنگِ اُحد پر منتج ہوا۔

قریش نے احابیش اور مختلف قبائل کو ساتھ ملایا اور ابوسفیان کی قیادت میں تین ہزار کا لشکر مدینہ کی طرف روانہ ہوا۔ قریش نے اپنے ساتھ بعض عورتوں کو بھی لیا تاکہ وہ ان کا حوصلہ بڑھاتے رہیں۔ ان میں ہند بنت عتبہ، عمیر بنت علقمہ، ریطہ اور خناس وغیرہ شامل تھیں۔ رسول اللہ ﷺ کو حضرت عباس نے اپنے ایک قاصد کے ذریعے قریش کی ان تیاریوں کی اطلاع پہنچا دی تھی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے مشاورت کے بعد مدینہ شہر سے باہر مدافعت کرنے کا فیصلہ کیا۔ حضور ﷺ ایک ہزار لشکر کے ساتھ مقابلے کیلئے روانہ ہوئے۔ اس موقع پر رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے مقام شخط پر پہنچ کر یہ بہانہ کیا تم لوگوں نے جنگ کے بارے میں میرے مشورہ کو قبول نہ کیا اس لئے میں تمھارے ساتھ جانے اور جنگ میں شریک ہونے سے معذور ہوں۔ (۱۷) یہ کہہ کر وہ اپنے تین سو ساتھیوں سمیت الگ ہوگیا اور اسلامی فوج صرف سات سو رہ گئی۔ بالآخر اُحد کے مقام پر معرکہ ہوا۔ شروع میں مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا۔ لیکن حضور ﷺ کی واضح ہدایات کے برعکس جب مسلمان تیرانداز پہاڑی سے نیچے اتر کر مالِ غنیمت سمیٹنے لگے تو قریش کی فوج نے گھیرے میں لے کر اسلامی فوج کو خاصا جانی نقصان پہنچایا۔ اس دوران دشمنوں نے آپ ﷺ پر سنگ باری کی جس سے آپ ﷺ کا ایک دانت شہید ہوگیا، چہرے اور ہونٹوں پر زخم آئے اور آپ ﷺ ایک پہلو پر گر پڑے۔ اس موقع پر بھی آپ ﷺ نے اپنے دشمنوں کو کوئی بددعا نہ دی بلکہ فرمایا

''اے خدا میری قوم کو بخش دے وہ نہیں جانتے۔''

دوسری طرف قریش کی ہند اور دیگر عورتوں نے مسلمان شہدا کے ناک کان کاٹ کر ان کے ہار اور پازیب وغیرہ بنائیں۔ ہند نے خود یہ ہار پہنے اور اپنے ہار، بندے اور آویزے اتار کر وحشی کو دے دیئے جس نے حمزہؓ کو شہید کیا تھا۔ ہند نے حمزہؓ کا پیٹ چاک کر کے ان کا کلیجہ بھی چبانا چاہا پھر اونچی چٹان پر چڑھ گئی اور بلند آواز سے شعر پڑھے۔

Marfat.com

''آج ہم نے جنگِ بدر کا بدلہ اتار دیا۔ پہلی لڑائی کے بعد
دوسری لڑائی ہوتی ہے تو وہ زیادہ جوشیلی اور شعلہ بار ہوتی
ہے۔''

جنگِ اُحد میں مسلمانوں کے زیادہ جانی نقصان کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے ایسے جنگی اقدامات کئے کہ قریش واضح فتح حاصل نہ کر سکے تھے۔ شائد اسی لئے ابوسفیان میدان اُحد سے جاتے ہوئے یہ کہہ گیا تھا کہ

''اگلے سال پھر ہمارا مقابلہ بدر میں ہوگا۔''

یہ آنحضرت ﷺ کی بے مثال اور یکتا فوجی قیادت کا کرشمہ تھا کہ انتہائی نازک اور سنگین حالت میں بھی آپ ﷺ نے مسلمانوں پر اپنا تسلط اور اقتدار و اختیار پورے طور پر قائم رکھا۔ آپ ﷺ گھرے ہوئے مسلمانوں کی، کفار کا حلقہ توڑ کر نکلنے میں قیادت فرماتے رہے۔ پھر ایک بلند مقام تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے اور اپنی بکھری ہوئی جماعت کو منظّم کیا اور اس میں وہی ولولہ اور حوصلہ پیدا کر دیا جو مشرکین کے اچانک حملے کے دوران میں بہت کام آیا تھا اور اس شکست کو جس کا انجام ہلاکت نظر آ رہا تھا فتح میں بدل دیا۔ آپ ﷺ نے قریش میں مایوسی کی لہر پیدا کر دی، ان کا دم وخم جواب دے گیا، وہ مسلمان کو مٹا دینا چاہتے تھے لیکن اب انہیں اپنی امید بر آتی نظر نہیں آتی تھی، حالانکہ امرِ واقع یہ ہے کہ حالات ایسے پیدا ہو چکے تھے کہ مسلمانوں کی ہلاکت اور بربادی ایک قطعی اور یقینی چیز نظر آ رہی تھی۔ آخر آپ ﷺ نے حالات کا رخ موڑا کہ مشرکین، دل گرفتہ اور آشفتہ خاطر ہو کر عالمِ مایوسی میں واپس جانے پر مجبور ہو گئے۔(۱۸)

کسی جنگ کی کامیابی یا ناکامی کا فیصلہ صرف نقصانِ جنگ سے نہیں کیا جاتا بلکہ دیکھا یہ جاتا ہے کہ آیا شکست پانے والوں کا جذبہ بھی کچلا جا سکا، آیا ان کے ولولے کو بھی شکست دی گئی، آیا ان کا جذبہ بھی قتل ہوا؟ جنگِ اُحد کے نتیجہ میں ہرگز ایسا نہ ہوا۔ اس کا اندازہ حضور ﷺ کا جنگ کے اگلے روز فتح کے دعویدار مشرکین کے تعاقب اور پھر دیگر قبائل کے خلاف مہمات سے لگایا جا سکتا ہے۔ البتہ جنگِ اُحد میں نظم وضبط کی خلاف ورزی کے سبب مسلمانوں کی کچھ کمزوریاں بھی سامنے آئیں۔ اس پر قرآن نے واضح تبصرہ کیا۔

''اللہ نے تائید و نصرت کا جو وعدہ تم سے کیا تھا وہ اس نے
پورا کر دیا۔ ابتدا میں اس کے حکم سے تم ہی ان کو قتل کر رہے
تھے مگر جب تم نے کمزوری دکھائی اور اپنے کام میں باہم

Marfat.com

اختلاف کیا۔تو جونہی کہ وہ چیز اللہ نے تمھیں دکھائی جس کی محبت میں تم گرفتار تھے (یعنی مالِ غنیمت) تم اپنے سردار کے حکم کی خلاف ورزی کر بیٹھے اس لئے کہ تم سے کچھ لوگ دنیا کے طالب تھے اور کچھ آخرت کی خواہش رکھتے تھے۔تب اللہ نے تمھیں کافروں کے مقابلے میں پسپا کر دیا۔تا کہ تمھاری آزمائش کرے اور حق یہ ہے کہ اللہ نے پھر بھی تمھیں معاف ہی کر دیا۔ کیونکہ مومنوں پر اللہ بڑی نظرِ عنایت رکھتا ہے۔یاد کرو جب تم بھاگ چلے جارہے تھے کسی کی طرف پلٹ کر دیکھنے کا ہوش تمھیں نہ تھا اور رسولؐ تمھارے پیچھے تم کو پکار رہا تھا۔اس وقت تمھاری اس روش کا بدلہ اللہ نے تمھیں یہ دیا کہ تم کو رنج پر رنج دیئے تا کہ آئندہ کیلئے تمھیں سبق ملے اور جو کچھ تمھارے ہاتھ سے جائے یا جو مصیبت تم پر نازل ہو اس پر ملول نہ ہو اللہ تمھارے سب اعمال سے باخبر ہے۔''

قرآن کے اس تبصرے سے واضح ہے کہ حضورﷺ کے نزدیک جنگ کا مقصد محض رضائے الٰہی تھا۔پھر آپﷺ نے خود فریبیوں کے چکر میں پڑنے کی بجائے فوج کی کمزوریوں کو دور کرنے کی اصلاح فرمائی جن کی وجہ سے جنگِ اُحد میں مسلمانوں کو زیادہ جانی نقصان اٹھانا پڑا تھا۔اس وجہ سے ریاست مدینہ کے لئے خطرات میں اضافہ ہوگیا اور جنگِ بدر کی وجہ سے حوصلہ شکنی کے جو اثرات مشرکین پر مرتب ہوئے تھے وہ اُحد کے معرکہ کے بعد زائل ہوگئے۔اب مخالفین یہ سمجھنے لگے تھے کہ وہ ریاستِ مدینہ کے خاتمہ کی کوششوں میں کامیاب ہو جائیں گے۔چنانچہ غزوۂ اُحد کے دو ماہ بعد نجد کے قبیلہ بنی اسد نے مدینہ پر چھاپہ کی غرض سے فوج جمع کی۔آنحضرتﷺ نے ابوسلمہ مخزومی کی قیادت میں ڈیڑھ سو آدمیوں کا دستہ بھیج کر اس خطرے کا انسداد کیا۔پھر صفر ۴ھ میں قبائل عضر و قارہ کے لوگوں نے مدینہ آکر حضورﷺ سے درخواست کی کہ ہم میں سے کچھ لوگ مسلمان ہو گئے ہیں ان کی تعلیم و تربیت کیلئے آپ اپنے معلّمین بھیجئے۔چھ اہل اصحابؓ کو روانہ کیا گیا۔مقام رجیع پہنچ کر سازشیوں نے چار کو شہید کر کے باقی دو اصحاب کو قریشِ مکہ کے ہاتھ فروخت کر دیا۔جنہوں نے دونوں کو صلیب دے کر شہید کر دیا۔(۱۹) پھر اسی ماہ میں بئرِ معونہ کا دردناک واقعہ پیش آیا۔جغرافیائی اہمیت کے پیشِ نظر بھی ضروری تھا کہ نجد کے

Marfat.com

علاقے میں اسلامی حکومت کا اثر پھیلے۔ابو براء عامر بن مالک پر اعتماد کرتے ہوئے آپؐ نے چالیس مبلغین کی جماعت دعوتی مقاصد کی غرض سے نجد روانہ کی جس میں اول درجے کے حفاظ، قاری اور معلم و داعی شامل تھے۔ان تمام کو قبائل بنی سلیم نے شہید کر دیا۔محض ایک صحابی عمرو بن امیہؓ بچ نکلنے میں کامیاب ہوئے اور واپسی پر غلطی سے بنی عامر کے دو آدمیوں کو قتل کر دیا۔اس قتل پر حضورﷺ نے افسوس کا اظہار فرمایا کیونکہ بنی عامر آپ کا حلیف قبیلہ تھا۔اسی بناء پر آپؐ دیت کے معاملے کو طے کرنے کیلئے یہود بنو نضیر کی بستی میں تشریف لے گئے جو کہ بنو عامر کے حلیف تھے۔یہاں یہودیوں نے دورانِ گفتگو آپﷺ کو قتل کر دینے کی سازش کی جس کا آپﷺ کو علم ہو گیا۔ایک ریاست کے سربراہ کے قتل کی سازش کوئی معمولی جرم نہیں ہوتا۔حضورﷺ کی زندگی کے خلاف یہ سازش گویا میثاقِ مدینہ کی کھلی خلاف ورزی اور اعلانِ بغاوت تھا۔جس کا بروقت سدِ باب اسلامی ریاست کے سربراہ کی ذمہ داری تھی۔چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے قبیلہ اوس کے رئیس محمد بن مسلم کے ذریعے بنی نضیر کو کہلا بھیجا کہ

> ''تم نے جو بدعہدی کی ہے اس کی وجہ سے تمھیں ہمارے ساتھ مدینہ میں رہنے کا حق نہیں ہے۔میں تمھیں دس دن کی مہلت دیتا ہوں کہ اپنا انتظام کر کے جس طرف چاہو نکل جاؤ۔اس کے بعد تمھارے قبیلہ کا کوئی فرد مدینہ کی حدود میں نظر آئے گا تو اس کو قتل کر دیا جائے گا۔''(۲۰)

بنی نضیر اس جلاوطنی پر رضا مند تھے لیکن عبداللہ بن ابی نے انہیں مدد کی یقین دہانی کراتے ہوئے روک لیا اور کہلا بھیجا کہ

> ''تمھیں مدینہ سے جانے کی ضرورت نہیں ہے اپنے قلعوں میں مقیم رہو میرے ساتھیوں کے علاوہ دو ہزار عرب اور بنو قریظہ اور غطفان کے لوگ مرتے دم تک تمھاری مدد کریں گے۔''(۲۱)

عبداللہ بن ابی کی اس شہ پر بنی نضیر نے جواب دیا۔

> ''ہم اپنا وطن نہ چھوڑیں گے جو جی چاہو کرو۔''(۲۲)

اس پر رسول اللہﷺ نے محاصرہ کر لیا جو بیس روز جاری رہا۔عبداللہ بن ابی اور دوسرے منافقین اور دشمنوں نے تعاون و امداد و اعانت کے جو وعدے کئے تھے ان پر عمل کرنے کی کسی کو جرأت نہ ہو سکی۔بالآخر یہود نے ہتھیار ڈال دیئے اور صلح کی درخواست کی۔رسول اللہﷺ نے اس شرط پر

Marfat.com

مصالحت کی کہ یہودی شہر خالی چھوڑ کر چلے جائیں گے اور اپنی املاک میں سے اسلحہ کے علاوہ صرف وہ چیزیں لے کر جائیں گے جو اونٹوں پر لادی جا سکتی ہیں اور باقی تمام چیزیں اسلحہ، زرہیں، نخلستان اور اراضی وغیرہ رسول اللہ ﷺ کا حق ہوں گی۔ (۲۳) آخر بنونضیر مدینہ منورہ سے جلاوطن ہو گئے۔ بعض مضافاتِ شام جا کر بس گئے اور بعض خیبر میں جا کر مقیم ہو گئے۔ بہت کچھ اپنے ساتھ لے گئے پھر بھی اپنے پیچھے مسلمانوں کیلئے خاصا مالِ غنیمت چھوڑ گئے۔ غلے کے ذخیرے، باغات واراضی کے سوا ۵۰ زرہیں، ۵۰ خود اور ۳۴۰ تلواریں بھی مسلمانوں کی ملکیت میں آ گئیں۔

بعض مستشرقین الزام عائد کرتے ہیں کہ یہودِ بنونضیر کو محض اس وجہ سے جلاوطنی کی سزا دی گئی کہ انہوں نے جنگِ اُحد میں مسلمانوں کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ یہ الزام تعصب پر مبنی ہے کیونکہ امرِ واقعہ یہ ہے کہ یہود نے کبھی بھی اسلامی ریاست کے وجود کو دل سے تسلیم نہیں کیا تھا وہ اس کے خاتمے کیلئے قریش مکہ سے اندرونی ساز باز رکھتے تھے۔ جنگِ بدر سے پہلے اور بعد قریشِ مکہ نے یہودیوں کو رسول اللہ ﷺ کے خلاف اقدام کرنے اور اپنے ساتھ ملا لینے کیلئے خطوط ارسال کئے تھے۔ مگر حضور ﷺ نے سیاسی بصیرت کا ثبوت دیتے ہوئے ایسی پالیسی اپنائی تھی کہ اب تک یہود کھل کر مقابلہ کرنے سے باز رہے۔ مگر جنگِ اُحد کے بعد مسلمانوں کو کمزور خیال کرتے ہوئے بنونضیر نے رسول اللہ ﷺ کو قتل تک کر دینے کی سازش کر ڈالی۔ اس صورت میں یہودِ بنونضیر کے خلاف حربی کارروائی ناگریز ہو گئی۔ حالانکہ باقی یہود نے بھی اُحد کا ساتھ نہ دیا تھا اور کارروائی بنونضیر کے خلاف کی گئی کیونکہ سازش انہوں نے کی تھی _____!

محاصرہ کے دوران حضور ﷺ نے قلعہ کے گرد نخلستان کے چند درخت کٹوا دیئے تھے تاکہ یہود مال بچانے کیلئے جنگ برپا کرنے کی جسارت نہ کریں۔ اس پر بھی اعتراض ہوا۔ حالانکہ یہ محض ایک ایسا فوجی اقدام تھا جو آج بھی کسی فوج کو راستہ بنانے، دشمن کی کمین گاہوں کو ختم کرنے اور دوسری ضروریات کیلئے کرنا پڑتا ہے۔ اس اعتراض کا جواب محمود خطاب شیت نے ''آئینِ جنگ اور قانون اولیٰ'' کا حوالہ دیتے ہوئے دیا ہے کہ

> ''جب کوئی لشکر دشمن کی اقلیم میں داخل ہو جائے تو اسے حق ہے کہ اس کی جگہ پر قبضہ کرے اور اس کی نقل حرکت سے وہ علاقہ دشمن کے لئے میدانِ جنگ قرار پاتا ہے اور دشمن کو اس احتلال کا نتیجہ بھگتنا پڑتا ہے، یعنی ہر طرح کا حربی نقصان، مادی نقصان، کھیتوں اور درختوں کی آتش زنی، علاوہ ازیں مالی اور جسمانی نقصان کا جواز بھی پہنچانے

Marfat.com

میں بروئے کار لا سکتا ہے۔ یہ پورا علاقہ میدانِ جنگ قرار
پائے گا۔'' (۲۴)

اس کے مطابق حضورﷺ یہودیوں کے قتال کا بھی حق رکھتے تھے مگر یہ حضورﷺ کی امن پسندی کا ثبوت ہے کہ انہوں نے بنی نضیر کو محض جلاوطنی کی سزا دی______! یہ سزا بھی اس کیلئے ضروری ہو گئی تھی کہ مدینہ پر حملہ کرنے کی صورت میں یہ دشمن کا ساتھ دیتے اور ہر گھر کارزار میں تبدیل ہو سکتا تھا۔ ان کے اخراج سے قوت کا توازن مسلمانوں کے حق میں ہوا اور اسلامی مملکت کی اقتصادی حالت بہتر بنانے میں مدد ملی۔ دوسری طرف بنی نضیر نے جلاوطنی کے بعد اسلام کے خلاف سازشوں اور ریشہ دوانیوں کا ایک وسیع جال پھیلا دیا اور قریشِ مکہ کا جنگِ احزاب میں مکمل ساتھ دیا۔ پھر بنی نضیر کا اخراج غزوۂ خیبر کی داستان کا دیباچہ بھی ثابت ہوا۔

یہودِ بنی نضیر سے نپٹنے کے بعد آنحضرتﷺ نے قریش کا جواب دینے کے لئے تیاریاں شروع کر دیں جو انہوں نے اُحد میں دیا تھا۔ ذیعقد ۴ھ کی چاندرات حضورﷺ پندرہ سو پیادوں اور دس سواروں کے ہمراہ مدینہ سے نکلے اور بدر کے مقام پر پہنچ کر آٹھ روز تک مشرکین کا انتظار فرمایا۔ ادھر ابو سفیان بھی مکہ سے دو ہزار افراد لے کر نکلا مگر ظہران سے آگے بڑھنے کی ہمت نہ کر سکا اور قریش کو یہ کہہ کر واپس لے گیا کہ

''اے قریش (جنگ کے نقطۂ نگاہ سے) ہریالی اور شادابی کا سال ہی بہتر رہ سکتا ہے، اس میں تم اونٹوں کو درختوں کے پتے بھی کھلا سکو گے اور ان کا دودھ بھی پی سکو گے، یہ سال تو قحط کا سال ہے (اس میں فی الوقت جنگ مناسب نہ رہے گی) اس لئے میں واپس ہو رہا ہوں تم بھی واپس چلو۔'' (۲۵)

اس واقعہ کا ایک بہت بڑا یہ فائدہ پہنچا کہ جنگ اُحد کے اثرات ہزیمت پورے طور پر محو ہو گئے اور پورے عرب پر یہ واضح ہو گیا کہ اکیلے قریش رسول اللہﷺ کے مقابلے کی ہمت نہیں رکھتے۔ وہ پہلے ہی دو جنگوں میں بہترین آدمی مروا چکے تھے اور بہت سارا سرمایہ بھی ضائع کر چکے تھے۔ اسی حقیقت کو قریش نے بھی محسوس کر لیا تھا اور مدینہ پر ایک بہت بڑے حملے کی خاطر دوسروں کی مدد کیلئے اقدامات کر دیئے تھے۔ اس موقع پر جو یہود مدینہ سے جلاوطن ہو کر خیبر جا کر آباد ہو گئے تھے قریش کیلئے بہت بڑا سہارا بن رہے تھے۔ قبل اس کے کہ مشرکین متحد ہو کر مدینہ پر حملہ آور ہوتے رسول اللہﷺ نے چند ایسی مہمات

Marfat.com

میں کامیابی حاصل کی کہ جن کی بناء پر مسلمانوں کی قوت وشوکت میں مزید اضافہ ہو گیا۔محرم ۴ھ بنی غطفان کے ذیلی قبائل بنی محارب اور بنی ثعلبہ کی جنگی تیاریوں کی اطلاع آئی۔حضور ﷺ ہر وقت کسی بغاوت یا خطرہ کا مقابلہ کرنے کیلئے ہمیشہ مستعد رہتے تھے۔چنانچہ اطلاع ملتے ہی آپ ﷺ چار سو کے لشکر کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہوئے اور ذات الرقاع تک پیش قدمی فرمائی۔اس اچانک فوج کشی نے دشمن کے حوصلے پست کر دیئے اور مقابلے میں نہ آئے۔(۲۶)

دوسری مہم عرب کی شمالی سرحد پر واقع دومۃ الجندل کی طرف روانہ ہوئی جو تجارتی کاروانوں کا جنکشن بھی تھا۔یہاں کا حاکم اکیدر بن عبدالملک فرمانروائے روم کے ماتحت تھا۔یہاں مدینہ کیلئے غلہ لانے والے کاروانوں کو تنگ کیا جانے لگا نیز حضور ﷺ کو دومۃ الجندل میں مدینہ کے خلاف اجتماعی فوج کی اطلاع بھی موصول ہوئی۔اس پر ربیع الاول ۵ھ میں آپ ﷺ نے ایک ہزار کی جمعیت لے کر فوراً اقدام کیا۔اسلامی فوج کی روانگی کی اطلاع پا کر مخالفین بکھر گئے۔حضور ﷺ نے پیش قدمی کی ضرورت نہ سمجھی۔اس مہم کا ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ راستہ میں آپ ﷺ نے عیینہ بن حصین سے حلیفی معاہدہ طے فرمایا۔اسی طرح ۲ شعبان ۵ھ کو حضور ﷺ نے بنو مصطلق کے خلاف فوجی کارروائی کی جو مدینہ پر حملہ کی تیاری کر رہے تھے۔اس موقع پر گرفتار ہونے والے تمام جنگی قیدیوں کو مسلمانوں نے آزاد کر دیا تھا۔کارروائی کے بعد مسلمانوں کے مابین معمولی جھگڑے کو عبداللہ بن ابی نے ہوا دے کہ فتنہ پیدا کرنے کی کوشش کی۔اس پر اس کا بیٹا عبداللہ بن عبداللہ بن ابی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ سے اجازت طلب کی

''اگر اجازت ہو تو باپ کی گردن اتار دوں۔''

آپ ﷺ نے اس پر فرمایا کہ

''ہم اسے قتل نہیں کریں گے۔اس کے ساتھ حسنِ سلوک
کرتے رہے گے جب تک وہ ہمارے ساتھ رہے گا''۔

ان مہمات کے نتیجہ میں مسلمانوں نے ازسرِنو اپنے آپ کو فوجی اعتبار سے منظم اور منضبط کر لیا تھا اور مدینہ کے اندر مسلمانوں کی مرکزی قوت وشوکت بھی حد درجہ محکم ہو گئی تھی۔ان حالات میں یہ امر ناگریز ہو گیا تھا کہ قریش، دوسرے قبائل اور یہود متحدہ اور متفقہ طور پر میدان میں اتریں اور مسلمانوں کا خاتمہ کر دیں۔بغیر اس اشتراک اور اتحاد کے استیصال کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا تھا۔یہی وجہ ہے کہ مخالفین اسلام کا ایک متحدہ لشکر شوال ۵ھ میں ریاستِ مدینہ کو پامال کرنے کیلئے آندھی وطوفان بن کر آ گیا۔اس میں بنی نضیر اور بنی قینقاع کے جلاوطن یہود بھی تھے، غطفان کے قبائل بنی سلیم، خزارہ، حرہ، اشجع اور اسعد وغیرہ بھی تھے۔یہ متحدہ لشکر دس ہزار افراد پر مشتمل تھا۔اس سے قبل عرب میں اتنی بڑی فوج کے

Marfat.com

ساتھ حملہ نہ ہوا تھا۔ قرآن نے اس کی تصویر کشی ان الفاظ میں کی ہے کہ

''جب وہ (اور ان کا لشکر) اوپر سے نیچے سے تم پر چڑھ آئے۔ جب خوف کے مارے آنکھیں پتھرا گئیں، کلیجے منہ کو آ گئے اور تم لوگ اللہ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے اس وقت ایمان والے خوب آزمائے گئے اور بری طرح جھنجوڑ کر رکھ دیئے گئے۔'' (الاحزاب: ۱۰-۱۱)

حضور ﷺ کو مشرکین کے اس لشکر کی تیاریوں کی خبر شوال ۵ ہجری میں مل چکی تھی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے مدینہ کے دفاع کیلئے مشاورت کی اور مدینہ کے اندر رہ کر مدافعت کا فیصلہ کیا۔ اس مقصد کیلئے سلمان فارسیؓ کے مشورے سے شہر کے شمالی جانب خندق کھودی گئی۔ دفاعی مقاصد کے تحت اس سے قبل عربوں میں خندق کھودنے کا رواج نہیں تھا۔ یہ خالصتاً ایک دفاعی جنگ تھی جس کیلئے بعض اقدامات فوجی نقطۂ نظر سے ناگریز ہوتے ہیں۔ مثلاً فوجوں کو حتی الامکان پوشیدہ رکھا جائے، کچھ افواج کو محفوظ رکھا جائے، محاذ کی لمبائی کو زیادہ اہمیت نہ دی جائے، عقبی فوجیں بروقت تیار رہیں، دفاع کے ساتھ اگر ممکن ہو تو حملہ کی بھی صورت نکالی جائے، مختلف دفاعی مراکز قائم کئے جائیں جہاں سے غذا، اسلحہ اور دیگر سامانِ جنگ کی کثیر مقدار رکھی جاتی ہے اور مختلف حفاظتی چوکیاں قائم کرنا۔ حضور ﷺ نے ان تمام اصولوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے خندق تیار کروائی، چوکیاں قائم کیں، عورتوں اور بچوں کو مضبوط اور مستحکم عمارتوں میں منتقل کیا اور غلہ اور قیمتی اسباب کی حفاظت کا بھی مناسب بندوبست فرمایا۔ ان انتظامات کے بعد آپ ﷺ تین ہزار مجاہدین کو لے کر کوہِ سلع پر مدافعت کیلئے تیار ہو گئے۔ مشرکین کی فوجوں نے کئی دن تک محاصرہ کیا۔ خندق ان کے لئے بالکل نیا مسئلہ تھی۔ اس طرح کی مزاحمت کا سامنا انہیں پہلے کبھی نہیں ہوا تھا اور اس سلسلے کی تدابیر سے وہ ناواقف تھے۔ ان کے گھوڑے اور اونٹ خندق کے بیرونی کنارے تک کارآمد ہوتے، جنہوں نے اسے پار کرنے کی کوشش کی وہ اس کے اندر گر کر ختم ہو گئے۔ آخر قریش کا شہرت یافتہ شہسوار عمرو بن عبدوڈ، عکرمہ بن ابوجہل، ہبیرہ بن ابی وہب اور ضرار بن الخطاب کو لے کر ایک تنگ مقام سے خندق پار کرنے میں کامیاب ہوا تو حضرت علیؓ نے اس کا کام تمام کر دیا۔

محاصرہ کی طوالت کے پیش نظر قریش نے بنوقریظہ کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی تاکہ حضور ﷺ کی افواج پر اندر سے حملہ کر دیا جائے۔ اس مشن پر ابوسفیان نے حیَ بن اخطب کو مامور کیا۔ جس نے بنوقریظہ کو ورغلایا۔ پہلے تو وہ انکار کرتے رہے مگر حیَ بن اخطب کے زیادہ جوش دلانے پر وہ مشرکین کا ساتھ دینے پر آمادہ ہو گئے۔ بنوقریظہ کی طرف سے یہ واضح عہد شکنی اور غداری تھی۔ آنحضرت ﷺ کے

Marfat.com

جاسوسوں نے بھی ان کی غداری کی توثیق دی۔صورت حال نازک تر ہورہی تھی کیونکہ یہ یہودی اگر شہر سے حملہ آور ہوتے تو مسلمان ان کی مزاحمت کا کوئی انتظام نہیں کر سکتے تھے۔ان کے پاس ڈیڑھ ہزار سپاہی تھے لیکن ان کا مقابلہ کرنے کیلئے آنحضرت ﷺ فوج کو خندق سے ہٹا نہیں سکتے تھے۔اس طرح مدینے کے سقوط کا خطرہ بڑھتا چلا گیا۔اس موقع پر آپ ﷺ نے مشرکین کی فوج کے کچھ حصہ کو صلح پر راضی کر لینے کی تدبیر نکالی اور بنی غطفان کے سردار کو مدینہ کی تہائی پیداوار کی پیشکش کی۔قریب تھا کہ سمجھوتہ ہو جاتا اوس وخزرج کے انکار کی وجہ سے سمجھوتہ نہ ہوسکا۔اسی اثناء میں ایک نومسلم نعیم بن مسعود سے رسول اللہ ﷺ نے جنگی تکنیک کے اعتبار سے ایک ایسا کام لیا کہ جس نے نقشۂ حالات پلٹ کر رکھ دیا۔انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی ہدایت پر قریظہ اور لشکرِ کفار میں پھوٹ ڈلوادی۔(۲۷) اس کارروائی سے جہاں بیک وقت دو جانب سے حملہ کا خطرہ ٹل گیا جو ریاستِ مدینہ کیلئے تباہ کن ثابت ہوسکتا تھا۔اس کے ساتھ ساتھ لشکرِ کفار کے حوصلے بھی پست ہو گئے۔پھر خدائی مدد نے کام تمام کیا۔ایک ایسی آندھی آئی کہ دشمن کے خیمے اکھڑ گئے۔دیگیں اور برتن الٹ گئے اور کھانے پینے کا سارا سامان طوفان کی نذر ہو گیا۔اس کے ساتھ سردی اتنی شدید ہوئی کہ کفار میدان چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔اسی کی طرف قرآن میں اشارہ ہے

''اور جنگ میں اللہ ہی مومنین کیلئے کافی ہو گیا۔''

(الاحزاب:۲۵)

''اپنے حق میں اللہ کی اس نعمت کا تصور کرو۔جبکہ تمہارے
خلاف لشکر جمع ہوئے اور ہم نے ان کے خلاف آندھی کی
مصیبت بھیجی اور وہ غیبی لشکر بھیجے کہ جن کو تم دیکھ نہیں سکتے
تھے۔''(الاحزاب:۹)

جس روز غزوہ خندق ختم ہوا اسی دن سے تاریخ اسلام کا ایک نیا باب شروع ہو گیا۔(۲۸) متحدہ عساکر کی دل شکستگی کا مطلب یہ تھا کہ بار بار اتنا بڑا لشکر فراہم نہیں کیا جا سکتا اور انفرادی طور پر مسلمانوں کا خاتمہ اور استیصال ان کیلئے ناممکنات میں تھا۔اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ریاستِ مدینہ کے ازلی دشمن قریش کا خطرہ ہمیشہ کیلئے ٹل گیا۔چنانچہ جنگ کے اختتام پر رسول اللہ نے فرمایا تھا کہ

''اب قریش کے لوگ تم پر کبھی چڑھائی نہ کر سکیں گے بلکہ
اب تم ان پر چڑھائی کرو گے۔''(۲۹)

بعد کے حالات نے یہ ثابت کر دکھایا کہ غزوۂ احزاب کے ساتھ ہی مسلمانوں کے ابتلا و آزمائش کے دور کا خاتمہ ہو گیا۔یہ سال دشمنانِ اسلام کیلئے جارحیت کا آخری ثابت ہوا۔اس جنگ کے

Marfat.com

بعد ہی اسلامی ریاست نے ترقی و توسیع کی منازل طے کیں اور اسلام مشرق و مغرب کا مذہب ٹھہرا ___ !

جنگِ احزاب کے فوراً بعد رسول اللہ ﷺ نے بنوقریظہ کے خلاف کارروائی کا فیصلہ کیا جو جنگ کے دوران کھلم کھلا غداری کے مرتکب ہوئے تھے اور قریش کی شہ پر شہر کے اندر سے حملہ کی سازش تیار کی تھی۔ اس سازش کے معلوم ہونے پر حضور ﷺ نے معاملہ کو سلجھانے کے لئے وفد کو بنوقریظہ کے پاس بھیجا۔ ان کو سمجھانے پر یہود نے جواب دیا کہ

''رسول اللہ ﷺ کون ہے، محمد کہیے اور ان سے ہمارا کوئی معاہدہ نہیں ہے۔'' (۳۰)

عین لڑائی کے وقت ریاست سے سرکشی و بغاوت، منشورِ مدینہ کی خلاف ورزی و عہد شکنی، دشمنانِ ریاستِ مدینہ سے ساز باز، مسلمانوں کے عقب کے حملہ آوروں سے مل کر مدینہ کی پوری آبادی کو ہلاکت میں مبتلا کر دینے کی کوششیں، یہ سب بنوقریظہ کے ایسے جرائم تھے جو ان کے خلاف کارروائی کے متقاضی تھے۔ چنانچہ اسلامی فوجیں خندق کے محاذ سے واپس آئی ہی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ نے دوبارہ جنگ کیلئے تیاری کا حکم دے دیا کہ بنوقریظہ کا محاصرہ کیا جا سکے۔ لہٰذا ان کا محاصرہ کر لیا گیا۔ محاصرہ کی شدت کو بنوقریظہ دو تین ہفتوں سے زیادہ برداشت نہ کر سکے اور آخر کار اس شرط پر اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کے حوالے کر دیا کہ قبیلہ اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذؓ ان کے متعلق جو فیصلہ بھی کریں گے انہیں منظور ہوگا۔ سعد بن معاذ نے یہودیوں کے قانون تورات کو سامنے رکھ کر فیصلہ کر دیا کہ بنوقریظہ کے بالغ مرد قتل کر دیئے جائیں، عورتوں اور بچوں کو قید کر لیا جائے اور ان کا تمام مال ضبط کر کے مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ اسی فیصلے پر عمل درآمد کرتے ہوئے بنوقریظہ کے مردوں کو قتل کر دیا اور باقی کو قیدی بنا لیا گیا۔ بنوقریظہ کے استحصال کے ساتھ مدینہ سے یہودیوں کی آبادی کا کم و بیش خاتمہ ہو گیا۔

بعض مستشرقین جن میں ولیم میور، اسپرنگر، ویل اور اوسبرن پیش پیش ہیں حضور ﷺ پر معترض ہیں کہ انہوں نے (نعوذ باللہ) ایک سخت اور خونی فیصلہ کیا۔ جب کہ واقعات کی تہہ تک پہنچنے کے بعد یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ بنوقریظہ کو ان کے جرائم سے زیادہ سزا ہرگز نہیں دی گئی۔ لین پول رقمطراز ہے۔

''یہ ایک ایسا سخت اور خونیں فیصلہ ہے جو اہل ابی پر حملہ کرنے والی افواج کے جرنیلوں کو زیب دیتا تھا یا اس کی مثال عہد آگسٹن کے متصوفین کے مظالم ہی میں ملتی ہے لیکن اس بات کو پیش نظر رکھنا چاہیے کہ ان اشخاص کا جرم محاصرہ

Marfat.com

کے وقت حکومت کے خلاف بغاوت کرنا تھا اور جن لوگوں
نے تاریخ میں پڑھا ہے کہ کس طرح ولنگٹن کی گزرگاہ فوج
کے مفرورین کی لاشوں سے اٹی پڑی تھی، جو درختوں سے
لٹک رہی تھیں، انہیں ایک غدار چھوٹے سے قبیلے کے قتل پر
حیران نہ ہونا چاہیے۔'' (۳۱)

اخلاقیات کے علمبردار آرنلڈ نے یوں تبصرہ کیا ہے کہ

''ظالم ومفسد کا فنا کرنا اس سے سو درجہ بہتر ہے کہ وہ اپنی
ناپاک صحبت سے بے گناہوں کو بھی آلودہ کرے۔'' (۳۲)

پھر سب سے اہم بات یہ ہے کہ خود بنوقریظہ نے اپنی مرضی سے ثالثی کا اصول پسند کیا اور ثالث کے فیصلے کو بے چون وچرا قبول بھی کیا کیونکہ ان کو علم تھا کہ فتح کی صورت میں وہ بھی ایسا فیصلہ کرتے جو خود ان کے قانونِ جنگ کے مطابق ہوتا ہے جس میں بیان ہے کہ

''جب کسی شہر پر حملہ کرنے کیلئے جائے تو پہلے صلح کا پیغام
دے، اگر وہ صلح کرلیں اور تیرے لئے دروازے کھول دیں
تو جتنے لوگ وہاں موجود ہیں وہ سب تیرے غلام ہو جائیں
گے، لیکن اگر صلح نہ کریں تو ان کا محاصرہ کر اور جب تیرا خدا
تجھ کو ان پر قبضہ دلا دے تو جس قدر مرد ہوں سب کو قتل
کردے، باقی بچے، عورتیں، جانور اور چیزیں شہر میں موجود
ہوں سب تیرے لئے مالِ غنیمت ہوں گی۔'' (۳۳)

بہرحال بنوقریظہ کو دی گئی سزا کے نتیجہ میں ایک فتنہ طراز گروہ کا بحیثیت ایک جنگی وسیاسی قوت کے خاتمہ ہوگیا۔

غزوۂ احزاب کی فتح اور یہودِ قریظہ کے فتنہ پردازوں کے خاتمہ کے بعد ایک نئے دور کا آغاز ہوتا ہے جو اسلامی ریاست کی ترقی وتوسیع اور کامیابیوں کا دور ہے۔ اس میں چھوٹی بڑی کئی جنگی مہمات بھی شامل ہوئیں۔ شعبان ۶ ھ میں بنومصطلق کے خلاف حضورﷺ نے اس اطلاع پر کہ وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کی تیاریاں کررہے ہیں معمولی حملے کے بعد پورے قبیلے کو مال واسباب سمیت گرفتار کرلیا۔ اسی طرح کے خطرے کے پیشِ نظر مقام فدک پر بنوسعد بن مکر کے خلاف کارروائی کی جو حضرت علیؓ کی سرکردگی میں ہوئی۔ علاقہ نجد کے سردار ثمامہ بن اثال گشتی دستہ سے مڈبھیڑ میں گرفتار ہوکر مسلمان

Marfat.com

ہوئے۔ اہلِ رجیع جو تعلیمی وفد کے ارکان کے قاتل تھے کی سرکوئی کیلئے حضورﷺ نے دوسو سواروں کے ساتھ اقدام کیا۔ بغیر کسی جھڑپ کے واپسی ہوئی۔ اس واقعہ کے چند روز بعد عیینہ بن حصن بن حذیفہ بن بدر الفزاری غطفان کے سواروں کو لے کر الغابہ کی سرکاری چراگاہ پر حملہ آور ہوا۔ ابوذر کے بیٹے شہید کر کے رسول اللہﷺ کی بیس اونٹیناں ہنکا کر لے گیا۔ دشمن کی اس جسارت پر فوری گرفت کرنا لازمی تھی۔ حضورﷺ خود ایک دستہ لے کر نکلے جبکہ حضرت سلمہ بن الاکوع آپﷺ سے قبل ہی روانہ ہو چکے تھے۔ مسلمانوں نے لٹیروں کا دور تک تعاقب کیا۔ کچھ اونٹنیاں بھی حاصل ہوئیں اور کئی ایک کو موت کے گھاٹ بھی اتارا۔

ربیع الثانی ۶ ھ میں بنی ثعلبہ کے مجرمین کی سرکوبی کیلئے حضرت عبیدہ کی سرگردکی میں چالیس مجاہدین کا دستہ روانہ کیا گیا۔ کیونکہ بنی ثعلبہ نے ربیع الاول ۶ ھ میں مسلمانوں کے دعوتی وفد کے ۳۹ ارکان کو شہید کر دیا تھا۔ حملہ سے مفسدین بھاگ گئے۔ مفرورین کی املاک ضبط کر لی گئیں۔ اس نوعیت کی دیگر مہمات دومۃ الجندل اور فدک کی طرف بھی روانہ کی گئیں۔ دو مہمیں زید بن حارثہ کی سرگردکی میں بھی روانہ کی گئیں جو دحیہ بن خلیفہ الکلبی جو قیصرِ روم سے مل کر واپس آ رہے تھے کو لوٹنے اور وادی القریٰ میں مسلمان قافلہ پر ڈاکہ ڈالنے والوں کی سزا کے مقصد کے لئے تھیں۔ اس میں کامیابی ہوئی ڈاکو قتل ہوئے یا بھاگ گئے یا ان کا مال قبضے میں لے لیا گیا۔ (۳۴) شوال ۶ ھ میں عقل اور عرینہ نامی دو قبائل کے آٹھ آدمی مدینہ آ کر مسلمان ہوئے۔ مگر نئی آب و ہوا میں بیمار پڑ گئے۔ مدینہ سے باہر سرکاری معالج سے ان کا علاج کروایا گیا۔ تندرست ہوئے تو سرکاری چرواہے یسار کو پکڑا، اس کی آنکھوں میں گرم سلائی پھیری۔ پھر اسے بے رحمانہ طریقے سے قتل کیا اور مویشی ساتھ لے کر بھاگ گئے۔ (۳۵) عین دارالحکومت مدینہ میں اس قسم کے خون خرابہ اور ڈاکہ زنی کا واقعہ معمولی بات نہ تھی۔ رسول اللہﷺ نے فوری کارروائی کرتے ہوئے ۲۰ سواروں کے ساتھ کرز بن جابر الفہری کو بھیج کر گرفتار کر لیا اور اس کے بعد قصاصِ عادل کا حکم دیا چنانچہ آپﷺ کے حکم کی تعمیل میں ان کے بھی ہاتھ پیر کاٹے گئے، آنکھوں میں سلائیاں پھیری گئیں اور پھر سولی پر لٹکا دیا گیا تا کہ دوسروں کو عبرت ہو۔ قرآن کے یہ الفاظ اسی حوالے کا بیان ہیں کہ

> ''جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور زمین میں اس کے لئے دوڑ بھاگ کرتے ہیں کہ فساد برپا کریں ان کی سزا یہ ہے کہ قتل کئے جائیں یا انہیں سولی دے دی جائے یا ان کے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ ڈالے جائیں یا انہیں جلاوطن کر دیا جائے۔''

Marfat.com

یہاں یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ مذکورہ بالا لٹیروں کے تعاقب میں بھیجے جانے والے دستہ کے سربراہ کرز بن جابر الفہری خود اسلام لانے سے قبل اس قسم کا مظاہرہ کر چکے تھے اور ڈاکہ زنی اور ڈاکوؤں کے اسرار و رموز سے واقف تھے۔ اس لحاظ سے اس خاص مہم کیلئے ان کا انتخاب رسول اللہ کی بہترین انتظامی صلاحیت اور گہرے نفسیاتی مطالعہ دونوں پر صریح دلالت کرتا ہے۔ (۳۶)

ان مذکورہ بالا واقعات کے مطالعہ سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ یہ تمام کارروائیاں ایسے افراد کے خلاف کی گئیں جو کسی نہ کسی طرح اسلامی ریاست کے خلاف جرائم کے مرتکب ہوئے تھے اور ان کو اپنے جرائم کے مطابق سزا دینا مقصود تھا اور یہ اقدامات اللہ تعالیٰ کی ہدایت کہ

''اور تم بدلہ لو تو بس اس قدر لو جس قدر تم پر زیادتی کی گئی ہے۔''

کے عین مطابق تھے۔

سن ۶ ہجری میں رسول اللہ ﷺ اپنے ساتھیوں سمیت زیارتِ کعبہ کی غرض سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے اور حدیبیہ کے مقام پر قیام فرمایا جہاں قریش سے مصالحتی معاہدہ طے پایا۔ واقعات کی تفصیل معاہدات کے باب میں دی جا چکی ہے یہاں صرف اتنا کہہ دینا کافی ہوگا کہ صلح حدیبیہ کے اس واقعہ سے سیاسی اور دفاعی لحاظ سے بڑے دور رس نتائج مرتب ہوئے۔ معاہدے کی رو سے قریش دس سال تک مسلمانوں سے جنگ نہ کرنے کے پابند بنا دیئے گئے تھے۔ عرب میں ایسی تین قوتیں تھیں جو اسلامی ریاست مدینہ کیلئے خطرہ بنی ہوئی تھیں اور تبلیغِ اسلام کی راہ میں رکاوٹ بنے ہوئے تھے۔ یہ قریشِ مکہ، یہود اور عرب کے قبائل تھے۔ اگرچہ غزوہ احزاب میں مذکورہ قوتیں متحد ہو کر بھی مسلمانوں کو شکست دینے میں ناکام رہی تھیں لیکن اب حضور ﷺ نے ایسی حکمتِ عملی اختیار کی کہ یہ قوتیں دوبارہ متحد نہ ہو سکیں اور ان سے علیحدہ علیحدہ طور پر نپٹا جائے۔ مختلف مہمات کے نتیجے میں قبائلِ عرب پہلے ہی دبے بیٹھے تھے۔ صلح حدیبیہ کے نتیجہ میں ایک قوت قریشِ مکہ کو تو غیر جانبدار رہنے کا پابند بنا دیا تھا اور یہود کو جنگ کی صورت میں قریش سے امداد حاصل کرنے سے محروم کر دیا گیا۔ اب موقع تھا کہ حضور ﷺ خیبر کے یہود کی طرف رجوع کرتے جہاں مدینہ سے جلاوطن ہونے والے یہود بنی قینقاع اور بنی نضیر کی ایک بڑی تعداد بھی آبسی تھی۔

یہ یہود ابھی تک اپنی اس روش پر قائم تھے کہ مسلمانوں کے خلاف خیبر اور آس پاس کے یہودیوں کو بھڑکاتے اور اپنے حلیفوں کو ان سے لڑنے پر آمادہ کرتے رہیں۔ غداری اور عہد شکنی کے یہ پہلے ہی مرتکب ہو چکے تھے۔ گویا اس وقت اسلامی ریاست کو اگر سب سے زیادہ خطرہ تھا تو شمال کے یہودِ

Marfat.com

خیبر سے ہی تھا۔ چنانچہ آپ ﷺ صلح حدیبیہ کے تقریباً بیس روز بعد چودہ سو لشکر کے ساتھ خیبر کی طرف روانہ ہوئے ۔ لشکر نے مقامِ رجیع پر پڑاؤ ڈالا۔ یہ جگہ خیبر اور غطفان کے درمیان تھی۔ مقصد یہ تھا کہ اسلامی لشکر بنوغطفان اور اہلِ خیبر کے درمیان حائل ہو جائے تا کہ اول الذکر موَخر الذکر کو کوئی کمک نہ پہنچا سکیں کہ وہ ایک دوسرے کے حریف تھے۔ جب بنوغطفان کو خیبر پر لشکر اسلامی کی خبر ملی تو وہ یہودیوں کی مدد کیلئے نکلے مگر ایک ہی منزل آگے بڑھ کر اس یقین پر واپس لوٹ آئے کہ اسلامی فوج حملہ کر کے ان کی قوت و طاقت کو پاش پاش کر دے گی۔ (۳۷) حضور ﷺ کی اس جنگی حکمتِ عملی سے یہود اب اکیلے رہ گئے تھے۔ اسلامی لشکر نے آگے بڑھ کر یہود کو محاصرہ میں لے لیا۔ تیروں کا تبادلہ ہوا بالآخر خیبر فتح ہوا۔ فتح کے بعد یہودیوں نے صلح کی درخواست کی جسے آپ ﷺ نے بعض شرائط کے ساتھ منظور فرما لیا۔ شرط یہ تھی کہ یہودی اپنی محنت کے معاوضہ میں زمین کی پیداوار کا نصف حصہ لیا کریں گے۔

اس فتح سے مسلمانوں کو بہت زیادہ غنائم ہاتھ آئے۔ مدینہ کے یہود بنی قینقاع اور بنی نضیر کے برعکس اہلِ خیبر سے مختلف سلوک کیا گیا کیونکہ فتحِ خیبر کے بعد یہاں یہودی سر اٹھانے کے قابل نہ رہے تھے۔ عرب میں ان کی قوت کا جنازہ نکل گیا اور اب اس طرف سے مسلمانوں کو کوئی خطرہ نہ رہا تھا۔ اس طرح اسلام عرب کے تمام مذاہب پر غلبہ حاصل کر گیا۔ خیبر پر غلبہ کے بعد فدک اور وادی القریٰ کے یہودی بھی زیر ہوئے اور یہودِ خیبر کی شرائط پر صلح کی اور جزیہ دینا منظور کر لیا۔ یہودی شمالی بستیوں کے زوال کے چھ ماہ بعد ہوازن کے بعض چھوٹے چھوٹے گروہوں نے انتشار پیدا کرنے کی کوشش کی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کو کچلنے کیلئے فوری طور پر اقدام کیا اور دو مہمیں تربہ اور نجد کے علاقے میں بھیجی گئیں جنہوں نے شر پسندوں کا خاتمہ کر دیا۔ جولائی ۶۲۹ء میں ہوازن کا ایک حصہ جوسی کے علاقے میں آباد اور انتشار میں مشغول تھا راہ راست پر لایا گیا۔ محرم ۷ھ میں یہ اطلاع پا کر کہ بنوغطفان، بنومحارب، بنوثعلبہ اور بنوانمار حملہ کے لئے تیار ہو رہے ہیں حضور ﷺ ۴۴۰ افراد کا دستہ لے کر گشت کے لئے نکلے، دشمن منتشر ہو گیا۔ اسی طرح عبداللہ لیثی، زید بن حارث، اُسامہ بن زیدؓ، بشیر بن سعدؓ وغیرہ کی سرکردگی میں چھوٹی چھوٹی مہمیں ہوئیں۔ ایک سریہ بنوسلیم کی سرحد پر مظاہر کرنے کی خاطر بھیجا گیا۔ کیونکہ بنوسلیم مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہے تھے۔ اس سریہ کی قیادت ابوالعوجاء نے کی جو پچاس ساتھیوں کے ساتھ پیادہ ہو گئے۔ لڑائی میں ابوالعوجاء اپنے ساتھیوں سمیت شہید ہوئے۔ (۳۸)

صلح حدیبیہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے تبلیغ کا کام عرب کی سرحدوں سے باہر تک پھیلا دیا تھا اور اردگرد کے حکمرانوں کو دعوتی خطوط ارسال کر کے تحریکِ اسلامی کو ایک بین الاقوامی حیثیت دے دی تھی۔ حضور ﷺ نے ایک سفیر حارث بن عمیر ازدی کو حاکمِ بصریٰ شرجیل بن عمرو غسانی کی طرف بھی دعوتی

Marfat.com

خط بھیجا تھا۔شرجیل نے آپ ﷺ کے سفیر کو نہایت بے دردی سے شہید کر دیا۔سفیر کا قتل بین الاقوامی قانون کی رو سے اعلانِ جنگ کے مترادف سمجھا جاتا ہے۔دنیا کی وحشی سے وحشی قوم نے بھی سفیر کے قتل سے احتراز کیا ہے۔رومیوں کے اس وحشیانہ اقدام کا جواب نہ دینا صحیح حکمتِ عملی نہ ہوتی۔چنانچہ آپ ﷺ نے زید بن حارثہ کی قیادت میں تین ہزار کا لشکر روانہ فرمایا۔معان نامی جگہ پر پہنچنے کے بعد معلوم ہوا کہ ہرقل ایک لاکھ فوج لے کر مقام قاب میں، جو بلقاء میں شامل ہے خیمہ زن ہے۔اسلامی فوج آگے بڑھنے کا فیصلہ کرتے ہوئے بلقاء کی سرحد پر موتہ کے مقام تک پہنچ گئی۔لڑائی میں امیرِ لشکر زید بن حارثؓ اوران کے نائبین جعفر بن ابی طالبؓ،عبداللہ بن رواحہؓ شہید ہوئے تو خالد بن ولیدؓ نے کمان سنبھال لی اور خوب مقابلہ کیا اور اپنی فوج کو دشمن کی بھاری فوج کے گھیرے سے بحفاظت مدینہ لے آنے میں کامیاب ہو گئے۔دشمن کی زیادہ تعداد، غیر ملکی علاقہ، نئے حالات، رسد کے انتظام میں مشکلات اور کمک کے پہنچنے کی کم امید ہوتے ہوئے یہ خالد بن ولیدؓ کا ہی کارنامہ تھا کہ فوجوں کو محفوظ طور پر واپس لے آئے۔اسی لئے حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ

''یہ بھگوڑے نہیں بلکہ پلٹ کر دوسرا حملہ کرنے والے ہیں
اگر اللہ نے چاہا۔''(۳۹)

موتہ کی اس مہم کا یہ فائدہ ہوا کہ سرحدی قبائل کے دلوں میں یہ بات بیٹھ گئی کہ روم جیسی بڑی طاقت کا مقابلہ کرنے کی ہمت کرنے والی بھی ایک قوت پیدا ہو چکی ہے اور اب مسلمانوں کی مخالفت بھی کوئی آسان کام نہ ہوگا۔ایک لاکھ رومی فوجیوں کے مقابلے میں محض تین ہزار کے اسلامی لشکر کا ٹھہراؤ کوئی معمولی بات نہ تھی۔اس سے قریش پر بھی مسلمانوں کی عسکری دھاک بیٹھ گئی جو رومیوں کے مقابل آنے کا سوچ بھی نہ سکتے تھے۔نیز غسانی حکمران کو بھی یہ احساس ہو گیا کہ اسلامی حکومت کے خلاف کوئی کارروائی خطرناک نتائج پیدا کر سکتی ہے۔

اس مہم کے اگلے ماہ بنو قضاعہ کے متعلق خبر ملی کہ وہ حملہ کی تیاریاں کر رہے ہیں۔یہ علاقہ اسلامی ریاست کے حق میں برسوں خطرناک رہا۔عمرو بن العاصؓ تین سو کا دستہ لے کر ذات السلاسل کے مقام پر پہنچے جہاں حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ مزید دو سو کو لے کر امداد کے لئے جا ملے۔یہ مہم بڑی کامیاب رہی۔عذرہ، بلی اور بہراء کی کچھ شاخوں نے نہ صرف اسلامی حکومت اور ریاست کی دوستی کا دم بھرا بلکہ کچھ لوگوں نے اسلام قبول کیا۔اس طرح اسلامی حکومت کا حلقہ اثر اور وسیع ہو گیا۔(۴۰)

صلحِ حدیبیہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ایسے سیاسی وفوجی اقدامات اٹھائے کہ اسلامی ریاست مضبوط و مستحکم ہوتی گئی اور اس کے حلیفوں میں اضافہ ہوتا گیا۔خیبر کی فتح سے یہودیوں کی قوت کا

Marfat.com

استیصال کر دیا گیا تھا اور بعض دیگر مہمات کے ذریعے قبائلِ عرب کی اسلامی ریاست کے خلاف سرگرمیوں کی کسی حد تک روک تھام کر دی گئی تھی۔ تیسری اور اصل قوت قریشِ مکہ کی تھی جس پر غلبہ پانا ابھی باقی تھا۔

اس راہ میں بظاہر رکاوٹ معاہدۂ حدیبیہ کے تحت دس سال تک جنگ نہ کرنے کی شق تھی۔ حضور ﷺ عہد شکنی کا ارتکاب کر کے مکہ پر چڑھائی کا سوچ بھی نہ سکتے تھے۔ لیکن یہ رکاوٹ خود قریش نے دور کر دی اوز بے تدبیری اور ناقص حکمتِ عملی نے صورت حال کو انکے لئے بد سے بدتر بنا دیا۔ قبیلہ بنو بکر اور خزاعہ میں مدت سے رقابت چلی آ رہی تھی۔ اس دوران وہ اتنی بڑھی کہ بنو بکر نے قریش کی حمایت اور مدد سے خزاعہ پر اچانک دھاوا بول دیا اور ان کے کئی آدمی مار ڈالے۔ معاہدۂ حدیبیہ کی ایک شق کے مطابق خزاعہ مسلمانوں کے حلیف تھے چنانچہ انہوں نے اس ظلم کے خلاف رسولِ کریم ﷺ سے فوجی و اخلاقی مدد چاہی جو معاہدہ کے مطابق آپ ﷺ پر لازم تھی چنانچہ آپ ﷺ نے ان کی حمایت کرتے ہوئے قریش کے پاس اپنا نمائندہ بھیجا کہ ذیل کی شرائط میں سے کوئی ایک قبول کر لیں۔

۱۔ بنی خزاعہ کے مقتولین کا خون بہا ادا کریں۔

۲۔ بنو بکر کی حمایت سے ہاتھ اٹھا لیں۔

۳۔ اعلان کر دیں کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا۔

قریش نے تیسری شرط قبول کرتے ہوئے معاہدۂ حدیبیہ توڑنے کا اعلان کر دیا۔ مگر ایک طبقہ نے اس کے خطرناک نتائج کو جب محسوس کیا تو تجدیدِ معاہدہ کیلئے ابوسفیان بن حرب کو مدینہ بھیجا مگر ساری کوششیں بیکار گئیں۔ آنحضرت ﷺ نے دس ہزار مجاہدین کا لشکر تیار کیا اور نہایت محتاط طریقے سے ''حبسِ طریق'' کرتے ہوئے مکے کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ ﷺ نے اپنا مقصد اپنی فوج پر ظاہر نہیں کیا۔ بلکہ نامعلوم راستوں سے ہو کر مکہ کے نواح تک پہنچ گئے۔ قریش نے اطلاع ملنے پر تحقیقِ احوال کیلئے ابوسفیان وغیرہ کو بھیجا۔ مسلمانوں کا لشکر جب مکہ کی طرف بڑھا تو آنحضرت ﷺ نے اسلامی لشکر کے فوجی مظاہرہ کی ایسی حکمتِ عملی اپنائی کہ ابوسفیان کی آنکھیں کھل گئیں۔ حضور ﷺ نے تمام دستوں کو باری باری ابوسفیان کے سامنے سے گزرنے کا حکم دیا تھا کہ وہ دیکھ سکے یہ ان جیالوں کا لشکر گراں ہے جو کفار مکہ کی ایذا رسانیوں سے تنگ آ کر مدینہ ہجرت کر گئے تھے اور آج مکہ کی طرف فاتحانہ یلغار کر رہے تھے۔ مگر شہر میں داخلے کا حکم دیتے ہوئے آپ ﷺ نے اسلامی لشکر کو تاکید کر دی کہ

۱۔ جو شخص خانہ کعبہ میں پناہ گزین ہو جائے اسے قتل نہ کیا جائے۔

۲۔ جو اپنے گھر میں بیٹھ رہے اس کی جان نہ لی جائے۔

۳۔ جو ابوسفیان یا حکیم بن حزام (حضرت خدیجہ کے بھتیجے) کے ہاں پناہ گزین ہو جائے اسے نہ

Marfat.com

[illegible]

> [illegible] آپ ﷺ فاتح [illegible] اس وقت جھکا ہوا تھا [illegible] آپ کی قوت [illegible] چوٹی پر تھی [illegible] عجیب فاتح تھا جو دشمنوں کے قتل و غارت [illegible] اپنی فوج کو اس کام سے منع کرتا ہے اور کفار کو امن کا تحفہ دیتا ہے۔ کیا دنیا نے کبھی ایسا فاتح دیکھا تھا؟ دیکھ سکے گی! کلا ثم کلا؟ (۴۱)

قریش کی تاریخ ظلم و جنگ کو سامنے رکھتے ہوئے کوئی دشمن بھی اس سلوک کا تصور بھی نہیں کر سکتا جو حضور ﷺ نے یہ اعلان کرتے ہوئے قریش سے کیا کہ

''تم پر آج کچھ گرفت نہیں۔ جاؤ تم آزاد ہو۔''

فتح مکہ سے قریش کی سیاسی خود مختاری اور بالا دستی ختم ہوئی اور اسلام کی راہ میں ایک بڑی

Marfat.com

رکاوٹ دور ہوگئی۔ بہت سے عوامی حلقوں میں یہ اعتقاد موجود تھا کہ مکہ میں صرف وہی غالب ہوسکتا ہے جو حق پر ہے اور جسے خدا کی تائید حاصل ہو۔اس اعتقاد کے مطابق بھی اسلامی قوت حق پر ثابت ہوئی اور حضورﷺ کی قیادت کو تسلیم کیا جانے لگا۔فتحِ مکہ کے بعد اکثر قریش کے اسلام قبول کرنے پر عرب کے ان قبائل میں شدید پریشانی پیدا ہوئی جو مسلمانوں کے حلیف نہ تھے۔ان میں ہوازن اور ثقیف کے قبائل تھے جو طائف اور مکہ کے درمیان آباد تھے۔ان قبائل کو اپنی کثیر طاقت ،فوجی صلاحیت اور تجربہ کار قیادت کا غرور تھا اور اس غرض سے کہ مسلمانوں کی فوجی قوت کا خاتمہ کر دیں اور قبل اس کے کہ مسلمان حملہ آور ہوں ان پر ایک زوردار حملہ کر کے ان کے عزم وثبات کو متزلزل کر دیا جائے کہ پھر وہ جنگ کے قابل نہ رہیں مقام اطاس میں ایک لشکرِ عظیم جمع کر لیا۔رسول اللہﷺ بھی ان فوجی تیاریوں کی تصدیق کے بعد بارہ ہزار مجاہدین کے ہمراہ مکہ سے روانہ ہو کر وادی حنین پہنچے جہاں پہلے سے کمین گاہوں میں چھپے ہوئے دشمنوں نے نکل کر تیر اندازی اور شدید حملے شروع کر دیئے۔اس اچانک حملے سے مسلمان منتشر ہونا شروع ہو گئے۔جس سے بڑی ہزیمت اٹھانا پڑی۔انتشار اور عام بدحواسی کے باوجود رسول اللہﷺ نے استقلال وشجاعت سے مسلمانوں کی ہمت بندھائی اور مسلمانوں کی قوت کو دوبارہ مجتمع کرنے میں کامیاب ہو گئے اور ایسا زوردار حملہ کیا کہ دشمنوں کو شکستِ فاش ہوئی۔دشمنوں کا بہت جانی و مالی نقصان ہوا۔چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار بکریاں، چار ہزار اوقیہ چاندی اور چھ ہزار جنگی قیدی مسلمانوں کے قبضہ میں آئے۔

ہوازن کے شکست خوردہ افراد نے طائف کے قلعہ میں پناہ لے لی اور اسلامی لشکر نے ان کا محاصرہ کر لیا۔محاصرہ طویل ہونے پر بھی بنوثقیف کے محصورین پر کوئی اثر نہ ہوا تو آپﷺ نے نئی حکمتِ عملی اپناتے ہوئے یہ اعلان کر دیا کہ وہ غلام جو طائف والوں کی طرف سے ہمارے پاس آجائے گا اسے آزاد کر دیا جائے گا۔اس طرح بیس کے قریب آدمی آپﷺ کے پاس پہنچ گئے۔ان سے معلوم ہوا کہ بنو ثقیف والوں کے پاس خوارک کا وافر ذخیرہ موجود ہے اور وہ محاصرہ کی طوالت کو برداشت کر سکتے ہیں تو آپﷺ نے ایک ماہ بعد محاصرہ اٹھایا اور بنوثقیف کے معاملہ کو کسی دوسرے وقت پر چھوڑ دینے کا فیصلہ کر لیا۔بعد میں بنوہوازن کی درخواست پر ان کے قیدی واپس کر دیئے گئے۔رسول اللہﷺ کے اس فیاضانہ برتاؤ کا اثر طائف والوں پر بھی ہوا اور ایک سال کے اندر اندر وہ بھی دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔

یہ آخری بڑی جنگ تھی، جو عرب میں مسلمانوں نے کفار کے ساتھ لڑی۔اب اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پورا وسطی ومرکزی جزیرہ نمائے عرب اسلامی ریاست کے دائرہ اقتدار میں آگیا اور یہ اسلام کی فتح تھی جو اسلامی ریاست کی کامیابی سے کہیں زیادہ وسیع، دیرپا اور شاندار تھی ـــــــ!

Marfat.com

مکہ اور ہوازن کی فتح کے بعد جزیرہ نمائے عرب میں اسلام اپنے پاؤں مضبوطی سے جما چکا اور حضورﷺ اندرونِ عرب نشر و اشاعت اسلام کی طرف سے یکسو اور مطمئن ہو گئے تو آپﷺ نے باہر کے ان علاقوں کی طرف توجہ دینا ضروری سمجھا جو رومی شہنشاہیت کے سامنے اپنی کمزوری کے باعث سرنگوں تھے اور اس کی بالادستی قبول کرنے پر اپنے آپ کو مجبور پاتے تھے۔ یہ وہ قبائل تھے جن میں اسلام پھیلنے کے مواقع پیدا ہو چکے تھے مگر رومی شہنشاہیت دعوت و تبلیغِ اسلام کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ بنی ہوئی تھی اور تمام وسائل و ذرائع بروئے کار لا کر اسلام کو اس منطقے میں پھیلنے سے روکنا چاہتی تھی۔ غسانی کے ہاتھوں مسلمان سفیر کے قتل کے نتیجے میں ہونے والی جنگِ موتہ اسی وجہ سے تھی۔ موتہ کے واقعات بھی حضورﷺ کے سامنے تھے۔

رومیوں کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی عظمت و اہمیت کو ختم کیا جائے جو رومی حکومت کو چیلنج کر رہی تھی کہ وہ عرب پر غالب آ کر رہے گی۔ حالانکہ پہلے یہی عرب روم کے باجگزار اور ماتحت تھے۔ اس کے علاوہ شام کے علاقہ میں دعوتِ اسلام کی ترویج سے بھی پریشان تھے۔ ان مقاصد کو حاصل کرنے کیلئے رومیوں نے عرب قبائل لخم، جذام، غسان اور عاملہ کی مدد سے مدینہ پر ایک بہت بڑے حملے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ رجب ۹ھ میں شام سے آنے والے قافلے نے آپﷺ کو اس کی اطلاع دی۔ بعض دوسرے ذرائع نے بھی جن میں مسلمان جاسوس بھی شامل تھے۔ اسلامی ریاست پر رومی حملے کا خدشہ ظاہر کیا۔ حضورﷺ نے سرحد پر ہی دشمن کو روکنے کی غرض سے جنگ کیلئے تمام تیاریوں کا حکم دے دیا۔ یہاں آپﷺ نے اپنی سابقہ حکمت عملی کو تبدیل کرتے ہوئے جنگی تیاریوں کو راز میں نہیں رکھا۔ تیس ہزار کی اسلامی فوج پیش قدمی کرتی ہوئی تبوک میں خیمہ زن ہوئی۔ آپﷺ کے اس جرأت مندانہ اور بروقت اقدام سے رومی فوجوں کو مقابلے پر آنے کی جرأت نہ ہوئی اور وہ اسی خاموشی کے ساتھ بکھر گئے جس احتیاط و خاموشی کے ساتھ وہ جمع ہوئے تھے۔

تبوک میں آپﷺ نے ڈیڑھ ماہ تک قیام کیا۔ اس دوران ایلہ کا سردار یوحنا حاضر ہوا اور دومۃ الجندل کا رئیس اکیدر قیصر روم کا باجگزار تھا۔ اس کی طرف حضورﷺ نے خالد بن ولیدؓ کی قیادت میں ایک مہم روانہ کی۔ اکیدر گرفتار ہوا اور اس سے جزیہ لینے پر مصالحت ہوئی۔ محمود خطاب شیت نے تبوک کی جنگ کو اجماعی جنگ کہا اور لودندروف کی کتاب ''پوری قوم میدانِ جنگ میں'' کے حوالے سے لکھا ہے کہ

> ''اس زمانہ کی نئی جنگیں صرف لشکر اور فوج کی جنگیں نہیں رہ گئی ہیں۔ یہ جنگیں اب اجماعی رنگ اختیار کر گئی ہیں۔ ایک

Marfat.com

قوم دوسری قوم کے خلاف اپنی ساری قوتوں سے جنگ لڑتی ہے۔اس لئے ضروری ہے کہ پوری جماعت اپنی تمام قوتیں عقلی ادبی اور مادی جنگ کی خدمت میں صرف کردے اور یہ طاقتیں آئندہ جنگ کے لئے تمہید بن جائیں ـــــــ جنگ وسیلہ ہے مقصود نہیں۔اس لئے نہایت ضروری ہے کہ پوری قوم کو جنگ کیلئے تیار کیا جائے اور پوری قوم ہر وقت تیاری میں مصروف رہے۔''

تبوک کی جنگ کیلئے حضور ﷺ نے عام تیاری کا حکم دیا تھا اور جنگی چندہ جمع کر کے ہر ایک کو اس میں شریک کیا تھا۔جدید دور کی اجماعی جنگوں اور مسلمانوں کی اس جنگ میں ایک بہت بڑا فرق یہ ہے کہ مسلمانوں کی جنگ دفاعی جنگ تھی۔جس کا مقصد اسلام کی نشر واشاعت اور اس کے ارکان کی تکمیل اور پختگی تھا۔بلاشبہ یہ جنگ ہر لحاظ سے جوانمردی کی جنگ تھی اور اس میں اقدارِ انسانی اور انسانی مجد وشرف کو پورے طور پر محفوظ رکھا گیا۔(۴۲)

غزوۂ تبوک میں خون کا ایک قطرہ بھی نہ بہا لیکن فتح ونصرت کے تمام فوائد حاصل ہو گئے۔ طویل سفر لمبے کوچ اور رستے کی دشواریوں سے اسلامی فوجوں کی تربیت ہوئی اور ان کا مورال بلند ہوا۔رومیوں پر مسلمانوں کی قوت ظاہر ہوئی اور عربوں پر ان کا پرانا خوف ختم ہوا۔رسول اللہ ﷺ سے پہلے عرب اپنی حدود کے اندر بھی روم کی جفا کاریوں کو روکنے کا سوچ بھی نہ سکتے تھے۔جنگ تبوک کے بعد سوچ کا یہ عنصر ختم ہوا بلکہ مسلمانوں کے سرحد پر جا کر مختلف قبائل کے وفود آپ ﷺ کے پاس پہنچنا شروع ہو گئے تا کہ وہ اپنے اسلام لانے کا اظہار کر سکیں اور اسلامی ریاست سے وفاداری کا اعلان کر سکیں۔غزوہ تبوک سے ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ علاقہ کے قبائل ایلہ، دومۃ الجندل وغیرہ سے صلح کے معاہدات ہونے پر جزیرۃ العرب کے تعلقات شام کے علاقے سے پیدا ہو گئے۔جس سے یہاں اسلام کے پھیلاؤ کی راہیں پیدا ہو گئیں۔

عہدِ نبوی ﷺ میں جنوبی عرب کے قبائل نے اسلامی ریاست کے ساتھ اپنے تعلقات معاہدات کے ذریعے استوار کئے تھے یا قبولِ اسلام کے ذریعہ۔اس لئے اس علاقے میں فوجی کارروائی نہیں کی گئی۔چند ایک مہمات صفر ۹ھ (مئی، جون، ۶۳۰ء) اور ربیع الاول ۱۰ھ میں حضرت خالد بن ولیدؓ اور حضرت علی بن ابی طالبؓ کی سرکردگی میں تبلیغی مشن پر روانہ کی گئی تھیں۔قبیلہ مذحج سے حضرت علیؓ کی معمولی جھڑپ ہوئی تھی۔قبولِ اسلام کے بعد حضرت علیؓ نے ان کا مال اور قیدی واپس کر دیئے تھے۔اس

Marfat.com

طرح قبیلے کے غیر مسلم افراد کے بھی دل جیت لئے تھے۔

حضورﷺ نے اسامہ بن زیدؓ کی قیادت میں ۲۶ صفر ۱۱ ہجری کو شام کی طرف ایک لشکر کی تیاری کا حکم دیا تھا۔ یہ آخری مہم تھی جس کی روانگی کا آپﷺ نے حکم دیا۔ لیکن حضورﷺ کی وفات کی خبر سن کر یہ روانگی ملتوی ہوگئی تھی۔

حضورﷺ کی جنگی سرگرمیوں کا مقصد دائمی امن وسلامتی کے سوا کچھ نہ تھا۔ مگر مستشرقین حق و باطل کی اس آویزش کو مخصوص عینک سے دیکھتے ہیں۔ وہ کفارِ مکہ کی زیادتیوں، یہودان مدینہ کی عہد شکنیوں اور دشمنانِ اسلام کے تباہ کن عزائم کو کلیتہً نظر انداز کر دیتے ہیں اور ان قوتوں کے مظالم اور شرارتوں کے جواب میں مسلمانوں نے جو کارروائیاں کیں، انہیں ظالمانہ کارروائیاں قرار دیتے ہیں۔ حضورﷺ نے ریاستِ مدینہ کے دفاع کیلئے مختلف مقاصد کے تحت مہمیں بھیجنے کا جو نظام وضع فرمایا تھا، وہ ان مہموں کو ڈاکے قرار دیتے ہیں۔ وہ اہلِ مکہ کی تیرہ سالہ کارروائیوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور کفارِ مکہ کے مظالم اور جارحیت کے جواب میں مسلمانوں نے جو کارروائیاں کیں انہیں ظالمانہ کارروائیاں قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مسلمانوں کی یہ کارروائیاں اشتعال انگیز تھیں۔ وہ اسیرانِ بدر کے ساتھ مسلمانوں کے بے نظیر رحمانہ سلوک کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور جن دو قیدیوں کو ان کے تاریک کارناموں کی وجہ سے موت کی سزا دی گئی تھی، ان کے کیس کو اسلام پر دہشت گردی کا الزام لگانے کیلئے استعمال کرتے ہیں۔ (۴۳)

وہ کعب بن اشرف اور اس جیسے کینہ پرور یہودیوں کی اسلام کے خلاف معاندانہ کارروائیوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور اپنی شرارتوں کی جو سزا ملی، اس کی وجہ سے اسلام کو بدنام کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مدینہ کے یہودی قبائل کے ساتھ حضورﷺ نے جو مصالحانہ رویہ اپنایا تھا، مستشرقین اس کو بھی خاطر میں نہیں لاتے، یہودیوں نے مسلمانوں کے ساتھ کیے گئے وعدے توڑ کر ان کے خلاف بار بار دشمن کی جو مدد کی، وہ بھی ان کی توجہ کو اپنی طرف مبذول نہیں کر سکتی لیکن یہودی قبائل کو ان کی مسلسل عہد شکنیوں کی جو سزا ملی، اس کو ظالمانہ کارروائی کہہ کر مستشرقین پیغمبرِ اسلامؐ کے دامنِ رفعت و رحمت پر تشدد پسندی کا الزام لگاتے ہیں (۴۴) منٹگمری واٹ نے اپنی مختلف تحریروں میں زور شور سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ہجرت کے بعد مسلمانوں کا کوئی معقول ذریعہ معاش نہ تھا۔ اس لئے انہوں نے عربوں کے دستور کے مطابق تجارتی کاروانوں کو لوٹنے اور مختلف قبائل پر ڈاکے ڈالنے کا پیشہ اختیار کر لیا۔ وہ لکھتا ہے۔

" As These expeditions,even that to Badr,were razzias,where the aim was to capure booty without under danger

Marfat.com

to oneself."

''بدر کی مہم سمیت یہ مہمیں ڈاکے تھے اور ان کا مقصد یہ تھا کہ
غیر ضروری خطرات مول لئے بغیر مال غنیمت اکٹھا کیا
جائے۔''

ٹا انڈرائے بھی منٹگمری واٹ کی طرح ڈاکہ زنی مسلمانوں کا ذریعہ معاش قرار دیتے ہوئے لکھتا ہے۔(۴۵)

"The Method, then which the Prophet employed in order to provide sustenance for himself and all his companions,was that of plundening the carvans which passed Medina on the way to or
from Syria"

(پیغمبر نے اپنی اور اپنے صحابہ کی ضروریات زندگی پوری کرنے کیلئے جو طریقہ اپنایا وہ ان تجارتی کاروانوں کو لوٹنے کا تھا جو شام جاتے ہوئے یا شام سے واپس آتے ہوئے مدینہ کے پاس سے گزرتے تھے۔)

مندرجہ بالا اقتباسات کی رو سے مستشرقین نے اسلامی غزوات وسرایا کو ڈاکوں کا نام دیا ہے اور اسلام کے خلاف اس الزام کو ثابت کرنے کیلئے دلیل یہ دی ہے کہ ڈاکے ڈالنے اور دوسروں کے اموال چھیننا عربوں کا عام معمول تھا۔ مدینہ طیبہ میں مسلمانوں کے سامنے چونکہ کوئی اور ذریعہ معاش نہ تھا اس لئے عربوں کے تمام دستور کے مطابق انہوں نے بھی ڈاکہ زنی کو ہی اپنا پیشہ بنالیا۔ مستشرقین کا یہ شوشہ متعدد وجوہات کی بنا پر بے بنیاد ہے۔ اولاً یہ کہ اسلام نے مسلمانوں کو جہاد کی اجازت ڈاکے ڈالنے کیلئے نہیں دی تھی بلکہ یہ اجازت انہیں زمین سے فتنہ وفساد کو ختم کرنے اور دعوتِ دین کے راستے سے ہر قسم کی رکاوٹوں کو ختم کرنے کی خاطر دی تھی۔ جن آیاتِ کریمہ میں مسلمانوں کو جہاد کی اجازت دی گئی تھی انہی میں یہ حکم بھی دیا گیا تھا کہ کسی پر ظلم نہ کرنا کیوں کہ اللہ تعالیٰ ظلم اور زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

اسلام نے مسلمانوں کو فتنہ وفساد کے ختم ہونے تک قتال کو جاری رکھنے کا حکم دیا تھا۔ اس نے

Marfat.com

مسلمانوں کو یہ حکم نہیں دیا تھا کہ وہ خود زمین پر فتنہ وفساد کی آگ بھڑکائیں۔ اگر مسلمان ڈاکوں کو اپنا ذریعہ معاش بناتے اور دوسروں کا مال لوٹ لینے کو جائز سمجھتے تو زمین پر فتنہ وفساد برپا ہوتا اور اسلام کی نظر میں زمین پر فتنہ وفساد برپا کرنا ایک بہت بڑا جرم ہے۔ اسلام نے اس کی جو سزا مقرر کی ہے وہ اتنی عبرت ناک ہے کہ اسلام کے نقاد اس کی سزا کو انتہائی ظالمانہ قرار دیتے ہیں۔ مسلمان اپنی زندگی بسر کرنے کیلئے تجارتی قافلوں کے مال کی طرف نہیں دیکھ رہے تھے بلکہ انہوں نے حالات کے مطابق تجارت اور محنت مزدوری کر کے رزقِ حلال کمانے کی کوششیں شروع کر دی تھیں۔ غزوات وسرایا کے عنوان سے مستشرقین نے حضور ﷺ پر جتنے الزامات لگائے ہیں وہ سب بے بنیاد ہیں۔ وہ غزوات یا سرایا نہ تو دشمن کو مشتعل کرنے کیلئے تھے نہ یہ ڈاکے تھے اور نہ ان کا مقصد لوگوں کو بزورِ شمشیر مسلمان بنانا تھا بلکہ یہ غزوات وسرایا ایک ایسی قوم کی دفاعی حکمت عملی کا حصہ تھے جسے چاروں طرف سے خونخوار دشمنوں نے گھیر رکھا تھا، لیکن وہ قوم دشمنوں کے اس ہجوم کے درمیان عزت اور وقار کے ساتھ زندہ رہنا چاہتی تھی صرف اپنے لئے نہیں بلکہ ساری انسانیت کی خاطر زندہ رہنا چاہتی تھی۔ (۴۶)

بین الاقوامی اسلامی قوانینِ صلح وجنگ کی تشکیل

حضور پاک ﷺ کے مذکورہ تمام جنگی اقدامات کے تفصیلی مطالعہ سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ آپؐ کی تمام کارروائیاں اور غزوات مدافعانہ تھے جس کا مقصد اسلامی ریاست کا دفاع، تبلیغِ اسلام کی راہ میں روڑے اٹکانے والوں کی بیخ کنی اور فتنہ وفساد کا خاتمہ تھا۔ حضورؐ نے جو غزوات لڑے یا سرایا بھیجے نتائج کے اعتبار سے ان میں وہ تمام مقاصد پورے ہوئے جو آپؐ کے پیشِ نظر تھے۔ رسولؐ اللہ کے غزوات وسرایا کے چند ایسے پہلو بھی ہیں جو بین الاقوامی اہمیت کے حامل ہیں۔ آپؐ نے جن سیاسی حالات میں جنگی اقدامات کئے اور اس سلسلے میں جو حکمتِ عملی اختیار کی بلکہ پورے جنگی نظریات تک کو بدل کر رکھ دیا جو اس وقت مختلف مذاہب اور خطوں میں رائج تھے اور اسلام کے بین الاقوامی قوانینِ صلح و جنگ کی بنیاد قائم کی اور ان کو وضع کیا۔

آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پہلے چار بڑے مذاہب میں رائج جنگی نظریات کے مطالعہ سے واضح ہو جاتا ہے کہ رسولؐ اللہ نے اس سلسلے میں کیا اصلاحات فرمائیں۔

مسئلہ جنگ کے لحاظ سے ان مذاہب کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ مذاہب ہیں جنہوں نے جنگ کو جائز روا رکھا ہے۔ اس میں ہندومت اور یہودیت شامل ہیں۔ دوسری قسم ان مذاہب کی ہے جنہوں نے ظلم وتشدد، فتنہ وفساد کے سدِباب اور امن وامان کو بحال کرنے اور انسانیت کی فلاح و بہبود کے لئے

Marfat.com

بھی جنگ کو ظالمانہ اور ناجائز فعل قرار دیا۔ ان میں بدھ مت اور مسیحیت شامل ہیں۔

ہندومت کا نظریۂ جنگ

اس مذہب کی تاریخ وتدوین کے متعلق جاننا ازبس مشکل ہے۔ کیونکہ ہندوؤں کے ہاں کوئی مرکزی عقیدہ نہیں ملتا۔ مختلف گروہ مختلف الخیال طبقات، شعائر اور عبادات کو جو بالکل ایک دوسرے کی ضد ہیں اس ہندومت میں شامل کر دیا گیا ہے۔ تاہم جدید ہندوؤں نے چاروں ویدوں، گیتا اور منوسمرتی کو مذاہب کی بنیاد و اساس کے طور پر قبول کر لیا ہے۔ وید اس زمانے کی تصنیف ہے جب آریہ قوم وسط ایشیا سے نکل کر ہندوستان پر حملہ آور ہوئی تھی اور ان کا مقابلہ ہندوستان کے اصلی باشندوں دراوڑوں، بھیل اور دوسری قوموں سے ہوا تھا۔ آریہ چونکہ بلند قامت اور خوبصورت تھے اس لئے وہ ہندوستان کے مقامی باشندوں جن کے رنگ کالے تھے اور بدصورت تھے کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ ویدوں میں ان کی بنائے مخاصمت اور وجودِ دشمنی کو بصورت نظم پیش کیا گیا ہے۔ گیتا اس زمانے کی تصنیف ہے جبکہ آریوں کا تسلط پورے شمالی ہند پر قائم ہو چکا تھا اور ہندو تہذیب وتمدن انتہائی عروج پر تھی تو تفوق و برتری کیلئے خود آریوں کے دو با اثر خاندانوں میں کشمکش شروع ہو گئی تھی۔ اس کتاب میں کرشن مہاراج ہندوؤں کے عظیم پیشوا نے جنگ کے متعلق اپنے فلسفیانہ افکار و خیالات پیش کئے ہیں۔

منوسمرتی، اس دور میں تصنیف ہوئی جبکہ سارا ہندوستان آریہ ورت بن چکا تھا اور مقامی باشندوں کا قلع قمع کر دیا گیا تھا اور آریائی تہذیب پورے عروج پر تھی۔ اس کتاب میں جنگ کے قواعد و ضوابط اور مفتوح اقوام کے حقوق و فرائض کے متعلق بہت کچھ تفصیلات ملتی ہیں۔ ان مذکورہ کتابوں کے کچھ اقتباسات ہندوؤں کے جنگی نظریات کی عکاسی کرتے ہیں۔

(۱) ''اے اندر! ہم کو خوب دولت اور خوراک جمع کر لینے دے۔ ہم بہادروں کی سی قوت پیدا کر لیں جو مویشی اور گھوڑے حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔''

(رگ ویدا، ۵۳ : ۴، ۵)

''اے اندر! جب میدانِ جنگ گرم ہو تو ہمارے پاس مال و دولت کے جمع کئے ہوئے خزانے لا، ہمارے حریفوں کے ہتھیار توڑ دے۔ ہمیں مال و دولت عطا کر۔ اے بہادر! ہم فتح یاب ہوں۔ مالِ غنیمت حاصل کریں۔''

Marfat.com

(رگ ویدا :۲۵ :۲ ، ۳، ۵، ۶)

''جب اچھے نقشے کے ساتھ بہادر لوگ فوج کو آگے بڑھاتے ہیں تو وہ باقاعدہ جنگ میں فتح حاصل کرتے ہیں اور شہرت و ناموری کی تلاش میں بڑھتے ہیں اور دباتے چلے جاتے ہیں۔''

(رگ ویدا :۱۷۴ :۱۰)

''روئے زمین کے جو حکمران ایک دوسرے کو نیچا دکھانے یا قتل کرنے کی خواہش سے اپنی تمام قوت کے ساتھ جنگ کرتے ہیں اور کبھی منہ نہیں موڑتے وہ مرنے کے بعد سیدھے بہشت کی طرف جاتے ہیں۔'' (منو:۷ :۸۹)

راجہ کا خالص فرض یہ ہے کہ ممالک فتح کرے اور جنگ سے کبھی نہ ٹلے۔'' (منو:۱۰ :۱۱۹)

''ہر بد قتل کر دے اور جو کوئی ہم کو خفیہ طریقوں سے تکلیف پہنچائے اسے برباد کر۔'' (رگ ویدا :۲۹ :۷)

''پس اے دیوی گائے! اپنی سوگرہوں والی بان سے جو استرے کے پھل کی طرح تیز ہے، ہلاک کر، اس کے سر کو کندھوں سے الگ کر دے، اس کے سر کے بال نوچ ڈال، اس کے بدن کی کھال کھینچ لے، اس کے پٹھے کھینچ لے، اس ڈھانچے پر سے گوشت کی بوٹی بوٹی اتار لے، اور اس کے سب اعضا اور جوڑوں کو الگ کر دے۔''

(اتھروید ۱۲:۵:۶۵ (۴۷)

مذکورہ اقتباسات واضح کرتے ہیں کہ آریوں کے نزدیک جنگ کا کوئی بلند وارفع اخلاقی مقصد نہ تھا اور نہ یہ جنگیں کبھی مذہب کی اشاعت کیلئے لڑی گئی تھیں۔ ان کا واضح نصب العین مقامی باشندوں کو کلیتاً ختم کر کے ان کے اموال و مویشی پر قبضہ کرنا تھا۔ گویا ان کی جنگوں کا مقصد مال غنیمت، لوٹ غارت گری، شہرت و ناموری کی خواہش، ہوس قوت و اقتدار و ملک گیری، انتقام و وحشت و بربریت اور قتل انسان کے سوا کچھ نہ تھا۔

Marfat.com

یہودی مذہب میں جنگ

یہودیت کی مرکزی اور بنیادی تعلیم کی ماخذ ان کی کتاب تورات موجود ہے جس سے ہم ان کے مذہب کے احکام و قوانینِ تعلیم معلوم کر سکتے ہیں۔ اگرچہ جو توراۃ آج موجود ہے وہ درحقیقت وہ کتاب نہیں ہے جو کہ حضرت موسیٰؑ پر نازل ہوئی تھی، بلکہ وہ کتاب ہے جسے عہد عتیق (Old Testament) کہا جاتا ہے۔ توراۃ میں جنگ کے مقاصد کے حوالے سے بیان ہے کہ:

> ''اور ہم نے ان کو یعنی ان مردوں اور عورتوں اور لڑکیوں کو ہر ایک شہر میں حسینوں کے بادشاہ سیحوں کی طرح حرام کیا، لیکن سارے مویشی اور شہروں اور مال اسباب کو ہم نے اپنے واسطے لوٹ لیا۔'' (کتاب استثنا ۳:۷)

> ''اور ــــــ ہم نے کسی کو باقی نہیں چھوڑا، سوائے چار پایوں کے جنہیں ہم نے غنیمت جان کر پکڑ لیا اور اس مال کے جو ہم نے شہروں میں سے لوٹا۔''
> (کتاب استثنا ۲ :۳۵)

> ''جب تم یردن سے پار ہو کر کنعان میں داخل ہو تو تم ان سب کو جو اس زمین کے باشندے ہیں، اپنے سامنے سے بھگاؤ اور ان کی عورتوں کو فنا کر دو ــــــ ان کے سب اونچے مکان کو ڈھادو، اور ان کو جو اس زمین کے بسنے والے ہیں خارج کر دو اور وہاں آپ بسو، کیونکہ میں نے وہ سر زمین تم کو دی ہے کہ اس کے مالک بنو۔''

(کتاب اعداد ۲۳ : ۵۱ ۔ ۵۴)

گویا توراۃ میں بھی جنگ کے کسی اخلاقی مقصد کی نشاندہی نہیں کی گئی بلکہ جنگ کا مقصد ملک گیری بتایا ہے اور ایک ملک کے باشندوں کو طاقت کے زور سے مغلوب کر کے خود ان کو اور ان کے مال و اسباب کو قبضہ میں لے لینا ہے۔ پھر یہودی مذہب نے اپنے دشمنوں کو دو طبقوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ ایک وہ جنہیں خداوند نے بنی اسرائیل کی میراث میں نہیں دیا ہے دوسرے وہ جنہیں ان کی میراث میں دیا گیا ہے ان دونوں کے ساتھ ان کا الگ الگ معاملہ ہے۔ دشمنوں سے متعلق پابندی ہے کہ پہلے صلح کا پیغام دو

Marfat.com

اگر قبول کر لیں تو انہیں اپنا باجگزار بنا لو۔ اور انکار کی صورت میں ان کے مردوں کو قتل کر کے بچوں اور عورتوں کو غلام بنا لیا جائے۔

دوسرے طبقے کے دشمنوں کو وہ کسی قسم کے انسانی حقوق نہیں دیتا۔ ان کے لئے ایسی کسی شرط کی پیشکش ضروری نہیں جسے پورا کرنے پر ان کی جان بچ سکتی ہو بلکہ میراث میں دی ہوئی ''قومیں کلیتہً'' نیست و نابود کر دی جائیں۔

بدھ مت کا نظریہ

یہ ایسا مذہب ہے جو سرے ہی سے جنگ کے خلاف ہے۔ بدھ مت کے ماخذ بھی پردہ تاریکی میں ہیں کیونکہ بدھ نے اپنی زندگی میں کوئی ایسی کتاب نہیں لکھی جس میں اس کے مرتب کردہ احکام وقواعد اور اس کی تعلیم منضبط ہو اور نہ اس کی وفات کے ایک سو سال کے عرصہ میں کوئی بات ضبطِ تحریر میں لائی گئی۔ پہلی مرتبہ ویسالی میں ایک کانفرنس نے بدھ مت کے عقائد کو مرتب کرنے کی کوشش کی۔ مگر بعض بودھی علماء کے مطابق اس کانفرس نے مذہب کے بنیادی اصول ہی بدل دیئے۔ اس کے بعد چار سو سال تک مذہبی احکام کی ترتیب کا سلسلہ جاری رہا اور کنشک کے زمانہ میں اس قدر تحریف کی گئی کہ عقائد میں بنیادی تغیر نمودار ہو گیا۔ بہر حال بدھ مت کی دستیاب کتابوں میں جو تعلیمات درج ہیں ان سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس مذہب نے ہر ذی روح شے کو معصوم قرار دیا ہے چنانچہ بدھ کے دس بنیادی احکام میں پہلا حکم یہ ہے کہ ''کسی جاندار کو ہلاک نہ کرو۔''

بدھ مت نے اپنے کھلیشوں کو اتنی بھی اجازت نہیں دی کہ میدانِ جنگ میں ایک تماشائی کی حیثیت ہی سے وہ شریک ہو سکیں۔ اسی تعلیم کی وجہ سے بدھ مت دنیا میں کوئی طاقت ور تمدن قائم نہیں کر سکا۔ بدھ مذہب دنیا کے پیہم انقلابات کے باوجود زندہ رہا تو اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ وہ ایک طاقتور تہذیب رکھتا تھا بلکہ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ جابرانہ فرمانروائی کے آگے ہمیشہ سر جھکاتا رہا۔ اس نے ہمیشہ اس حکومت کی تائید کی جو اس پر قہر و غضب بن کر مسلط رہی۔ خیر و شر ازل سے موجود ہے ان کی باہمی کشمکش کا سلسلہ ہمیشہ سے جاری ہے۔ خدا کے برگزیدہ نبیوں اور رسولوں نے ہمیشہ تخریبی عناصر کی سرکوبی کی تعلیم دی ہے۔ کیونکہ باطل بار بار سر اٹھاتا ہے اور حق کے تحفظ کیلئے بار بار خون بہانے کی ضرورت لاحق ہوتی ہے۔ لیکن بدھ مذہب حق و باطل کے معرکوں میں حصہ لینے سے روکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ مذہب جنگ و جہاد کا کوئی تعمیری تصور بھی نہ دے سکا۔

Marfat.com

مسیحیت کا نظریہ

بدھ مت کی طرح اس مذہب کی اصلی تعلیم کسی قابلِ اعتماد ذریعے سے ہم تک نہیں پہنچی ہے۔ اس لئے انسانی زندگی اور جنگ وجدل کے بارے میں حضرت عیسیٰؑ کے اصل احکام کے بارے میں کچھ رائے قائم نہیں کی جاسکتی۔ اربعہ انجیل ہی مسیحیت کی تعلیم کے بارے میں معلوم کرنے کا واحد ذریعہ ہے جو چار صحیفوں متی، مرقس، لوقا اور یوحنا پر مشتمل ہے۔ اس کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیحیت دراصل سنیاس، رہبانیت اور ترکِ دنیا کا مذہب ہے۔ محبت اس کی تعلیم کی اساس ہے لیکن محبت کا جو تصور اس نے پیش کیا ہے وہ ناقابلِ عمل اور انسانی فطرت کے خلاف ہے۔ اس تصور کے تحت خدا کی ذات کے علاوہ اس کے ہر بندے سے محبت ضروری ہے خواہ وہ مفسد، شر انگیز اور ظالم ہی کیوں نہ ہوں۔ ظلم واستبداد کے استیصال کے لئے قوت اور جبر کا استعمال قطعاً ممنوع ہے۔ جنگ سے احتراز کا یہ حکم خود کوئی مستقل ضابطہ نہیں ہے بلکہ یہ رہبانیت وترکِ دنیا کی تعلیم کا ایک لازمی نتیجہ ہے۔ دراصل حضرت عیسیٰؑ نے غلامی کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی قوم کی اخلاقی حالت کو سنوارنے کا بیڑا اٹھایا تھا۔ اس مقصد کے لئے ہر وہ تدبیر اختیار کی کہ حکومتِ وقت سے کسی قسم کا تصادم نہ ہو سکے اور پھر محض ڈھائی تین سال کی مدت میں یہ کارنامہ سرانجام دے کر قوم کو جہاد فی سبیل اللہ کیلئے تیار کرنا ممکن نہ تھا۔ حقیقت میں مسیحیت خود کوئی مستقل مذہب نہیں ہے بلکہ حضرت موسیٰؑ کی شریعت کا ہی ایک تسلسل ہے۔ بہر حال ظالموں، مفسدوں اور فتنہ پردازوں کو عمداً کھلا چھوڑ دینا کوئی نیکی اور محبت نہیں ہے بلکہ یہ انسانیت پر مزید ظلم کے مترادف ہے۔

مختلف مذاہب میں جنگ کے نظریات کے مختصر جائزے کے بعد ضروری معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی بیان کر دیا جائے کہ حضور ﷺ کی بعثت کے وقت موجود دو بڑی قوتوں روم وفارس اور خود عرب کے اندر تصوراتِ جنگ کیا تھے؟

روما وفارس

بعثتِ نبوی ﷺ کے وقت دنیا کی دو عظیم الشان مملکتیں یعنی فارس اور روما الگ الگ مذہب و تہذیب کی علمبردار تھیں اور دونوں حکومتوں میں وطنی، قومی اور مذہبی تعصب نے شدید جذبۂ منافرت پیدا کر دیا تھا۔ چنانچہ ظہورِ اسلام سے قبل اور بعد ایک عرصہ تک ان میں باہم جنگ وقتال جاری رہا۔ مگر ان کے تعصبِ قومیت نے کچھ ایسی بھیانک شکل اختیار کر لی تھی کہ یہ لوگ حملہ وہجوم کے وقت مذہب اور اخلاق وشرافت کے تقاضوں کو بالکل بھول جاتے تھے۔ چنانچہ خسرو پرویز نے فلسطین پر حملہ کیا تو عیسائیوں کی عبادت گاہوں کو نذرِ آتش کر دیا اور نوے ہزار عیسائیوں کو قتل اور گرفتار کیا۔ فصلوں کو تباہ کرنا

Marfat.com

اور باغوں کو تہس نہس اور عمارتوں کو مسمار کرنا، بستیوں کو لوٹنا اور نذرِ آتش کر دینا ان کی لڑائیوں کا ایک ضروری جز وتھا اور عورتوں بچوں اور بوڑھوں، زخمیوں، بیماروں اور مذہبی پیشواؤں کو بلا امتیاز تہِ تیغ کرنا یا غلام بنا لینا ان کے ہاں بالکل جائز سمجھا جاتا تھا۔(۴۷)

عرب جاہلیت کے تصوارتِ جنگ

جنگ جنگ جنگ جنگ
اس کی آگ بھڑک اٹھی اور شعلے لپک رہے ہیں
بلندیاں اس کے شور سے معمور ہو گئی ہیں
آفرین تم پر جو صبح کے وقت سر منڈاتے ہو
(دورِ جاہلیت کا ایک شاعر)

اہل عرب فطری طور پر سخت جنگ جو اور دلیر واقع ہوئے تھے اور ان میں مسلسل جنگیں جاری رہتی تھیں۔ ان جنگوں میں جس طرح کے وحشیانہ اور اخلاق سوز افعال کا ارتکاب کیا جاتا تھا۔ ان کے تصور ہی سے دنیا کانپ اٹھتی ہے۔ عرب شاعر اپنے جنگی کارناموں کا اظہار اپنے اشعار میں بڑے فخریہ انداز سے کرتے تھے۔ چنانچہ ان کے ادبی لٹریچر سے جو بیشتر ان کے جنگی کارناموں پر مشتمل ہے ان کے مقاصدِ جنگ معلوم کیے جا سکتے ہیں۔ حوالے کیلئے چند شعر درج ہیں۔

انی لمن معشر افنی اوئلهم
قیل الکما الا این المحامونا

ترجمہ:۔ میں اس گروہ سے تعلق رکھتا ہوں جس کے سردار بہادروں کی اس پکار پر "ہاں قبیلہ ونسب کو بچانے والے کہاں ہیں" اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیتے ہیں۔

واحیانا الی بکرا خینا
اذا مالم نجد الا اخانا

ترجمہ:۔ اور بہت دفعہ ہم اپنے بھائیوں یعنی بنی بکر پر حملہ کر دیتے ہیں جبکہ اپنے بھائی کے سوا ہم دوسرے کو نہیں پاتے۔

بقرنا الحبالی من شوۃ بعد ما
خبطنا نخیف الریح نهدا و خثعما

Marfat.com

ترجمہ:۔ہم نے جوش میں حاملہ عورتوں کے پیٹ چیر ڈالے
جبکہ ہم خیف الرع میں نہد اور ضغم پر غلبہ پا چکے تھے۔

فالهم بيضات الخدو
دهناك لا النعم المواخ

ترجمہ:۔میدانِ جنگ میں ہمارا مقصد پردہ دار سفید فام
عورتیں ہوتی ہیں نہ کہ چراگاہ سے آنے والے اونٹ''

(۴۸)

مذکورہ شعروں سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے ک عرب کی تمام جنگیں لوٹ و غارت گری کیلئے ہوتی تھیں اور جن کا سبب انتقام یا تفاخر ہوتا تھا اور بغض و عداوت کی آگ ان کے وحشیانہ افعال کو ہلاکت آفرین اور قیامت خیز بنا دیتی تھی۔عورتوں کو بے پردہ کرنا، دشمنوں کی نعشوں کو گھسیٹنا، زخمیوں کے کان اور ناک کاٹ ڈالنا اور انہیں آگ میں زندہ جلانا ان کی جنگوں میں معمولی باتیں سمجھی جاتی تھیں۔اسلام سے قبل عرب کی جنگوں میں معاشی ضرورت کا پہلو زیادہ نمایاں تھا۔چونکہ زمینِ عرب کی پیداوار اس کے باشندوں کیلئے بالکل ناکافی تھی اور ان دلیر اور تنومند انسانوں کیلئے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا کہ وہ اپنے وطن سے نکل کر دوسرے ممالک کے ذرائع پیداوار سے فائدہ اٹھائیں۔چنانچہ قدیم عرب اقوام نے اس مقصد کے پیش نظر دنیا کے بیشتر ممالک پر یلغار کی اور سخت خونریزی اور سفاکی کے بعد ان ممالک کے باشندوں کو مغلوب کیا اور وہاں عظیم الشان مملکتیں قائم کیں اور جو لوگ عرب میں ہی رہ گئے تھے ان میں ہمیشہ قبائلی جنگیں جاری رہتی تھیں۔یہاں تک کہ ان کی شدید معاشی ضرورت اور جنگ جویانہ طبیعت کیلئے تین مہینوں (اَشہرِ حرام) کی پابندی بھی ناگوار تھی۔وہ اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ مسلسل تین ماہ ان کیلئے لوٹ مار ممکن نہ ہو کیونکہ ان کی معاش کا ذریعہ ہی لوٹ مار تھا۔(۴۹)

الغرض ظہورِ اسلام کے وقت مختلف مذاہب اور خطوں میں جو تصوراتِ جنگ موجود تھے وہ انسانیت کی بھلائی اور اخلاقی اصلاح پر مبنی نہ تھے۔ان تصورات کے تحت جتنی جنگیں لڑی گئیں وہ سب قبائل اور نسلی عداوت، مال و دولت کی ہوس، وسعتِ سلطنت کی خواہش اور مذہبی تعصب کی بناء پر تھیں۔لیکن محمد رسول اللہ ﷺ نے اللہ کے احکام کے مطابق اپنی جنگی حکمت عملی کے تحت ان تمام مقاصدِ جنگ کو باطل قرار دے دیا اور ایک ایسا انقلابی نظریہ دیا جو انسانی خون کی حرمت پر قائم تھا۔آپ ﷺ نے جنگ کے نئے مقاصد کو متعین کر کے اسے محض خون آشامی و غارت گری کے دائرے سے نکال کر ایک اعلیٰ اخلاقی مدنی نصب العین کی سطح تک لا کھڑا کیا۔اب دیکھنا یہ ہے کہ جنگ کے وہ کون سے مقاصد، جواز اور

Marfat.com

صلح کے بین الاقوامی ضوابط متعین ہوئے جن کے تحت خود حضور ﷺ نے غزوات لڑے۔

اسلام کا نظریۂ جنگ

قبل از ہجرت مسلمانوں کیلئے جنگ کرنا ایک فعلِ حرام تھا۔ جب قریش کی عداوت حد سے تجاوز کر گئی اور انہوں نے آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرامؓ کو ان کے دیار و اموال سے بے دخل کر دیا تو مسلمان مدینہ کی طرف ہجرت کر گئے اس موقع پر مسلمانوں کو جان و مال کی حفاظت کی خاطر جہاد کی اجازت دی گئی:

''ان لوگوں کو جنگ کی اجازت دی جاتی ہے جن پر ظلم ہوا
جن پر ظلم ہوا بلا شبہ اللہ تعالیٰ ان کی امداد پر قادر ہے۔ یہ لوگ
اپنے دیار بغیر کسی جائز سبب کے نکالے گئے، ان کا جرم اگر
تھا تو بس اتنا کہ یہ کہتے تھے کہ ہمارا رب اللہ ہے۔''
(القرآن ۲۲:۳۹)

گویا مسلمانوں کی جان و مال کے تحفظ کیلئے جنگ کرنا پہلا جواز ٹھہرا۔ حضور پاک ﷺ کی ابتدائی مہمات اسی مقصد کیلئے تھیں۔ پھر ہم دیکھتے ہیں کہ حضور ﷺ کے اکثر جنگی اقدامات دفاعی نوعیت کے تھے۔ یعنی آپ ﷺ نے اسی وقت ہتھیار اٹھایا جب آپ ﷺ کو مجبور کر دیا گیا۔ جنگِ بدر، اُحد، خندق ان تمام میں قریش ہی حملہ آور ہوئے اور آنحضرت ﷺ نے مدافعت کی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

''اور جو لوگ تم سے لڑتے ہیں، تم بھی خدا کی راہ میں ان
سے لڑو مگر زیادتی نہ کرو کیونکہ خدا زیادتی کرنے والوں کو
دوست نہیں رکھتا۔'' (القرآن۔۲:۱۹۰)

رسولؐ اللہ کی جنگوں کا تیسرا جواز مظلوم مسلمانوں کی امداد کرنا تھا۔ قرآن میں ہے:

''اور جو لوگ ایمان تو لے آئے لیکن ہجرت نہیں کرتے تو
جب تک وہ ہجرت نہ کریں تم کو ان کی رفاقت سے کوئی
سروکار نہیں۔ ہاں وہ دین کے معاملہ میں تمھاری مدد کرنا
چاہیں تو ان کی مدد کرنا لازم ہے''۔ (القرآن۔۸:۷۲)

''اور تمھیں کیا ہو گیا ہے کہ تم خدا کی راہ میں اُن بے بس
مردوں اور عورتوں اور بچوں کی خاطر نہیں لڑتے جو دعائیں
کیا کرتے ہیں کہ اے پروردگار ہم کو اس شہر سے جس کے

Marfat.com

رہنے والے ہیں نکال کر کہیں اور لے جا اور اپنی طرف سے
کسی اور کو حامی بنا اور اپنی طرف سے کسی کو ہمارا مددگار مقرر
فرما۔'' (القرآن۔ ۴ :۷۵)

چوتھی صورت میں آپ ﷺ نے ان لوگوں سے جنگ کی جو بدعہدی یا عہد شکنی کے مرتکب ہوئے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

''اور اگر عہد کرنے کے بعد اپنی قسموں کو توڑ ڈالیں اور
تمھارے دین میں طعن کرنے لگیں تو ان کفر کے پیشواؤں
سے جنگ کرو۔ یہ بے ایمان لوگ ہیں اور ان کی قسموں کا
کوئی اعتبار نہیں۔'' (التوبۃ:۱۲)

معاہدۂ صلح کے بعد بدعہدی کرنا دراصل جنگ کیلئے الٹی میٹم ہوتا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضور ﷺ نے معاہدۂ مدینہ کی خلاف ورزی پر یہود بنوقینقاع، بنونضیر اور بنوقریظہ کے خلاف کاروائیاں کیں۔ پھر جب قریش معاہدہ حدیبیہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے مسلمانوں کے حلیف قبیلہ پر حملہ آور ہوئے اور بعد میں خود ہی عہدنامہ کو منسوخ قرار دیدیا تو آپ ﷺ نے مکہ پر چڑھائی کا فیصلہ کرلیا اور اسے پُرامن طور پر فتح کرلیا۔ آنحضرت ﷺ کے غزوات اور مہمات کسی نہ کسی فتنہ وفساد کے خاتمہ کیلئے تھے۔ فتنہ کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ اس سے مراد ناحق خونریزی اور غارت گری بھی ہے اور کمزوروں پر جوروستم، لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش، حق کی مخالفت اور ناجائز اغراض کیلئے جنگ بھی اس تعریف میں شامل ہے۔ فساد سے مراد اجتماعی اخلاق اور نظامِ تمدن وسیاست میں بے اعتدالی ہے۔ قرآن نے ان دونوں صورتوں میں فتنہ وفساد کے استیصال کا حکم دیا ہے۔

''اور ان سے اس وقت تک لڑائی کرو کہ فتنہ نیست ونابود ہو
جائے اور خدا ہی کا دین (نظامِ حیات) رائج ہوجائے۔''
(القرآن۔ ۲ : ۱۹۳)

فتنہ وفساد کی ایک صورت ریاست کا داخلی انتشار بھی ہے جس سے اس کی سالمیت تک خطرے میں پڑ جاتی ہیں۔ حضور ﷺ نے ان تمام قسم کے فتنہ وفساد کے خاتمہ کے لئے اقدامات فرمائے۔ ہوازن، غطفان، کرز بن جابر الفہری کی مہم، بنووائل، خیبر، بنوقریظہ، بنوقینقاع اور بنونضیر کے خلاف غزوات انہی مقاصد کے تحت لڑے گئے۔ نیز کرز بن جابر الفہری اور وادی القریٰ، ثعلبہ، اور دومۃ الجندل وغیرہ کی فوجی کارروائیاں بھی فتنہ وفساد کے استیصال اور خاتمہ کیلئے کی گئیں۔

Marfat.com

جنگِ موتہ کے محرکات کو پیش نظر رکھا جائے تو اسلام میں سفیر کا قتل بھی جنگ کا جواز ٹھہرتا ہے۔ سفیر کا قتل درحقیقت اعلانِ جنگ کے مترادف تصور کیا جاتا ہے۔ صلح حدیبیہ کے وقت جب یہ افواہ مشہور ہوگئی کہ رسول اللہ ﷺ کے سفیر حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا تو آپ ﷺ نے تمام صحابہ سے خون پر بیعت لی۔ کیونکہ یہ قومی وقار کا مسئلہ تھا اور اگر خدانخواستہ یہ خبر صحیح ہوتی تو اس موقع پر جنگ ناگریز تھی۔ جنگِ موتہ بھی اس لئے شام کے ساحل پر جا کر لڑی گئی۔ عیسائیوں کے رئیس شرجیل بن عمرو نے حضور اکرم ﷺ کے پہلے قاصد دحیہ کلبی کو لوٹ لیا تھا اور دوسرے حارث بن عمرو کو قتل کر دیا تھا۔ جب کہ خود حضور ﷺ نے ہمیشہ بین الاقوامی سفارتی آداب کو ملحوظ رکھا۔

دنیوی اغراض و مقاصد کیلئے معاہد قوم سے جب تک کہ معاہدہ کی مدت ہے، صلح کی پیشکش پر، سیاسی پناہ یا امان اور اظہارِ اسلام یا کوئی علامت دیکھنے کی صورت میں جنگ نہ کرنے کا اصول وضع ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان اقوام کے خلاف جو ظلم نہ کرنے والے اور دینِ حق کو مٹانے کی کوشش میں شریک نہ تھے، جنگی کارروائی نہ کر کے غیر جانبداری کا تصور بھی پیدا کر دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

> ''اللہ تمہیں ان لوگوں سے بھلائی کرنے اور انصاف کا سلوک کرنے سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین کے سلسلہ میں نہیں لڑتے۔ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ اللہ تمہیں ان لوگوں کے ساتھ دوستی کرنے سے منع کرتا ہے جنہوں نے تم سے دین کے معاملہ میں جنگ کی۔ تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہیں نکالنے میں دشمنوں کی مدد کی۔ انہیں جو کوئی دوست بنائے وہ ظالم ہے۔''
> (القرآن۔ ۹:۶)

حضور ﷺ نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے مسلمانوں سے بہتر سلوک کے پیشِ نظر فرمایا تھا کہ اہلِ حبشہ سے اس وقت تک تعرض نہ کرو جب تک کہ وہ پیش دستی نہ کریں۔ (۵۰) اس طرح مسلمان برابر حبشہ پر یورش سے محترز رہے۔ موجودہ بین الاقوامی قانون میں غیر جانبدار علاقوں کا جو تصور موجود ہے وہ رسول اللہ ﷺ کے قائم کردہ تصور سے مختلف ہے۔ موجودہ قانون ہر ملک کو حق دیتا ہے کہ وہ دو یا زیادہ محارب طاقتوں کے سلسلے میں غیر جانبداری کا اعلان کر دے۔ ایسے ملکوں کی ناطرفداری کو تمام طاقتیں، جن میں محارب فریق بھی شامل ہیں تسلیم کر لیتی ہیں۔ حضور ﷺ نے جنگ کا ایک یہ اصول وضع کیا کہ کسی دشمن کے خلاف جنگ اس وقت تک نہ شروع کی جائے جب تک کہ اسے اس امر کی اطلاع یا تنبیہ نہ کر دی

Marfat.com

جائے۔(۵۱) حکمِ باری تعالیٰ ہے کہ!

''اگر ایک گروہ سے تمہیں دغا کا اندیشہ ہے تو چاہیے کہ ان کا
عہد ان پر لوٹا دو۔اس طرح دونوں جانب یکساں حالت
میں ہو جائیں۔اللہ خیانت کرنے والوں کو دوست نہیں
رکھتا۔'' (سورۃ انفال:۸۷)

آنحضرت ﷺ نے دورِ جاہلیت کے تمام وحشیانہ جنگی طریقوں کو بھی منسوخ کر دیا اور ایسے قوانین نافذ فرمائے جو آج بھی احترامِ آدمیت کا درس دیتے ہیں۔ان قوانین کے مطابق جنگ کے دوران عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کے قتل، عبادت گاہوں اور فصلوں کی تباہ و بربادی اور دشمنوں کے ہاتھ پاؤں، ناک کان وغیرہ کاٹنے پر پابندی لگا دی گئی۔اسلام سے پہلے اسیرانِ جنگ کے متعلق دو ہی متفقہ فیصلے تھے، ایک قتل دوسرے دائمی غلامی، تیسرا کوئی تصور موجود نہ تھا۔رسول اللہ ﷺ نے جنگی قیدیوں کے متعلق واضح حکمت عملی اپنائی کہ نہ ان کو قتل کیا گیا، نہ ایذا پہنچائی گئی بلکہ ان سے بہتر سلوک کی اعلیٰ ترین مثالیں قائم کیں اور جنگی قیدیوں کو فدیہ لے کر یا ازراہِ احسان چھوڑ دیا۔بالکل قرآنی حکم کہ

''تو ان کو قید کر لو۔اس کے بعد یا احسان رکھ کر یا کچھ بدلہ
لے کر چھوڑ دو۔یہاں تک کہ لڑائی بند ہو جائے۔''

کے عین مطابق تھا۔

جنگ بدر کے ستر قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا گیا۔ایک دو موقع پر آنحضرت ﷺ نے مشرکین کے ساتھ قیدیوں کا تبادلہ بھی کیا۔فتح مکہ کے بعد ''جاؤ تم سب آزاد ہو'' کا اعلان فرما کر آپ ﷺ نے ہزاروں لوگوں کو نہ تو قید کیا اور نہ ہی ان کو غلامی میں لیا حالانکہ وہ مغلوب ہو چکے تھے۔اکثر موقعوں پر آپ ﷺ نے جنگی قیدیوں کو ازراہ احسان چھوڑ دیا۔اس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

۱۔	سریہ نخلہ	۲	قیدی
۲۔	غزوہ بنو مصطلق	۱۹	=
۳۔	سریہ صموم	۱۰	=
۴۔	سریہ عیص	۹	=
۵۔	سریہ حسمی	۱۰۰	=
۶۔	غزوہ حنین	۶۰۰۰	=
۷۔	سریہ عیینہ	۶۳	=

Marfat.com

Marfat.com

کی بدیہی طور پر تنبیہ نہ کر دی جائے''۔

گویا ایک مدلل اعلان جنگ کی صورت میں ہو یا ایک مشروط الٹی میٹم کی شکل میں ہو۔ اور اس اعلان کی اطلاع غیر جانبدار قوموں کو بھی دی جائے۔ پھر ۱۹۰۷ء کی ہیگ کانفرنس میں طے پایا تھا کہ ان شہروں اور بستیوں پر جن کی فوجی مدافعت نہ کی گئی ہو۔ بمباری اور حملہ آوری نہ کی جائے اور بمباری خواہ کسی طریق سے ہو شروع کرنے سے پہلے انتباہ کر دیا جائے اور سائنسی، ادبی اور مذہبی ادارے ہسپتال وغیرہ جہاں تک ہو سکے بچائے جائیں اور لوٹ مار، تباہی اور آتش زدگی سے احتراز کیا جائے۔ لیکن ہوا کیا؟ دوسری جنگ عظیم میں غیر محاربین اور جنگی قیدیوں کا وسیع پیمانے پر قتل کیا گیا یا کام کی زیادتی اور زہریلے اثرات کے تحت مار دیا گیا اور ان کے جسم سے کھاد، روغنیات اور صابن بنائے گئے۔ ہزاروں طیاروں نے بے شمار شہر تباہ کئے اور لاکھوں انسان زندہ دفن کر دیئے گئے۔ امریکہ کی آبدوزوں نے انیس سو چالیس جاپانی تجارتی جہاز غرق کئے۔ محوری ممالک نے امریکہ اور متحدین کے چار ہزار سات سو ستر جہاز ڈبوئے، بحر ایٹم بم کے ذریعے ہیروشیما اور ناگاساکی کی بربادی ہوئی اور اعلان کیا گیا کہ یہ طریقے زندگی اور تہذیب کے تحفظ ''جنگ کے اختصار'' اور فتح کے حصول کیلئے ضروری ہیں۔ (۵۲)

غرض اقوامِ حاضرہ نے سترہویں صدی میں ان بنیادی حقوقِ انسانیت کی طرف توجہ کی۔ مگر آنحضرت ﷺ نے اس سے پہلے جنگ کا مکمل قانون پیش کر دیا تھا۔ جس کی ایک ایک شق میں احترامِ آدمیت کا جذبہ کارفرما نظر آتا ہے اور پھر اسلامی قانونِ جنگ اور اقوامِ حاضرہ کے قانونِ دُوَلی میں فرق یہ ہے کہ قانونِ دُوَلی کی پشت پر کوئی ایسی طاقت نہیں ہے جو اس کے اجراء و نفاذ کی ضامن ہو۔ چنانچہ ان قوانین کی ترتیب و تدوین کے بعد بھی وہی کچھ ہوتا رہا جو اس سے پہلے ہوتا رہا تھا۔ اسی بناء پر لاڈر سالبر نے کہا ہے کہ قانونِ بین الاقوام کو کوئی عدالت قوت سے نافذ نہیں کر سکتی اس بناء پر اس کو لفظ قانون سے تعبیر کرنا سخت غلطی ہے۔ مگر رسول اللہ ﷺ کے تشکیل کردہ قانون جنگ پر عمل کرنا مسلمانوں کا دینی فریضہ ہے اور ان کی قوتِ ایمانی اس کے نفاذ و اجراء کی ضامن ہے۔ (۵۳)

Marfat.com

حوالہ جات باب ہفتم

۱۔ تاریخ ابن خلدون، جلد۲، ص ۲۵۹۔

۲۔ ارض القرآن، ص ۲۴۸۔

۳۔ ابن حبیب بغدادی، ص ۲۷۱ بحوالہ نقوش رسول ﷺ نمبر، جلد ۵، ص ۱۱۴۔

۴۔ ابوداؤد، جلد۲، ص ۴۲۳۔

۵۔ ابن سعد۔ جلد۲، ص ۹۔

۶۔ ڈاکٹر حمید اللہ، "رسولِ اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی"، ص ۸۴۔

۷۔ ابن سعد جلد۲، ص ۶، ۷۔

۸۔ ابن ہشام، حصہ اول، ص ۶۷۲۔

۹۔ ایضاً، ص ۶۰۵۔

۱۰۔ ابوالاعلیٰ مودودی، "تفہیم القرآن"، جلد دوم، ص ص ۱۲۳۔۱۲۴۔

۱۱۔ ابن ہشام، حصہ اول، ص ۶۵۳۔

۱۲۔ ایضاً، ص ۳۶۴۔

۱۳۔ ابن سعد، جلد۲، ص ص ۱۲۔۱۹۔

۱۴۔ ابوالاعلی مودودی، "تفہیم القرآن"، جلد۲، ص ۱۲۹۔

۱۵۔ ابن ہشام، حصہ دوم، ص ۴۔

۱۶۔ محمود خطاب شیت، ''آنحضرتؐ بحیثیت سپہ سالار''، ص ۱۸۱۔

۱۷۔ ابن ہشام، جلد۳، ص ۶۸۔

۱۸۔ محمود خطاب شیت، ''آنحضرتؐ بحیثیت سپہ سالار''، ص ۲۲۱۔

۱۹۔ ابن ہشام، جلد۳، ص ۱۷۸۔

۲۰۔ ابن سعد، جلد۲، ص ۵۷۔

Marfat.com

۲۱۔ ایضاً
۲۲۔ طبری، جلد۳، ص ۳۸، فتح الباری، جلد۷، ص ۲۳۳۔
۲۳۔ البلازری (فتوح)، ص ۲۴۔
۲۴۔ محمود خطاب شیت، ''آنحضرتؐ بحیثیت سپہ سالار''، ص ۲۳۹۔
۲۵۔ ابن ہشام، حصہ دوم، ص ۲۲۶۔
۲۶ ابن ہشام، جلد۳، ص ۲۱۴۔
۲۷۔ ابن سعد، جلد۲، ص ۶۹، ۷۰۔
۲۸۔ ابن ہشام، حصہ دوم ، ص ۲۷۳۔
۲۹۔ ابن ہشام، جلد۳، ص ۲۴۲۔
۳۰۔ ابن سعد، جلد۲، ص ۷۵۔
۳۱۔ Ple, lane,selections from the Quran,Introduction P.L xv.
۳۲۔ Arnold's Sermons,4th sermon,Wares of the Israelites, pp. 35-36.
۳۳۔ توریت، کتاب استثناء اصحاح ۲۰، آیت ۱۰۔
۳۴۔ ابن سعد، جلد۲، ص ۹۰۔۹۱۔
۳۵۔ ایضاً، ص ۱۳۰۔
۳۶۔ نقوش، رسول ﷺ نمبر، جلد۳، ص ۱۳۳۔
۳۷۔ ابن ہشام، جلد۳، ص ۳۴۴۔
۳۸۔ ابن ہشام، حصہ دوم، ص ۷۵۱۔
۳۹۔ ایضاً، ص ۴۳۳۔
۴۰۔ نقوش، رسول ﷺ نمبر، جلد۵، ص ۳۹۲۔
۴۱۔ رئیس احمد جعفری، "رسالت مآبؐ"، ص ۳۰۹۔
۴۲۔ محمود خطاب شیت، "آنحضرتؐ بحیثیت سپہ سالار"، ص ص ۴۹۶۔۴۹۸۔
۴۳۔ پیر محمد کرم شاہ، ضیاء النبیؐ، جلد۶، ص ص ۵۶۔۵۵۵۔
۴۴۔ ایضاً
۴۵۔ منٹگمری واٹ، محمد، پرافٹ اینڈ سٹیٹسمین، ص ۱۰۸۔
۴۶۔ ضیاء النبیؐ، ص ۵۹۳، جلد۶۔

Marfat.com

۴۷۔ حیدر زمان صدیقی، "اسلام کا نظریۂ جہاد" ص ص ۲۷، ۲۸

۴۸۔ ایضاً، ص ص ۳۱۔۳۲

۴۹۔ کتاب الاموال، جلد اول۔

۵۰۔ سنن ابوداؤد، جلد ۴، ص ۱۱۲۔

۵۱۔ ڈاکٹر مجید خدوری، "اسلام اور قانونِ جنگ و صلح" ص ص، ۳۴۲۔۳۴۳۔

۵۲۔ سید واجد رضوی، "رسول ﷺ میدانِ جنگ میں"، ص ۳۰۰۔

۵۳۔ حیدر زمان صدیقی، "اسلام کا نظریۂ جہاد"، ص ۱۵۰۔

Marfat.com

باب ۸

رسولؐ اللہ کی خارجہ سیاست کے اقتصادی پہلو

اسلام سے پہلے عرب کے جزیرہ نما میں کبھی بھی ایک ملک گیر اور مرکزی حکومت قائم نہیں ہوئی تھی اور نہ اس صحرائی براعظم میں ہر طرف یکساں ترقی کے شواہد ملتے ہیں البتہ یمن وغیرہ میں حضرت مسیحؑ سے بھی ہزاروں سال پہلے متمدن طاقتور اور وسیع مملکتوں کے وجود کا پتا چلا ہے۔ مثلاً کندہ والوں نے حضرموت سے صراۃ جاما، سبا وحیرہ تک یعنی عرب کے جنوب سے شمال تک کچھ عرصہ حکومت قائم کر لی تھی یعنی حجاز وغیرہ کے وسیع علاقے اس سے آزاد رہے۔ گویا آغازِ اسلام پر صورت حال یہ تھی کہ کوئی مرکزی مملکت عرب میں موجود نہ تھی۔ بلکہ سینکڑوں قبیلے خودمختارانہ طور پر نیم حضری اور نیم بدوی زندگی گزار رہے تھے۔ ہر قبیلہ خود جنگ اور صلح کرنے میں آزاد تھا۔ کسی بیرونی حاکم کو ان پر اختیارِ سماعت نہ تھا۔ ان قبائل کے علاوہ بیسیوں شہر بھی تھے۔ مکہ، مدینہ، طائف، ینبوع (حجاز میں)، جرش، صنعاء عدن (یمن میں)، صمار اور دبا (عمان میں)، ہجر (بحرین میں)، یمامہ، فید (نجد میں)، دومۃ الجندل، خیبر، فدک، تیمار، وادی القریٰ (شمالی عرب میں) ایلہ، مقنا صحرائے سینا کے مشرقی ساحل پر اچھی خاصی بستیاں تھیں جن کو تقریباً شہری مملکتوں کی حیثیت دی جاسکتی تھی۔ یمامہ، یمن وغیر بعض علاقوں میں غلے کی کاشت ہوتی تھی اور آس پاس کے عربی علاقوں میں برآمد بھی ہوتی تھی لیکن اس سے پورے ملک کی ضرورتیں پوری نہ ہوسکتی تھیں۔ کھجور، اونٹ اور بکریوں کی صورت میں بدویوں کی غذائی ضرورت تو پوری ہو جاتیں۔ لیکن لباس، برتن، ہتھیار، زیور اور دیگر ضرورتوں کی گنجائش پھر بھی باقی رہتی۔ اگرچہ حضری یعنی شہری زندگی گزارنے والے عرب بدویوں سے مختلف تھے۔ لیکن ان کے اپنے اندر بڑی حد تک یکسانیت نظر آتی تھی۔ چاروں طرف نخلستان تھے۔ طائف، سوقیہ وغیرہ میں انگور، انجیر، انار، شفتالو وغیرہ کے بکثرت باغ تھے۔ چشموں کے ساتھ ترکاری، تربوز، ککڑی وغیرہ کی بھی کاشت ہوتی تھی۔ کہیں کہیں غلہ بھی بویا جاتا اور مرغیاں بھی پالی جاتیں لیکن ان مقامی وسائل کے بعد بھی ضرورتیں پوری نہ ہوتیں تو مختلف میلوں، منڈیوں میں جا کر تبادلۂ اشیاء کرنا پڑتا۔

Marfat.com

عرب کی ہر بستی میں میلے لگتے تھے۔ کہیں مقامی اور کہیں بین المقاماتی چھوٹے میلے ہفتہ وار لگتے، بڑے بین القبائل اور بین المقاماتی میلے سالانہ مقررہ ایام میں لگتے تھے۔ لیکن جو اہمیت مکہ کے عکاظ اور منیٰ کے میلوں کو حاصل تھی وہ کسی اور میلوں کو حاصل نہ تھی۔ چونکہ عرب بیرونی ذرائع کے محتاج رہتے پھر قدرت نے عرب میں کچھ ایسے خام مواد مہیا نہیں کیے تھے اور نہ آب و ہوا اتنا عمدہ تھی کہ غیر ملکی یہاں آتے اور غلہ یہاں پہنچاتے۔ لہذا عربوں کو ہی تجارت کی غرض سے باہر کے ممالک کا رخ کرنا پڑتا۔ حجازی عربوں کے متعلق قرآن مجید کی شہادت "رحلة الشتاء والصيف" سے بھی یہ ہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ ہر سال دو مرتبہ جاڑوں اور گرمیوں میں کئی کئی ماہ کے تجارتی سفر پر نکلتے تھے۔ جاڑوں میں یمن جاتے اور گرمیوں مین شام و مصر۔ اس کاروبار میں مکہ کے قریش باقی قبائل پر سبقت حاصل کیے ہوئے تھے۔ رسولِ کریم ﷺ کے دادا ہاشم نے روم، ایران، حبشہ اور یمن کے حکمرانوں سے منشور اور اجازت نامے حاصل کیے ہوئے تھے کہ ان علاقوں میں تجارت کے لئے آزادانہ کاروان لا سکیں۔ عرب اپنے تجارتی کاروانوں کی حفاظت کیلئے کچھ تو خود ہتھیار بند ہو کر بطور دستہ جاتے اور کچھ ان علاقوں سے جہاں انہیں گزرنا ہوتا قبائل سے حلیفی اور دوستی پیدا کر لیتے۔ لیکن قریشی کاروبار شمال، جنوب، مشرق، مغرب سب طرف پھیلے ہوئے تھے۔ وہ عراق، یمن، حبش، شام اور اندرونِ عرب، بحرین، نجد و خیبر بھی جاتے۔ ان بیرونی تجارتی تعلقات کے لئے انہوں نے معاہدات کا جو وسیع اور ملک گیر جال پھیلایا ہوا تھا ان کا ذکر محمد بن حبیب اس طرح کرتے ہیں!

> "جو تاجر بھی یمن اور حجاز سے نکلتا تو وہ اس وقت تک قریشی خفارے یعنی محافظ دستے کا محتاج رہتا جب تک کہ وہ حضری قبائل کے علاقے میں رہے۔ کیونکہ ایک حضری قبیلہ دوسرے حضری قبیلے کے تاجروں کو نہ ستاتا۔ مزید برآں حضریوں کی حلیفی جن جن قبائل سے تھی ان کے ہاں بھی امن رہتا اور یہ باہمی امن کے اصول پر مبنی تھا۔ چنانچہ قبائل کلب ان حضری قبیلہ بنو اسد سے حلیفی کے باعث نہ چھیڑتے اور حضری قبائل کہا کرتے تھے کہ قریش نے ہمارا وہ قرض ادا کر دیا جو حضرت اسمٰعیلؑ سے ہم کو وراثتاً خدمت کی صورت میں ملا تھا۔ جب یہ آگے بڑھ کر عراقی سمت میں جاتے اور بنی عمرو بن مرثد سے خفارہ حاصل کر لیتے تو تمام

Marfat.com

Marfat.com

سرخ وینس کے کپڑے وغیرہ کے بدلے میں چین سے اطلس کمخواب، چینی برتن، چائے اور مختلف اقسام کی ادویہ حاصل کرتے تھے۔

حبشہ کے ساتھ عربوں کے تجارتی تعلقات عرصہ قدیم سے چلے آرہے تھے۔ چین اور ہندوستان کا تجارتی مال یمن آتا تھا اور خشکی کے راستے حجاز اور شام سے گزر کر یورپ جاتا تھا۔ جب رومیوں اور بیزنطینوں نے بحر احمر میں حمل ونقل شروع کر دی تو حجازوں کے روزگار پر بہت بڑا اثر پڑا تھا۔ غالباً یہی وجہ تھی کہ آنحضرت ﷺ کے دادا ہاشم نے سخت جدوجہد کی اور ہمسایہ ممالک سے تجارتی کاروانوں کے لانے کی اجازت حاصل کی۔ (۳) قیصرِ روم نے ہاشم کو شام آنے کا پروانہ عطا کیا اور اپنے زیر اثر فرمانروائے حبش کے نام بھی ایک سفارشی خط لکھ دیا۔ ہاشم نے اپنے بھائی کو حبشہ بھیجا اور ان کو نجاشی نے قیصر کی سفارش کی بناء پر اس بات کا منشور عطا کیا کہ ان کا تجارتی کارواں حبشہ آیا کرے۔ مکہ کے تاجر چمڑا، گوند، لوبان وغیرہ کے بدلے میں زیادہ غلہ حاصل کیا کرتے تھے۔ حکومت شام نے ہتھیار کی برآمد بند کر دی تھی۔ موقع ملتا تو یہ لوگ اس کو بھی چوری چھپے درآمد کر لیا کرتے تھے۔ (۴) حبشہ جانے کے دو راستے تھے۔ ایک راستہ حجاز سے خشکی کی راہ فلسطین اور مصر سے ہو کر جاتا تھا۔ جبکہ دوسرا راستہ سمندری تھا جو جدہ سے شروع ہو کر حبشی بندرگاہوں تک پہنچتا تھا۔

ڈاکٹر حمید اللہ کی رائے میں۔

" جو شخصیت زیادہ تر اپنے تجارتی معاملات میں راست بازی کے باعث ''الامین'' کے قومی خطاب سے مخاطب ہوئی ہے، جس نے نہ صرف یمن اور شام کا بلکہ بروایت امام احمد بن حنبلؒ بحرین وعمان جیسے دور دراز ممالک کا خاصا تفصیلی سفر کیا ہے۔ اس سے یہ بات اس زمانے میں عقلاً بعید نہیں معلوم ہوتی کہ حبشہ بھی گئی ہو۔ جہاں اس کے ہم وطن ہر سال نہیں تو اکثر آیا جایا کرتے تھے۔" (۵)

پھر ہجرت حبشہ کے موقع پر آپ ﷺ کی طرف سے حبشہ کے حکمران نجاشی کے متعلق اس فرمان کہ " وہاں کا حکمران رحمدل ہے" سے بھی اس قیاس کو تقویت ملتی ہے کہ حضور ﷺ نے حبشہ کا سفر کیا ہو۔ بیزنطینی سلطنت کے ساتھ عربوں کے تجارتی تعلقات کے ضمن میں حضور اکرم ﷺ کے دادا ہاشم نے اہم کردار ادا کیا تھا جس نے قیصرِ روم کی طرف سے تجارتی پروانہ حاصل کیا تھا۔ مکے والے ہر سال رحلۃ الشتاء اور رحلۃ الصیف کے نام سے سردیوں میں یمن اور گرمیوں میں شام (بیزنطینی حکومت کے ماتحت

Marfat.com

تھا) کے علاقوں میں آتے جاتے تھے۔ بیزنطینی حکومت آزاد تجارت کی حامی نہ تھی۔ عرب کاروانوں کے لئے چند منڈیاں مقرر تھیں۔ ان کے علاوہ دیگر مقامات پر وہ آزادنہ نقل وحرکت نہ کر سکتے تھے۔ (٦) اسی طرح انہیں سونا اور ہتھیار اور اسی قسم کی بعض چیزوں کے برآمد کرنے کی قطعی ممانعت تھی اور سرحد پر ان کی بڑی سختی سے جانچ پڑتال کی جاتی تھی۔ مزید برآں ان سے متعدد ٹیکس وصول کیے جاتے تھے۔ چنانچہ رومی تجار مکہ آتے تو ان سے اسی طرح ٹیکس وصول کیا جاتا جس طرح یونانی علاقے میں مکی تاجروں سے لیا جاتا تھا۔ (٧) بعض روایات کے مطابق حضورﷺ کا بارہ سال کی عمر میں اپنے چچا کے ساتھ ایک کاروان کی معیت میں شام جانا ثابت ہے۔ پھر دوبارہ پچیس سال کی عمر میں خود بھی مالِ تجارت لے کر وہاں گئے۔ بعض حوالوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپﷺ کم ازکم دومرتبہ یمن اور ایک مرتبہ بحرین وعمان بھی تشریف لے گئے تھے۔ (٨) حضورﷺ کے مذکورہ تمام سفر تجارتی منافع کے علاوہ بھی بہت دوررس اثرات کے حامل تھے۔ ان کے باعث ایک تو آپﷺ مختلف ملکوں کو جانے والوں راستوں اور ان کی جغرافیائی اہمیت سے واقف ہو گئے تھے اور اس وجہ سے ان اطراف ہونے والی مختلف جنگی کارروائیوں اور تبلیغی مقاصد کی خاطر قاصدوں کی روانگی میں آسانی ہوئی ہوگی۔

ایک کامیاب حکمران اور ماہر امورِ خارجہ کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ اردگرد کے علاقوں اور ملکوں کے سیاسی و معاشی حالات سے واقفیت رکھے۔ ایک نئے دین کے دعویدار ہونے کی وجہ سے آنحضرتﷺ پر یہ ذمہ داری بھی تھی کہ وہ ان خطوں اور ممالک کے افراد کے مذہبی عقائد اور رجحانات پر بھی گہری نظر رکھیں۔ اس ضرورت کو آنحضرتﷺ نے تجارت کی غرض سے میلوں میں شرکت اور مختلف ممالک میں قیام فرما کر اعلانِ نبوت سے پہلے ہی پورا کر لیا ہوگا۔ عکاظ، مجنہ اور ذی المجاز کے میلوں میں آپﷺ کو مشہور شعراء کا کلام سننے کا موقع ملتا۔ اس کا آپﷺ موازنہ کرتے اور اس کے حسن وقبح کا جائزہ لیتے تھے۔ پھر یہودی اور مسیح خطیبوں کی تقاریر بھی اکثر وبیشتر یہیں سنی تھیں۔

ان تقاریر پر بھی غور وغوض کیا کرتے۔ چونکہ تجارتی میلوں میں عرب کے چاروں اطراف سے قبائل تجارت کیلئے آیا کرتے تھے اس لئے حضورﷺ اس موقع کا پورا پورا فائدہ اٹھاتے اور ان قبائل کے پڑاؤ میں جا کر اسلام کی دعوت دیتے۔ مؤرخین کے مطابق بیعتِ عقبہ سے قبل آنحضرتﷺ پندرہ قبائل کے پڑاؤ میں تبلیغ کیلئے گئے تھے۔ ان میں سے کندہ عرب کے انتہائی مشرق میں آباد تھے۔ (٩) شام کے پہلے سفر میں آپﷺ سے بحیرا نامی ایک راہب نے ملاقات کی تھی۔ جس نے آپﷺ میں نبی ہونے کی وہ تمام علامات دیکھیں جو عیسائیوں کی کتب میں مندرج تھیں۔ پھر اہلِ قافلہ کو یہ نصیحت بھی کی تھی کہ وہ آپ کو شام نہ لے جائیں مبادا وہاں کے یہودی علاماتِ نبویﷺ دیکھنے کے بعد آپﷺ کو کوئی گزند نہ

Marfat.com

پہنچائیں۔ارضِ شام میں آپ ﷺ نے مسیحی پیشواؤں سے ملاقاتیں بھی کیں اور ان سے صُحفِ سماویہ، مجوسیت (دینِ زرتشت) اور مسیحیت کے بارے میں بہت کچھ سنا۔اگرچہ آپ ﷺ کی عمر بارہ سال سے زیادہ نہ تھی لیکن دل و دماغ کی پاکیزگی، کمالِ ہوشمندی، بالغ نظری اور ان تمام اوصاف وکمالات کا جو قدرت نے آپ ﷺ کے اندر ودیعت کئے تھے۔یہ عالم تھا کہ آپ ﷺ مشاہدات ومسموعات پر قانع نہیں ہو جاتے تھے بلکہ آپ ﷺ کا ذوقِ تجسّس اور شوقِ تحقیق آپ ﷺ کو دل ہی دل میں یہ سوچنے پر آمادہ کرتا تھا کہ ان کی تہ میں کیا حقیقت مضمر ہے؟_____(۱۰)

دوسری بار آنحضرت ﷺ خدیجہؓ کا مال لے کر شام گئے تھے۔اس وقت آپ کی عمر پچیس برس کے قریب تھی اس سفر میں ان کے حالات و واقعات پر جو شام کے پہلے سفر یا مکہ کے گردوپیش میں آپ ﷺ کے علم ومشاہدہ میں آئے تھے پھر غور کرنے کا موقع ملا۔شام پہنچے تو آپ ﷺ کو عیسائیوں سے سابقہ پڑا اور آپ ﷺ نے ان کے راہبوں اور قسیسوں سے مسیحیت کے بارے میں گفتگو کی۔نسطوری مذہب کا ایک راہب آپ ﷺ سے ملا اور آپ ﷺ نے اس سے ایک دوسرے راہب کی معیت میں مسیحیت سے متعلق بحث و مذاکرہ کیا۔(ان ایام میں نصاریٰ مختلف گروہوں میں بٹے ہوئے تھے)(۱۱) اس ذریعے سے آپ ﷺ نے عرب کے اندر اور مختلف قبائل اور اردگرد کے سیاسی نظاموں اور حکمرانوں کے بارے میں بھی معلومات حاصل کی ہوں گی اور یہ معلومات آپ ﷺ کو ان قبائل اور ممالک سے متعلق خارجہ حکمت عملی تشکیل دینے میں سودمند ثابت ہوئی ہوں گی۔جیسا کہ بعض محققین نے تجارت کی غرض سے حبشہ جانا بھی ظاہر کیا ہے۔شائد اسی ذریعہ سے آپ ﷺ حبشہ کے حکمران نجاشی کی ذاتی خصوصیات کے متعلق واقف تھے کہ وہ نیک اور رحم دل حکمران ہے۔یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے قریشِ مکہ کے ستم رسیدہ مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کا حکم فرمایا تھا۔گویا یہ فیصلہ آپ ﷺ کی حبشہ کے سیاسی حالات اور وہاں کے حکمران نجاشی سے متعلق مکمل آگاہی کی بنیاد پر کیا گیا تھا اور بعد میں حالات و واقعات کی رو سے رسول اللہ ﷺ کا یہ فیصلہ انتہائی درست بھی ثابت ہوا۔گویا آنحضرت ﷺ خارجہ حالات پر گہری نظر رکھے ہوئے تھے۔

کسی بھی ملک کی خارجہ پالیسی کی کامیابی اور ناکامی کا انحصار کافی حد تک اس بات پر ہوتا ہے اس ملک کی عوام خوشحال ہوں اور ان کو تمام بنیادی سہولتیں میسر ہوں جس قوم کی اکثریت ہر وقت روٹی کے چکر میں رہے اسے نہ تو اعلیٰ تر حقیقتوں کا ذوق دیا جا سکتا ہے اور نہ وہ بڑے بڑے مقاصد کیلئے کوئی عظیم کارنامہ سرانجام دے سکتی ہے۔مکہ سے ہجرت کے بعد آنحضرت ﷺ نے مدینہ میں پہلی اسلامی ریاست کی تشکیل کی۔اس نوخیز مملکت کو بے شمار اقتصادی مسائل کا سامنا تھا۔مکہ سے جو مسلمان ہجرت کر کے

Marfat.com

مدینہ آبسے تھے وہ اپنا سب کچھ لٹا کر آئے تھے اگر کسی کے پاس کوئی سامان تھا تو وہ ان کی مستقل کفالت کیلئے کافی نہ تھا۔ مدینہ کی مقامی آبادی زیادہ تر زراعت پیشہ تھی اس لئے یہاں مکہ سے آئے ہوئے مہاجرین کیلئے روزی کمانے کے مواقع بھی نسبتاً کم تھے کیونکہ وہ زیادہ تر تجارت پیشہ تھے۔ حضورﷺ نے "مواخاۃ" کے اصول کے تحت انصار کو مہاجرین کی کفالت کا ذمہ دار ٹھہرایا۔ اس طرح فوری طور پر مسلمان مہاجرین کسی سنگین اقتصادی صورت حال سے بچ نکلے۔ مگر عوام کی مستقل معاشی بہتری کا بندوبست کرنا باقی تھا۔ کسی بیرونی اقتصادی امداد کے امکانات معدوم تھے۔ ایک مکہ ہی تھا جہاں سے مہاجرین کی رشتہ داریوں کے سبب امداد ہوسکتی تھی۔ چونکہ قریشِ مکہ کے ظلم وستم کے نتیجے میں ہی مسلمانوں کو ہجرت پر مجبور ہونا پڑا تھا اور قریش نے ان کا سب کچھ ضبط بھی کرلیا تھا اس وجہ سے قریشِ مکہ سے امداد کی امید بھی نہیں کی جاسکتی تھی بلکہ وہ الٹا مدینہ میں پناہ لینے والے مسلمانوں کو تباہ و برباد کردینے کے منصوبے بنا رہے تھے۔ اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اللہﷺ کی سربراہی میں اسلامی ریاست اپنی تشکیل کے چند سال کے اندر ہی ایک خوشحال معاشرہ قائم کرنے میں کامیاب ہوجاتی ہے۔ ریاستِ مدینہ کے عوام کی اقتصادی حالت کو سنوارنے میں بہت سارے عوامل نے کام کیا مگر ہماری بحث صرف ان اقتصادی پہلوؤں سے ہے جو خارجی ہیں اور ریاستِ مدینہ کی اقتصادی بہتری میں اہم کردار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس ضمن میں مختلف سرایوں اور غزوات سے حاصل ہونے والا مالِ غنیمت اہم اقتصادی عامل ہے۔ بعض محققین اور مستشرقین کے خیال میں "مالِ غنیمت" ہی کی وجہ سے مسلمانوں کے دن پھرے، ناداری اور مفلسی ختم ہوئی اور ان کو خوشحالی نصیب ہوئی۔ یہ خیالات کہاں تک درست ہیں اس کیلئے ضروری ہے کہ تمام سرایوں اور غزوات سے حاصل ہونے والے مالِ غنیمت کی صحیح مقدار اور اس کی مالیت کا پتہ چلایا جائے پھر مدینہ کی آبادی کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے دیکھا جائے کہ اس معاشی عامل نے ریاستِ مدینہ کے مسلمانوں کی خوشحالی میں کیا اہم کردار ادا کیا ہے ــــــــ!

ہجرتِ نبوی کے بعد کے دو برسوں کے درمیان ۲۴۔۶۲۲ء کے زمانہ میں کل بارہ مہمیں مسلمان جانبازوں نے سرانجام دیں۔ ان میں صرف چار میں سے کچھ مالِ غنیمت حاصل ہوا اور ان چاروں میں سے صرف ایک میں مالِ غنیمت کو بامقصد یا وافر کہا جاسکتا ہے اور وہ غزوہ بدر تھا۔ اس غزوہ میں مسلمانوں کو کسی حد تک وقیع مالی فوائد حاصل ہوئے تھے۔ (۱۲) ۳ھ / ۲۵۔۶۲۴ میں مسلم جانبازوں نے کل سات مہمیں سرانجام دیں جن میں صرف تین مہموں میں ان کو مالی یا اقتصادی فوائد حاصل ہوئے۔ اس برس کا پہلا مالِ غنیمت غزوہ الکدر میں حاصل ہوا اور ایک روایت کے مطابق پانچ سو اونٹوں پر مشتمل تھا اور دوسری روایت کے مطابق سولہ سو اسی (۱۶۸۰) اونٹوں پر۔ ایک اور اہم غزوہ اُحد تھا۔ جو اگرچہ فوجی

Marfat.com

اور سیاسی اعتبار سے کافی دُوررس نتائج کا حامل تھا مگر مالی اور اقتصادی لحاظ سے خاص کر مالِ غنیمت کے لحاظ سے ناقابل ذکر مہمات میں آتا ہے۔(۱۳) ہجرت کے چوتھے برس یعنی ۲۶۔۶۲۵ء نے مسلم مجاہدین کو سات مہموں میں نبرد آزمائی کرتے دیکھا مگر ان میں سے صرف دو کسی حد تک مالِ غنیمت کے لحاظ سے فائدہ مند ثابت ہوئیں۔ مالی منفعت والی پہلی مہم سریہ قطن تھا اور آخری نفع بخش مہم مدینہ کے ایک یہودی قبیلہ بنونضیر کے خلاف غزوۂ نبوی تھا۔ ہجرت کے پانچویں برس یعنی ۲۷۔۶۲۶ء میں کل پانچ مہمیں پیش آئیں جن میں صرف تین میں ہی مسلمانوں کو غنیمت حاصل ہوئی۔ ربیع الاول / اگست میں رسول اکرم ﷺ کا غزوہ دومۃ الجندل دراصل کسی قبیلہ یا طبقہ کے خلاف فوجی کارروائی نہیں تھی بلکہ وہ کچھ شمالی قبیلوں کے ڈاکوؤں اور رہزنوں کی گوشمالی کی انتظامی کوشش تھی جنہوں نے اس علاقہ کے بازار اور شاہراہ تجارت کو پُرخطر بنا دیا تھا اور کاروانوں کی آمدورفت میں رخنہ ڈالا تھا۔ اس کارروائی کے نتیجہ میں کچھ مویشی بطور غنیمت میں ملے تھے۔

ہجرت کے چھٹے سال (۶۲۷ مئی تا ۶۲۸ء) کو ہم سرایا کا سال کہتے ہیں کہ اس برس صرف سرایا ہی میں غنائم حاصل ہوئے تھے اگرچہ اس برس تین غزوات بھی پیش آئے مگر وہ سب کے سب خالی گئے۔ اٹھارہ سرایا میں سے صرف سات میں مسلمانوں کو مالی فوائد حاصل ہوئے تھے۔ ۷ھ / مئی ۶۲۸ تا اپریل ۶۲۹ء میں کل چودہ مہمات وقوع پذیر ہوئیں۔ ان میں سے چھ غزوات تھے اور آٹھ سرایا۔ ان غزوات میں ایک خالصتاً مذہبی نوعیت کا پرامن مقاصد کیلئے تھا اور غزوۃ القضاء کے نام سے مشہور ہے۔ ظاہر ہے اس میں کسی غنیمت کا سوال ہی نہیں اٹھتا۔ بہرحال اس برس کی بیشتر مہمات میں اموالِ غنیمت تھوڑے یا زیادہ منقولہ اور غیر منقولہ جائیدادوں کی شکل میں ضرور حاصل ہوئے۔ اس سال کے پہلے غزوہ یعنی غزوۂ خیبر میں مویشیوں، اسبابِ روزمرہ، زیوروں اور نقد رقوم کی صورت میں کثیر مال ملا اور اس کے ساتھ ساتھ ان کو مستقل ذریعہ آمدن کی ضمانت بھی فراہم ہوگئی۔ یہودانِ خیبر سے کافی بڑی تعداد میں ہتھیار بھی بطور غنیمت میں حاصل ہوگئے تھے۔

اگرچہ ۸ھ (۳۰۔۶۲۹ء) میں تقریباً بیس مہمیں ترتیب دی گئیں مگر ان میں صرف چھ میں مالِ غنیمت حاصل ہوا۔ نویں ہجری سال (۳۱۔۶۳۰ء) کی زیادہ تر مہموں میں کچھ نہ کچھ ضرور ملا تھا۔ بعض میں مالِ غنیمت کی مقدار وقیع تھی اور بعض میں محض نام بھر کی۔(۱۴) ہجرت کے دسویں برس (۳۲۔۶۳۱ء) کل ایک مہم یعنی سریہ حضرت علی بن ابی طالبؓ یمن کی جانب بھیجا گیا۔ جس نے مویشیوں، قیدیوں اور کپڑوں پر مشتمل کچھ مالِ غنیمت حاصل کیا۔(۱۵) عہدِ نبویؐ کے دہ سالہ مدنی زمانے کی یہی کل مہمیں تھیں جن میں مالِ غنیمت ملا تھا۔ تمام غزوات اور سرایا کا ایک تجزیہ واضح کرتا ہے کہ ان میں صرف نصف

Marfat.com

میں مالی فوائد حاصل ہوئے تھے اوران میں سے بیشتر میں بہت سی حقیر مالی منفعت حاصل ہوئی تھی۔ان میں مالی فوائد اور مستقل آمدنی کے اعتبار سے زیادہ وہ غزواتِ نبوی ﷺ تھے جو مدینہ منورہ اور شمالی علاقوں خیبر، فدک تیما اور وادی القریٰ کے یہودیوں کے خلاف پیش آئے تھے۔(۱۶) عجیب وغریب حقیقت ہے کہ مسلمانوں کو اپنے جانی دشمن قریشِ مکہ سے بہت کم مال غنیمت حاصل ہوا تھا حالانکہ ان کے کاروانوں کے تاخت کے افسانے تمام ابتدائی مؤلفین سیرت اوران سے زیادہ جدید مؤرخین اسلام اور مستشرقینِ مغرب ببانگ دہل سناتے ہیں۔ذیل میں تمام مہماتِ عہدِ نبوی کے اعداد وشمار دیئے جارہے ہیں تا کہ اموالِ غنیمت کا ایک عملی تجزیہ پیش ہوسکے۔

سنہ	نمبر شمار	مہم سریہ یا غزوہ	مالِ غنیمت کا تخمینہ
۲۴_۶۲۲ء	۱	سریہ نخلہ	بیس ہزار درہم
=	۲	غزوہ بدر اکبر	ایک لاکھ ساٹھ ہزار درہم
=	۳	غزوہ بنوقینقاع	دولاکھ پچاس ہزار درہم
=	۴	غزوہ السویق	دو ہزار درہم
۶۲۴/۳ء	۵	غزوہ الکدر	بیس ہزار درہم
=	۶	سریہ قردہ	ایک لاکھ درہم
=	۷	غزوہ اُحد	چھ سو سولہ درہم
=	۸	سریہ قطن	بارہ ہزار چار سو درہم
۴ھ/۲۶_۶۲۵ء	۹	غزوہ بنی النضیر	تین لاکھ درہم
=	۱۰	غزوہ مریسیع	دولاکھ درہم
۵ھ/۶۲۷_۶۲۶ء	۱۱	غزوہ دومۃ الجندل	دس ہزار درہم
=	۱۲	غزوہ خندق	دو ہزار درہم
=	۱۳	غزوہ بنوقریظہ	سات لاکھ بیس ہزار درہم
۶ھ/۲۸_۶۲۷ء	۱۴	سریہ القرطاء	
=	۱۵	سریہ الغمر	
=	۱۶	سریہ ذوالقصہ	
=	۱۷	سریہ الجموم	ستر ہزار درہم
=	۱۸	سریہ الطرف	

Marfat.com

=	۱۹	سریہ فدک		
=	۲۰	سریہ بنی فزارہ		
۷ھ/۲۹-۶۲۸ء	۲۱	غزوہ خیبر		
=	۲۲	غزوہ فدک		چھ لاکھ پچاس ہزار درہم
=	۲۳	غزوہ تیما		
=	۲۴	غزوہ وادی القریٰ		
=	۲۵	سریہ فدک		
=	۲۶	سریہ نجد		دو لاکھ درہم
=	۲۷	سریہ حیضعہ		
=	۲۸	سریہ الجناب		
۸ھ/۳۰-۶۲۹ء	۲۹	سریہ الکدید		
=	۳۰	سریہ السی		
=	۳۱	سریہ موتہ		پچاس ہزار درہم
=	۳۲	سریہ الحفرۃ		
=	۳۳	غزوہ فتحِ مکہ		
۹ھ/۳۱-۶۳۰ء	۳۴	غزوہ حنین		
=	۳۵	سریہ بیشہ		بتیس لاکھ درہم
=	۳۶	سریہ انفلس		
=	۳۷	سریہ دومۃ الجندل		دو لاکھ پچاس ہزار درہم
۱۰ھ/۳۲-۶۳۱ء	۳۸	سریہ الیمن		

میزان: کل مہمات: ۳۸ کل رقم: اکسٹھ لاکھ ستاون ہزار درہم

مسلم معیشت کی بہتری میں غنائم کے حصہ و کردار اور رسولِ اکرم ﷺ کے غزوات اور سرایا کی اقتصادی اہمیت متعین کرنے میں چند اسباب، عوامل اور عناصر کا لحاظ از بس ضروری ہے۔

سب سے پہلے تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ غنائمِ عہدِ نبوی کی مالیت کا مجموعی تخمینہ کتنے افراد و امتِ مسلمہ کو خورد و نوش اور دوسری ضروریاتِ زندگی کی کفالت کیلئے کافی ہے؟ بعض شہادتوں اور روایتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک اوسط درجہ کا بلکہ مختصر خاندان جو تین چار افراد پر مشتمل ہو اپنی ضروریاتِ زندگی

Marfat.com

کیلئے کم از کم سالانہ تین ہزار درہم کی رقم کا محتاج تھا۔(۱۷) اور اتنی رقم میں بھی گزر بسر بہت معمولی درجہ میں جزرسی کے ساتھ ہی ممکن تھی۔تو غنائم کے تخمینہ کی کل رقم باسٹھ لاکھ درہم محض دو ہزار چھیاسٹھ خاندانوں یا بارہ ہزار تین سو چھیانوے سے لے کر چودہ ہزار دوسو اکتیس افراد کے صرف ایک سال کے اخراجات کیلئے کافی ہوگی۔جب کہ مسلم آبادی محض شہر مدینہ کی حدود تک محصور نہیں تھی بلکہ وہ اس کے قرب وجوار کے علاقے میں بھی پھیلی ہوئی تھی۔صدر مقام اور اس کے اطراف کے علاوہ دوسرے شہروں اور قصبوں اور قریوں میں مسلم آبادی موجود تھی۔ڈاکٹر حمید اللہ کی تحقیق وتفتیش کے مطابق کم از کم ایک لاکھ چالیس ہزار مسلمانوں نے رسولِ اکرم ﷺ کے آخری حج کے موقع پر میدانِ عرفات میں قیام کیا۔جبکہ عہدِ نبویؐ ﷺ کے آخری زمانے میں مسلمانانِ عرب کی تعداد پانچ سے دس لاکھ نفوس پر مشتمل تھی۔(۱۸) تاریخی شہادت کی رو سے عہدِ نبوی ﷺ کے دہ سالہ مدنی دور میں حاصل شدہ اموال غنیمت کی مالیت مدینہ منورہ کی مسلم آبادی کی زیادہ سے زیادہ ایک تہائی آبادی کی صرف ایک سال کی ضرورت کی کفالت کرسکتی تھی۔

اس حقیقت کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ مسلمانوں کے ان تمام فوجی، نیم فوجی، مذہبی اور سیاسی مہمات کی تنظیم وترتیب پر کافی مصارف برداشت کئے تھے اور بعض اوقات بہت سے خسارے بھی برداشت کرنے پڑے تھے۔مختلف مہمات کے دوران پکڑے گئے قیدیوں کے انتظام و انصرام کے اخراجات بھی اس میں شامل تھے۔بعض سرایا ایسے تھے جن کو صرف مسلمانوں کو نقصان ہی سے واسطہ پڑا تھا۔اس لحاظ سے مسلم معیشت میں غنائم کے کردار کی اہمیت بہت کم ہو جاتی ہے جس کا دعویٰ مستشرقین نے کیا ہے۔مگر اس سے یہ سمجھ لینا کہ اموالِ غنیمت نے مسلمانوں خصوصاً اہلِ مدینہ کی اقتصادی حالت بہتر بنانے میں کوئی کردار ادا نہیں کیا تھا یا یہ کہ غزوات وسرایا نبویؐ کی کوئی اقتصادی اہمیت نہیں تھی صحیح نہ ہوگا۔اسلام نے مالِ غنیمت کو نہ صرف حلال رکھا ہے بلکہ مسلمانوں کو اس سے متمتع ہونے کا پورا پورا حق دیا۔(۱۹) البتہ رسولِ کریم ﷺ نے محض مالِ غنیمت کی خاطر جنگ سے منع فرمایا۔بہرکیف آنحضرت ﷺ غنائم کی اہمیت سے بخوبی واقف تھے اور اس کی تقسیم کا اس طرح بندوبست فرمایا کہ اس سے صرف مسلم مجاہدین ہی مستفید نہ ہوئے بلکہ عام مسلمانوں کی حالت سنوارنے میں بھی مدد ملی۔خاص طور پر ابتدائی برسوں میں جب مسلمانوں کو مادی وسائل کی سخت ضرورت تھی۔

تجارتی ناکہ بندی

ایک ملک کا جغرافیہ اس کی خارجہ پالیسی میں انتہائی اہم ہوتا ہے خصوصاً اس وقت جب وہ اہم بین الاقوامی تجارتی گذرگاہ پر واقع ہو۔مدینہ سمندر سے صرف ۷۰،۷۵ میل کے فاصلہ پر تھا شام وعراق

Marfat.com

کے اہم علاقے اس کے بالکل سامنے واقع تھے۔عرب کی عظیم ترین تجارتی شاہراہ اس کے سرے سے گزرتی تھی۔قریشِ مکہ کا ذریعہ معاش تجارت تھا اوران کی تجارت کا زیادہ تر انحصار اسی راستے پر تھا جو مدینہ سے گزر کر شام کی طرف جاتا تھا۔لہذا مدینہ کو سیاسی لحاظ سے ایک نمایاں مقام حاصل تھا اور اس وجہ سے مکہ اور مدینہ کے بڑے بڑوں میں دوستانہ تعلقات قائم تھے۔ایک دفعہ قبیلہ اوس کے سردار سعد بن معاذ حج کرنے کیلئے مکہ آئے اور اپنے دوست قریشی سردار امیہ بن خلف کے ہاں قیام کیا۔یہ دونوں حضرات کعبہ کے سامنے بیٹھے تھے ابوجہل نے سعد بن معاذ کو کہا کہ اگر تم امیہ بن خلف کے ساتھ نہ ہوتے تو میں تمھیں ختم کر دیتا تو اس کے جواب میں سعد بن معاذ نے یہ ہی جواب دیا تھا کہ ہم تمھاری تجارت کی شہ رگ کاٹ کر تمھارے ناک میں دم کریں گے۔(۲۰) آنحضرت ﷺ نے بچپن میں بصریٰ اور مدینہ کی طرف اور جوانی میں دوبارہ شام کی جانب جو سفر کئے تھے اس کے دوران میں آپ ﷺ نے مدینہ کی جغرافی اور سیاسی اہمیت سمجھ لی تھی اور قریش کی تجارتی شاہراہ کے ہر پیچ وخم سے آپ ﷺ واقف تھے۔ دوسری طرف آپ ﷺ صرف قریش کا ایک قریبی فرد ہونے کی بنا پر بلکہ خود تاجر رہ کر اور کاروانوں میں شریک ہو کر قریش کی معیشت کے سب سے بڑے تجارتی ذریعہ سے آگاہ تھے۔قریش کو شام وعراق کی شاہراہ پر تجارت سے ۲/۱-۲ (اڑھائی) لاکھ اشرفی سالانہ کی آمدنی تھی۔(۲۱) مسلمانوں کو چونکہ قریش نے ہی مکہ سے نکلنے پر مجبور کیا تھا اور مدینہ میں پہنچ کر وہ اپنی ایک ریاست قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے تو بھی قریشِ مکہ نے ان کا پیچھا نہ چھوڑا تھا اور ریاستِ مدینہ کے خلاف مسلسل ریشہ دوانیوں میں مصروف رہے۔چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کے دفاع کیلئے بندوبست کرتے ہوئے یہ فیصلہ بھی کیا کہ اقتصادی ہتھیار استعمال کرتے ہوئے قریش کی ناکہ بندی کی جائے تاکہ ان کو یہ احساس دلایا جائے کہ ان کے اہم اقتصادی مفادات اب اسلامی ریاست سے وابستہ ہو چکے ہیں اور اس ریاست سے بہتر تعلقات قائم کیے بغیر ان کی تجارت محفوظ نہیں رہ سکتی۔چنانچہ ہجرت کے ساتویں ماہ رسالت مآب ﷺ نے امیر حمزہ بن عبدالمطلب کی قیادت میں تیس آدمیوں کا ایک دستہ عیص کی جانب ساحلِ سمندر کی طرف روانہ کیا تاکہ شام سے آنے والے قریشی تجارتی قافلے کو روکا جائے۔یہ قافلہ تین سو افراد پر مشتمل تھا اور ابوجہل میرِ کارواں تھا۔مسلمان درختوں کی جانب سے ساحل سمندر کی طرف پہنچے اور مڈبھیڑ کیلئے تیار ہو گئے لیکن مجدی بن عمرو جہنی جو مسلمانوں اور قریش دونوں کا حلیف تھا، نے بیچ بچاؤ کرا دیا اس طرح قریش کا قافلہ امن وامان سے مکہ چلا گیا۔

ماہِ شوال میں آپ ﷺ نے عبیدہ بن حارث کو ساٹھ افراد کی قیادت میں وادی رابغ کی طرف روانہ کیا۔قریش سے ان کی مڈبھیڑ احیاء نامی ایک چشمے، جو مثنیہ المرۃ کے دامن میں واقع ہے پر

Marfat.com

ہوئی۔اس سریہ میں با قاعدہ لڑائی ہوئی نہ تلوار زنی ہوئی صرف تیراندازی کی گئی۔ذیقعدا ہجری میں آپ ﷺ نے سعد بن ابی وقاص کی قیادت میں ۸۰ افراد کا ایک دستہ ضرار کی طرف روانہ فرمایا۔(۲۲) پانچویں دن علی الصبح یہ دستہ ضرار پہنچا۔قریش کا قافلہ ایک دن پہلے ہی اس قیام سے گزر چکا تھا اس لئے بغیر کسی مقابلے ہی لوٹ آیا۔

ربیع الاول ۲ ہجری میں آنحضرت ﷺ خود قریش کے تجارتی قافلے کو روکنے کی غرض سے دوسو افراد کی معیت میں کوہ رضوی کے دامن میں واقع ایک مقام بواط پہنچے۔(۲۳) قریشی قافلے کی قیادت امیہ بن خلف کے سپرد تھی۔یہ ایک سو شمشیر بکف اور اڑھائی ہزار اونٹوں کے گلہ پر مشتمل تھا۔امیہ بن خلف اپنے قافلے کو دوسری راہ سے نکالنے میں کامیاب ہوگیا۔(۲۴) جمادی الاول ۲ ہجری (اکتوبر ۶۲۳ء) کے آخری ایام میں آپ ﷺ کو معلوم ہوا کہ قریش کا ایک تجارتی قافلہ ابوسفیان کی سرکردگی میں مکہ کی طرف سے شام کو جارہا ہے۔تعاقب کی غرض سے دوسو افراد کو ساتھ لے کر روانہ ہوئے وادی ینبوع میں عیشر نامی مقام پر پہنچ کر آپ ﷺ کو معلوم ہوا کہ قریش کا قافلہ راستہ بدل کر نکل گیا ہے۔ہجرت کے سترہویں مہینے رجب میں عبداللہ بن جحش اسدی کو آٹھ افراد کے ساتھ وادی نخلہ کی طرف بھیجا گیا۔نخلہ پہنچنے پر قریش کے تجارتی قافلے سے سامنا ہوگیا۔باقاعدہ لڑائی میں قافلے کا شریک عمرو بن الحضرمی مارا گیا اور سامان مسلمانوں کے ہاتھ آگیا۔عبداللہ بن جحش سامان اور دو قیدیوں کو لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے مسلمانوں کے ماہ حرام میں مقابلہ سے بے زاری کا اظہار فرمایا اور خمس لینے سے انکار کردیا۔اس کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ جو واقعہ جنگ بدر کا پیش خیمہ بنا وہ بھی اقتصادی نوعیت کا ہے۔نخلہ کے واقعات کے بعد قریش انتقام کی آگ میں بھڑک رہے تھے۔انہی دنوں رسالتِ مآبؐ نے سنا قریش کا ایک قافلہ ابوسفیان کی سرکردگی میں شام سے واپس آرہا ہے۔آپ ﷺ نے ایک دستہ خبر رسانی کیلئے روانہ فرمایا۔ابوسفیان بھی بے خبر نہ تھا اور ایک قاصد اہلِ مکہ کو اطلاع کرنے کیلئے بھیج دیا کہ قافلے پر حملے کا خطرہ ہے ____ !ابوسفیان قافلے کو صحیح سلامت مکہ پہنچانے میں کامیاب ہوگیا۔اس کے باوجود ابوجہل ایک ہزار سورماؤں کی قیادت کرتا ہوا مدینہ کی طرف چل پڑا۔نتیجتاً غزوۂ بدر کا واقعہ ہوا۔

قریش بدر سے پہلے احمر کے ساتھ ساتھ شام کو تجارتی قافلے لے جایا کرتے تھے لیکن اب انہوں نے عراق کا راستہ اختیار کرلیا۔جمادی الآخر ۳ ہجری کو قریش کے ایک قافلے کی اطلاع ملنے پر آپ ﷺ نے زید بن ثابتؓ کو ایک سو افراد کی قیادت میں روانہ فرمایا۔زیدؓ نے نجد کے چشموں میں سے القردہ نامی ایک چشمے پر قافلے کو جالیا۔مسلمانوں کے ہاتھ سارا سامان لگا۔اس میں زیادہ تر چاندی تھی۔ رجب ۸ ہجری میں امیر ابوعبیدہؓ بن جراح کو تین سو سواروں کے ہمراہ قریش کے ایک قافلے کا تعاقب

Marfat.com

کرنے کیلئے سیف البحر کی طرف بھیجا۔ یہ جماعت بیس دن سمندر کے کنارے ٹھہر کر واپس آ گئی۔ (۲۵) کیونکہ اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ قریش کی توجہ منتشر کی جائے۔

قریش کے خلاف اقتصادی ناکہ بندی کی پالیسی کے تحت حضورﷺ نے مدینہ کے گردونواح میں واقع بہت سے قبائل کو باقاعدہ معاہدات کے ذریعے اپنے ساتھ ملالیا تھا۔ چنانچہ قبائل جہینیہ، بنوضمرہ، بنومدلج، بنواشجع، بنوغفار وغیرہ کے ساتھ معاہدات کے بعد آنحضرتﷺ کیلئے قریش کی تجارتی شہ رگ کو کاٹنا آسان ہو گیا تھا۔

آپﷺ کے نزدیک قریش کی ناکہ بندی کے دو اہم مقاصد پیشِ نظر تھے۔ ایک یہ کہ دشمن معاشی لحاظ سے کمزور ہو دوسرے وہ منافع جو فوری طور پر مصارف جنگ کی صورت میں مسلمانوں پر ہی استعمال ہونے والا تھا اس کا قصہ ختم ہو جائے۔ تجارتی ناکہ بندی کو کامیاب بنانے کیلئے گہرے تدبر کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ اس وقت کی جانی چاہئے جب انسان اس سے پیدا ہونے والے ردِعمل کا مقابلہ کرنے کیلئے پوری طرح تیار ہو۔ نپولین بوناپارٹ جو مغربی دنیا کا عظیم جرنیل سمجھا جاتا ہے نے بھی برطانیہ کی تجارت کی ناکہ بندی کی تھی جسے کانٹی نینٹل سسٹم بھی کہا جاتا ہے۔ برطانیہ کے پاس مضبوط بحری بیڑا بھی تھا اور اونی مصنوعات، چینی، چائے، قہوہ اور دیگر کئی اشیاء پر اس کی اجارہ داری تھی۔ نپولین نے پہلے تو برطانوی درآمدات کو حکماً ممنوع قرار دیا پھر اپنے دوست ممالک پر زور ڈالا کہ وہ بھی برطانوی مصنوعات اپنے اپنے ہاں ہرگز درآمد نہ کریں۔ یہ ایک ایسی پابندی تھی جس پر زیادہ دیر تک عمل نہیں کیا جا سکتا تھا۔ فرانس اور اس کے دوست ممالک کی تجارت بحران کا شکار ہو گئی۔ دوسری طرف برطانیہ نے جوابی کارروائی کے طور پر ان ممالک کی ناکہ بندی کر دی تو نپولین اور اس کے حامی سخت مجبور ہو گئے۔ نتیجتاً یہ ہوا کہ فرانس کے حلیف ممالک اسی وجہ سے اس سے کٹ گئے اور دشمن بن گئے۔ خود نپولین کا یہ حال تھا کہ اسے فوج کیلئے ہزارہا کی تعداد میں سمگل شدہ برطانوی کمبل بلیک میں اونچے نرخوں پر خریدنا پڑے اور اگر حقیقت میں دیکھا جائے تو اس کے زوال کے اسباب میں ایک بڑا سبب اسی کی تجارتی ناکہ بندی تھی۔ (۲۶) ۱۹۷۹ء میں سوویت فوجوں نے افغانستان پر قبضہ کیا تو ردِعمل کے طور پر امریکہ نے سوویت یونین کو گندم کی سپلائی روک دی اور دیگر یورپی ممالک پر بھی ڈباؤ ڈالا کہ وہ ایسا کریں۔ اس سے امریکی کاشتکاروں اور تاجروں کا کاروبار متاثر ہوا تو اس کے خلاف حکومت پر دباؤ ڈالا۔ مجبور ہو کر امریکی حکومت نے یہ پابندی ختم کر دی۔

نتائج کے اعتبار سے دیکھا جائے تو آنحضرتﷺ نے قریشِ مکہ کی اقتصادی ناکہ بندی کا نہ صرف کامیابی سے بندوبست کیا بلکہ اس سے پورا پورا فائدہ بھی اٹھایا۔ اتفاق کی بات یہ کہ رواں صدی

Marfat.com

Marfat.com

بعض معاندینِ اسلام نے آنحضرت ﷺ کی تجارتی ناکہ بندی پر الزام لگایا کہ مسلمانوں کا مقصد محض لوٹ مار حاصل کرنا تھا۔ اس الزام کا اصل جواب تو یہ ہے کہ جن حالات میں آنحضرت ﷺ نے قریش کے خلاف اقتصادی ناکہ بندی کی تھی ایسے حالات میں آج کی کوئی بھی مہذب ترین حکومت بھی ملحقہ شاہراہوں، پانیوں اور فضاؤں سے دشمن سلطنت کو سلامتی سے گزر جانے کا موقع نہیں دے سکتی۔ ہوائی جہاز مار گرائے جاتے ہیں۔ بحری جہازوں کو پکڑ لیا جاتا ہے یا تار پیڈو کر دیا جاتا ہے، سرمائے ضبط کر لئے جاتے ہیں۔ ڈاک روک دی جاتی ہے۔ تجارتی متبادلہ ختم ہو جاتا ہے۔ پھر مدینہ کی ریاست کیلئے یہ انفرادی رائے کیوں قائم کر لی گئی کہ وہ اپنے دشمنوں کو اس کے باوجود ختم کرنے کی کھلی چھٹی دے۔ جب یہ حقیقت واضح ہے کہ تجارتی شاہراہ ایسے علاقوں سے گزرتی تھی جو معاہدانہ تعلقات کی بناء پر مدینہ کے زیرنگین علاقے تھے تو آخر اسلامی حکومت کیوں اپنے علاقوں سے حریف طاقت کو گزرنے کا موقع دیتی۔ (۲۸) مزاحمتی کارروائیوں کو لوٹ مار کا الزام دینا اس لحاظ سے بھی غلط ہے کہ (۱) اگر لوٹ مار ہی مقصد ہوتا تو قریش کے تجارتی قافلوں کی تخصیص کیوں تھی۔ تجارتی قافلے تو یمن سے بھی روانہ ہوتے تھے ان کی کبھی ناکہ بندی نہیں کی گئی۔ (۲) لوٹ مار کو اسلامی نقطۂ نظر سے حرام قرار دیا گیا، یہ مالِ غنیمت کی تعریف میں نہیں آتا (۳) جو لوگ غارت گری اور لوٹ کھسوٹ کیلئے گھر سے باہر نکلتے ہیں وہ جلد از جلد اپنے مستقر پر واپس آجاتے ہیں کیونکہ انہیں خوف ہوتا ہے مبادا دشمن یہ مالِ غنیمت ہم سے چھین نہ لے۔ وہ ہفتوں تک خطرات میں باہر قیام نہیں کرتے جیسا کہ مسلمانوں نے کیا۔ دیارِ بنوسلیم میں پہلی بار مسلمان تین دن تک ٹھہرے اور دوسری مرتبہ دو ماہ تک اسی طرح دیارِ بنوثعلبہ اور بنومحارب میں ان کی مدتِ قیام پورا ایک مہینہ تھی۔ اتنی لمبی مدت تک۔ غارت گر اور لٹیرے اور مالِ غنیمت کے رسیا قیام کرنے کی جرأت کیسے کر سکتے ہیں؟ (۲۹) پھر رسول اللہ ﷺ مکہ والوں کی تجارتی ناکہ بندی کر کے ان کو بھوکا نہیں مارنا چاہتے تھے یا اپنے اوپر کئے گئے ظلم کا بدلہ نہیں لینا چاہتے تھے۔ وہ تو رحمۃ للعالمین تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے ضرورت کے وقت مکہ کی مالی مدد بھی کی۔ فتحِ مکہ سے پہلے وہاں سخت قحط پڑا تو آنحضرتؐ نے ابوسفیان کے پاس پانچ سو اشرفیوں کی خطیر رقم بھیجی کہ مکے کے غریبوں اور محتاجوں میں تقسیم کرے۔ صلحِ حدیبیہ سے قبل مسلمانوں کے معاشی دباؤ کے باعث قریش کی تجارت سخت متاثر تھی۔ ابوسفیان کا روزگار بھی تجارت ہی تھا۔ حضور ﷺ نے اسے مدینہ کی کھجوروں کی ایک بڑی تعداد بھیجی اور معاوضے میں طائف کا چمڑا طلب فرمایا جس کا اسٹاک شامی بندش کی وجہ سے ابوسفیان کے پاس پڑا پڑا خراب ہو رہا ہوگا۔ (۳۰) مکہ سے غلہ کی درآمد مشرقی عرب خاص کر یمامہ سے ہوا کرتی تھی۔ یمامہ کے ایک سردار ثمامہ بن اثالی نے اسلام قبول کر لیا اور آنحضرت ﷺ کی اجازت سے حکم دیا کہ اس علاقے

Marfat.com

سے اب غلہ مکہ کو برآمد نہ کیا جائے۔ مکہ والے پیٹ سے مجبور ہو گئے اور جناب رسالت مآب کو رشتہ داری اور صلہ رحمی کا واسطہ دے کر خط لکھا کہ یمامہ سے غلے کی مکے کو برآمد کی ممانعت منسوخ کر دی جائے۔ آنحضرت ﷺ نے ایسا ہی کیا۔ ڈاکٹر حمید اللہ نے اس اقتصادی امداد کو اسلام کی تالیفِ قلبی کے اصول کے تحت آنحضرت ﷺ کی خارجہ حکمت عملی کا ایک حصہ قرار دیا ہے۔ ان کے نزدیک ایک ایسی امداد کا مقصد یا ضرورت اس لئے رہتی ہے کہ

۱۔ دشمن کو دوست اور مددگار بنانے کیلئے
۲۔ یا کم از کم غیر جانبدار ہو جانے کیلئے
۳۔ اور دوستوں کو انعام دے کر مزید اور عظیم تر کارگزاریوں پر آمادہ کرنے کیلئے
۴۔ نیز دیگر دوستوں کو ترغیب و تشویق دلانے کیلئے
۵۔ یا ڈھلمل لوگوں کو تائید میں مستحکم کرنے کیلئے
۶۔ یا مماثل مصالح کیلئے (۳۱)

بالآخر نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ مستشرقینِ مغرب آپ ﷺ کی تجارتی ناکہ بندی کی بابت جو الزام تراشیاں کرتے ہیں وہ بلا جواز ہیں۔ آنحضرت ﷺ کے نزدیک انسانیت کو بھوک و ننگ اور مصیبتوں سے محفوظ و مامون رکھ کر اپنے مقصد کو حاصل کرنا تھا۔ یہ مقصد بھی اسلام کے پیغام اور دین کے غلبہ کی صورت میں انسانیت ہی کی بھلائی کیلئے تھا ــــــ!

●○●○●○●

Marfat.com

حوالہ جات باب ہشتم

۱۔ کتاب المجر، ص ۲۶۳۔

۲۔ عرب تمدن، ص، ۱۴، ۱۴۴۔

۳۔ ڈاکٹر حمید اللہ، "رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی"، ص ۱۲۱۔

۴۔ لامنس کی فرانسیسی کتاب مکہ بوقت ہجرت"، ص ۱۲۹، ۱۳۰۔ بحوالہ ڈاکٹر حمید اللہ، عہدِ نبویؐ میں نظامِ حکمرانی

۵۔ ایضاً، ص ۱۲۲۔

۶۔ Lawman,La Meeque a Lave, lledel, Hegire, p 129.

۷۔ ازرقی، اخبارِ مکہ، ص ۱۰۷۔

۸۔ شبلی نعمانی، سیرۃ النبی ﷺ، جلد اول، حالات قبل نبوت، مسند احمد بن حنبل، جلد ۴، ص ۲۰۶۔

۹۔ ڈاکٹر حمید اللہ، "عہدِ نبویؐ میں نظامِ حکمرانی"، ص ۲۴۰۔

۱۰۔ محمد حسین ہیکل، "سیرۃ الرسول ﷺ"، ص ص ۱۴۷۔۱۴۸۔

۱۱۔ ایضاً، ص ۱۵۶۔

۱۲۔ نقوش، رسول ﷺ نمبر، جلد ۲، ص ۶۰۸۔

۱۳۔ ایضاً، ص ۴۰۹۔

۱۴۔ ایضاً، ص ۶۲۳۔

۱۵۔ ایضاً، ص ۴۲۵۔

۱۶۔ واقدی، ص ۶۳۵۔

۱۷۔ ڈاکٹر حمید اللہ، "محمد رسول اللہ ﷺ" (انگریزی، حیدرآباد دکن ۱۹۷۴ء) ص ۸۰، بحوالہ نقوش، جلد ۲، ص ۵۸۹۔

Marfat.com

۱۸۔ قرآن کریم، سورہ انفال۔ آیت اوغیرہ۔
۱۹۔ صحیح بخاری، کتاب المغازی۔
۲۰۔ ابوالاعلیٰ مودودی، جلد۲، ص۱۲۱۔
۲۱۔ تاریخ طبری، حصہ اول، ص۱۵۰۔
۲۲۔ ایضاً، ص۱۵۳۔
۲۳۔ محمد صدیق، "رسولِ اکرمؐ کی سیاست خارجہ"، ص۲۵۸۔
۲۴۔ ابن ہشام، حصہ دوم، ص۷۷۶۔
۲۵۔ پروفیسر شمس الدین، "جدید تاریخ یورپ، (نذر سنز، لاہور ۱۹۶۱)"، ص ص۲۶۳۔۲۶۵۔
۲۶ نیویارک ٹائمز، اپریل۔۱۹۷۳، نمبر۱۶۔
۲۷۔ نعیم صدیقی، "محسنِ انسانیت" ص۳۸۴۔
۲۸۔ سید شمیم حسین قادری، "اسلامی ریاست"، ص۳۴۹۔
۲۹۔ رئیس احمد جعفری، "آنحضرت بحیثیت سپہ سالار"، ص۱۸۳۔
۳۰۔ ابوعبید، کتاب الاموال، ص۶۳۔
۳۱۔ ڈاکٹر حمید اللہ، "عہدِ نبوی ﷺ میں نظامِ حکمرانی" ص۲۵۷۔

Marfat.com

باب 9

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور عالمی امن کا قیام

بعثتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت عالمی امن کی تباہی کے اسباب

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت دنیا میں امن کی حالت انتہائی مخدوش تھی۔اس وقت کی دو متمدن اور طاقتور سلطنتیں روم و فارس برسوں سے باہم برسرِ پیکار نظر آتی ہیں اور ایک دوسری کو نیچا دکھانے کیلئے بڑی سے بڑی جنگ سے بھی گریز نہیں کیا تھا۔بڑی طاقتوں کی یہ معرکہ آرائیاں انہی تک محدود نہ تھیں بلکہ ان میں ان کی حلیف اور سرحدی ریاستوں کو بھی ملوث ہونا پڑتا۔اس طرح بڑی طاقتوں کی خانہ جنگی پورے عالمی امن کو تباہ کئے ہوئے تھی۔یہی نہیں بلکہ خود ان ریاستوں کے اندر بھی امن وسلامتی کی فضا موجود نہ تھی۔کبھی سیاسی ابتری کی وجہ سے فتنہ وفساد پھیلتا، کبھی ہوسِ اقتدار کے سبب خونریزی ہوتی تو کبھی مذہبی تعصب کی بناء پر ایک طبقے کو تہِ وتیغ کیا جاتا۔جزیرہ عرب کے رہنے والے قبائل اپنی معاشی ضروریات کے پیشِ نظر لوٹ مار کو اپنا پیشہ بنائے ہوئے تھے اور کاروانی راستوں پر خطرہ بنایا ہوا تھا۔نیز معمولی معمولی جھگڑوں کی بناء پر باہم لڑائیوں سے باز نہ آتے تھے۔بلکہ یہ لڑائیاں انتقام درانتقام طویل خونریز جنگوں میں بدل جاتیں۔گویا فتنہ وفساد، ظلم وستم اور بدامنی کی فضا ہر خطے میں موجود تھی۔(۱) ایسی فضا کیوں پیدا ہوگئی تھی۔اس کے کئی ایک محرکات تھے۔

ا۔دولت کا ارتکاز

جس معاشرے میں دولت کی گردش رک جائے اور وہ چند ہاتھوں میں مجتمع رہے تو اس معاشرے میں امیر وغریب کا فرق نمایاں ہو جاتا ہے۔دولت کے چند ہاتھوں میں ارتکاز کے سبب ایک محدود طبقہ تو عیش وعشرت کی زندگی بسر کرتا ہے لیکن دیگر عوام غربت وافلاس کا شکار ہو جاتے ہیں۔پھر ایک وقت آتا ہے کہ یہ معاشی طبقہ واریت معاشرے کے امن کو تہہ و بالا کر دیتی ہے۔روم و فارس کی اقتصادی حالت کا جو نقشہ "حجۃ اللہ البالغہ" میں شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے کھینچا ہے وہ صحیح اور حقیقت پسندانہ ہے۔ان کے مطابق:

Marfat.com

" جب ایرانیوں اور رومیوں کو مختلف اقوام پر حکومت کرتے صدیاں گزر گئیں اور انہوں نے دنیوی زندگی ہی کو اپنا مقصد بنالیا اور آخرت کو فراموش کر بیٹھے اور شیطانیت ان پر غالب آگئی تو ان کی زندگی کا حاصل یہ بن گیا کہ عیش کے دن گزاریں چنانچہ ان میں سے ہر شخص دادِ عیش دینے لگا۔ ان کے اس طرزِ زندگی کو دیکھ کر دنیا کے ہر گوشہ سے علماء اور سائنس دان ان کے گرد جمع ہونے لگے جو ان کے لئے سامان مہیا کرنے کی غرض سے عجیب عجیب دقیقہ سنجیاں اور نکتہ آفرینیاں کرنے لگے اور نئے نئے اسبابِ زینت کی ایجاد و اختراع میں مصروف ہو گئے۔ سرمایہ پرست امراء کا یہ حال ہو گیا تھا کہ جس کے پاس ایک لاکھ درہم سے کم مالیت کا پٹکا یا کلاہ ہوتا تھا اسے بخیلی کا طعنہ دیا جاتا تھا۔"

" ایسے ہی انہوں نے عالیشان سر بفلک محل، اعلیٰ درجہ کے آبزن، نفیس حمام، نظر افروز پائیں باغ، سواری کے نمائشی جانور، خدمت کیلئے خوبصورت غلام اور باندیاں اپنی زندگی کے لوازم بنالئے اور مقصدِ حیات صرف یہ سمجھ لیا کہ صبح شام عیش و نشاط کی محفلیں ہوں۔ طرح طرح کے کھانے وسیع دسترخوانوں پر چنے ہوں اور وہ لباسِ فاخرہ پہنے اس پر بیٹھے ہوں۔ غرض ان ملوکِ ایران و روم کی داستانِ یاستان کہاں تک بیان کی جائے۔ تم اپنے زمانے کے بادشاہانِ دہلی کی جو حالت دیکھتے ہو وہی ان ملوکِ ایران اور روم کی حالت کا قیاس کرنے کیلئے کافی ہے۔"

" بادشاہوں اور امیروں کی اس عیاشیانہ زندگی سے بہت خطرناک معاشی اور معاشرتی امراض پیدا ہو گئے جو حیاتِ معاشری کے ہر شعبہ میں داخل ہو گئے۔ ان سے نہ شہری محفوظ رہا نہ دیہاتی نہ امیر اور نہ غریب۔ اس ہمہ گیر مصیبت

Marfat.com

کا حل یہ تھا کہ یہ سامانِ تعیش کثیر زر و مال صرف کئے بغیر حاصل نہ ہوسکتا تھا۔اور ظاہر ہے کہ یہ مالِ کثیر کاشتکاروں اور تاجروں وغیرہ پر نئے ٹیکس لگانے اور پہلے کے لگے ہوئے ٹیکسوں میں اضافہ کئے بغیر حاصل نہ ہوسکتا تھا۔پھر مصیبت بالائے مصیبت یہ کہ گراں بار ٹیکس لوگوں کو طرح طرح سے تنگ کر کے وصول کئے جاتے تھے۔اگر وہ ٹیکس ادا کرنے سے انکار کرتے تھے تو ان کے خلاف فوجی کارروائی کی جاتی تھی"۔

جان بی۔فرتھ اسکوائر نے اپنی کتاب "قسطنطینِ اعظم" میں رومی بازنطینی سلطنت کے نظامِ محصول بندی کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

" خلاصہ یہ کہ اس سخت محصول بندی سے صوبجات کے زمیندار اور چھوٹے کاشتکار بالکل ہی فنا ہوگئے۔قسطنطین کے زمانے میں بالخصوص اس کے آخری دورِ حکومت میں اس بات کی شہادت بکثرت موجود ہے کہ صوبجات کے گورنر جس طرح چاہتے تھے رعایا پر جبر کریں۔ظاہر ہے کہ اس محصول نے رعایا پر بڑی سختیاں پیدا کی تھیں۔ہر ایک علاقے میں جس قدر سرمایہ پس انداز لوگوں کے پاس تھا وہ سب ختم ہوگیا اور کاشتکار بالکل تباہ ہوگئے_____ اس سختی کی وجہ سے رعایا میں جات بندی کا طریقہ نکل آیا اور اس طریقہ کی سختیاں خزانہ شاہی کی ضروریات کے مطابق بڑھتی گئیں اور آزاد کاشتکار جو پہلے کسی کے غلام تھے نہ نوکر بالکل ہی بگڑنے لگے۔جب مفلسی بڑھی تو امیروں کے غلام نہیں تو ادنیٰ رعیت بن کر کاشتکاری کرنے لگے اور پھر یہ ادنیٰ پیشہ ان کی ذات ہوگئی۔یہ کاشتکار گو غلام نہ تھے لیکن اپنی مرضی سے نقل و حرکت پر قدرت نہ رکھتے تھے۔جس وقت ان غریبوں کا حقِ ملکیت زمین سے اٹھ گیا تو پھر دوسروں کے

Marfat.com

> نوکر اور بندے ہو گئے۔ اس حال میں جو کچھ زمین سے پیدا کرتے تھے اس کا ایک مقرر حصہ مالک کو دیتے تھے۔ اس کے علاوہ جہاں کہیں مالک کی سکونت ہوتی وہاں جا کر چند مقرر ایام تک بیگار میں کام کرتے تھے۔ غرض ان کاشتکاروں کی حالت کو جن کو لونس کہتے ہیں رفتہ رفتہ ایسے غلاموں کی ہوگئی جن کو پوری آزادی نہ ملی ہو بلکہ غلامی اور آزادی کی درمیانی حالت میں ہوں۔ دوسرے لفظوں میں یہ سمجھئے کہ اب وہ محض سرف (Serf) رہ گئے تھے۔"

یورپ میں اسپین کی حالت بالخصوص نہایت ابتر تھی۔ امراء جنہیں رومی شہنشاہوں کے تحت تمام اعلیٰ مناصب اور عہدے حاصل تھے ہر قسم کے محصول سے بری قرار دیئے گئے۔ یہ لوگ نہایت شاندار محلات میں رہتے۔ غلاموں اور کنیزوں کا ایک جم غفیر ان کی مشایعت کیا کرتا تھا۔ ان کا زیادہ وقت حماموں میں گزرتا جو بداخلاقیوں کے اڈے بن گئے تھے۔ ان کی دولت وثروت اور اعلیٰ معیارِ زندگی کے مقابلہ میں عوام الناس کی حالت نہایت شکستہ اور قابلِ رحم تھی۔ متوسط طبقے اور شہروں اور دیہاتوں کی آزاد آبادی رومیوں کے ظلم وستم سے تنگ تھی۔ غلاموں کے ساتھ جانوروں کا سا سلوک کیا جاتا تھا۔ وحشی اقوام کے حملوں نے ملک میں اور زیادہ ابتری پھیلا دی۔ انہوں نے ہر طرف قتلِ عام اور تباہی کا بازار گرم کر دیا اور ہزاروں عورتوں، بچوں اور پادریوں کو غلام بنا لیا۔

(۲) قوم پرستی

توریت کی گرمی، زبور کی شاعری، انجیل کی نرمی بھی دنیا میں آ چکی تھی وید کی تقسیم انگیزی کا تجربہ بھی انسان کر چکا تھا۔ کنفیوشیس کی تعلیم بھی رائج ہو چکی تھی۔ کاوٹیلیا کی ارتھ شاستر، ارسطو کی پالیٹکس، مہابھارت اور الیڈ واڑ یسے جیسی کتابیں بھی لکھی جا چکی تھیں۔ لیکن دنیا میں امن قائم نہ ہو سکا تھا اور نہ انسان کو انسانیت بخشی جا سکی تھی کیونکہ یہ تمام کوئی ایسا نظریہ ہی نہ دے سکے جو انسان کی عظمت پر پورا اترتا۔ بلکہ مختلف قسم کی طبقہ واریت اور عصبیتیں پیدا کر کے رکھ دیں جن کی بنا پر ہمیشہ انسانوں کے درمیان نفرتیں ہی پیدا ہوئیں اور امنِ عالم تباہ و برباد ہوا۔ ایرانیوں کو اپنے گورے رنگ پر اتنا ناز تھا کہ حبشیوں اور ہندوؤں کو کوے کہا کرتے تھے۔ عربوں کو اپنی زبان کی ساخت اور مفہوم کی ادائیگی کی صلاحیت پر اتنا فخر تھا کہ اپنے سوا ساری دنیا کو گونگا سمجھتے تھے اور اسی بنا پر عربی اور عجمی کا فرق پیدا ہوا۔ فرانسیسی تاریخ دان

Marfat.com

موسیو سیدیو کے مطابق "عربوں کے کلام میں حُسن وخوبی پیدا کرنے کا بڑا اہتمام رہتا تھا۔ یہی سبب ہے ان کو اپنی زبان پر بجا طور پر ناز تھا اور اسی خوش بیانی میں وہ باہم غالب ومغلوب ہوا کرتے تھے۔"

عام انسانوں کا فطری مزاج ہے کہ نہ وہ دوسروں کا احسان یاد رکھتے ہیں اور نہ دوسرے کی پہنچائی ہوئی تکلیف بھولتے ہیں۔ اگر ان کے اندر عفو ودرگزر سے کام لینے کا حوصلہ نہ ہو تو یہ مزاج انتقام در انتقام کے طویل سلسلے کو جنم دیتا ہے۔ عہد نبوی ﷺ کے آغاز پر عرب کے قبائل کی جنگوں کا ایک سبب نہ ختم ہونے والا یہی جذبۂ انتقام تھا۔ عرب قبائل میں یہ ہی نہیں بلکہ ایران وروم کی ہزار سالہ کشمکش اور ہندوستان میں برہمنی اور بدھ مت کشاکش بھی ایسی ہی تھی۔ خود رسول اللہ ﷺ نے مکہ میں نبوت کا اعلان فرمایا اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دی تو ان کو ہر طرح سے ایذا رسانی پہنچائی گئی حتیٰ کہ قتل تک کر دینے کا منصوبہ بنایا گیا۔ مدینہ ہجرت کر جانے کے بعد مسلمانوں کی جائیداد تک ضبط کر لی گئی۔ پھر انتقام کے جذبہ کے تحت بدر، اُحد اور خندق میں آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کے رفیقوں کو نیست ونابود کر دینے کی غرض سے چڑھ دوڑے۔

(۳) عدمِ مساوات

معاشرے میں وہ طبقے ہمیشہ باغیانہ رویہ اختیار کر لیتے ہیں جن کے ساتھ غیر مساویانہ اور ظلم و ستم کا سلوک روا رکھا جائے۔ نتیجتاً بدامنی وانتشار اور بغاوت جنم لیتی ہے۔ نبوتِ محمدؐ کے وقت پورے عالم میں کسی نہ کسی طرح ایک ہی آدمؑ وحوّا کی اولاد کی مختلف درجات میں تقسیم کر کے ان پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے۔ ہندوستان میں جب آریہ حملہ آور پنجاب سے آگے بڑھے تو ان کے مذہبی طبقات نے مفتوحہ آبادی کو الگ تھلگ رکھنے کیلئے نہایت سخت قواعد وضع کئے۔ اگر مفتوح آبادی کا کوئی فرد فاتح طبقے کے کسی شخص کو چھو لیتا تو اس کو مذہباً ناپاک خیال کیا جاتا تھا۔ اعلیٰ ذاتوں کے مذہبی رسوم وشعائر شودروں کیلئے بالکل ممنوع تھے۔ شودروں کو یہ اجازت تو ضرور تھی کہ اپنے آباؤ اجداد کی یاد میں قربانیاں کریں لیکن ان مراسم میں کوئی حصہ نہیں لے سکتا تھا۔ اگر لیتا تو اسے سخت سزاؤں کا مستوجب قرار دیا جاتا تھا۔ شودروں کے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ ڈالا جاتا، گرم لوہے سے داغا جاتا محض اس وجہ سے کہ انہوں نے کسی برہمن کو وید پڑھتے سُن لیا یا اس کی نشست پر بیٹھ گئے تھے۔ ایران میں شاہی خاندان، مذہب کے نمائندوں اور بعض اوپر والے طبقوں کو محصولات سے مستثنیٰ قرار دے کر واضح طور پر دو طبقے پیدا کر دیئے گئے تھے۔ بات یہیں ختم نہیں ہو جاتی بلکہ زن ومرد کے درمیان بھی عدمِ مساوات تھی جو عرب کے علاوہ ہندوستان کے اندر بھی شدت سے موجود تھی۔ یہاں اس وقت عورت سے متعلق مختلف زبانوں کی امثال کا

Marfat.com

ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ چینیوں میں مثل ہے کہ اپنی بیوی کی بات تو سننی چاہیے لیکن اس پر یقین ہرگز نہ کرنا چاہئے۔ روسی مثل ہے دس عورتوں میں ایک روح ہوتی ہے۔ "اطالیوں کا قول ہے" گھوڑا اچھا ہو برا، اسے مہمیز کی ضرورت ہے، عورت اچھی ہو یا بری اسے مار کی ضرورت ہوتی ہے۔" اسپینی زبان میں مثل ہے۔" بری عورت سے بچنا چاہئے مگر اچھی صورت پر بھی کبھی بھروسہ نہیں کرنا چاہئے۔ ہنود، یونانی اور رومی قوانین اس سے کوئی کم نہیں ہیں۔ روم میں مرد کی حکومت اپنی بیوی پر جابرانہ تھی۔ عورت ایک لونڈی کی حیثیت رکھتی تھی جس کا کوئی حصہ معاشرے میں نہ تھا۔ قانونِ یونان میں انہیں کسی قسم کا حق حاصل نہیں تھا یہاں تک کے حقِ وراثت بھی نہیں دیا گیا تھا۔ عربوں کے نزدیک تو کسی عورت کو زانیہ کہنے کیلئے اس قدر کافی تھا کہ وہ کسی فرد کے ساتھ اتنی علیحدہ رہے جتنی دیر میں ایک انڈا ابالا جا سکتا ہے۔"
(۲) ایران میں مرد ہر قسم کی اخلاقی، مذہبی اور قانونی گرفت سے آزاد تھا۔ وہ خون کے قریب ترین رشتوں سے شادی کر سکتا تھا اور جتنی بیویوں کو چاہتا طلاق دے سکتا تھا۔ عورتوں کو مردوں سے علیحدہ رکھنے کی رسم صرف ایرانیوں تک محدود نہ تھی بلکہ آیونی یونانیوں (Ionion Greeks) میں عورتوں کو گھروں میں بالکل مقفل رکھا جاتا تھا اور انہیں کسی حالت میں باہر جانے کی اجازت نہ تھی۔ ایران میں زمانہ قدیم سے یہ دستور تھا کہ عورتوں کی حفاظت کے لئے مردوں کو ملازم رکھا جاتا تھا نیز نہ صرف مذہباً جائز قرار دے دیا گیا تھا بلکہ یہ ایرانیوں کی سماجی زندگی کا خاصہ بن گیا تھا۔

الغرض عورت ہر جگہ ظلم و ستم کی چکی میں پس رہی تھی اور اس کی حیثیت مرد کے ہاتھوں محض ایک کھلونے کی سی تھی۔ مرد و زن میں شدید عدمِ مساوات کا یہ عنصر عالمی امن کی تباہی کا سبب بنا ہوا تھا۔

(۴) مذہبی عدم رواداری اور فرقہ واریت

عہدِ نبوی ﷺ کے آغاز کے وقت مذاہب کے پیروکاروں میں مذہبی تعصب اور فرقہ پرستی کے رجحانات غلبہ حاصل کر چکے تھے۔ اس بنا پر وہ اپنے سوا باقی تمام مذاہب اور فرقوں کو جھوٹے اور نجات کیلئے قطعاً ناموافق سمجھتے تھے۔ بلکہ کئی ایک مذاہب کسی اجنبی کو اپنے اندر آنے کی اجازت نہ دیتے تھے۔ مذہب کونسل اور پیدائش سے محدود کر دیا گیا۔ قسطنطین پہلا بازنطینی فرمانروا تھا جس نے عیسائیت کو سرکاری مذہب قرار دیا تھا۔ اس بادشاہ نے یہودیوں کے متعلق یہ قانون وضع کیا کہ اگر کوئی یہودی کسی ایسے شخص کو پتھر سے مارے یا اس کی زندگی کو خطرے میں ڈالے جس نے یہودی مذہب ترک کر کے عیسائیت قبول کی ہو تو ان تمام لوگوں کو زندہ جلایا جا سکتا تھا جو ایسی کارروائی میں شریک ہوں۔ اس کے بعد ایک قانون یہ وضع کیا گیا کہ کوئی عیسائی یہودیت نہیں اختیار کر سکتا۔ مرنے سے چھ ماہ قبل قسطنطین نے ایک اور قانون

Marfat.com

کے ذریعے یہودیوں کو ممانعت کر دی کہ وہ کسی عیسائی غلام کو نہ رکھیں۔ (۳) ڈین ملمین (Dean Melman) کے مطابق "قسطنطین کے جانشین نے یہودیوں کے بارے میں جو سخت تر قواعد وضع کیے ان سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسائیوں اور یہودیوں کے مابین عداوت کے جذبات کتنے شدید تھے کہ بدقسمتی سے یہودیوں نے اپنے رویے سے حکومت وقت کو اشتعال دلانے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ یہودیوں کے جوشیلے نوجوانوں نے آریوسی اور اثاناثیوسی فرقوں کے جھگڑوں میں شریک ہو کر ان کے مذہبی اور فرقہ وارانہ فسادات کو زیادہ ہوا دی جن سے اسکندریہ کی فضا مکدر تھی۔ انہوں نے بُت پرستوں کی طرح آریوسی فرقہ کی طرف داری میں بڑی سنگدلی اور غارت گری کا مظاہرہ کیا۔ کئی گرجاؤں کو جلا دیا اور بہت سی دوشیزاؤں کی آبروریزی کی جنہوں نے کلیسا کے کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر دی تھیں۔ اسی زمانہ میں جوڈیا میں یہودیوں نے پھر بغاوت کی۔ جس نے عیسائیوں کے ظلم وستم کیلئے ایک اور بہانہ فراہم کر دیا۔ یہودیوں پر محاصل کا شدید ترین بوجھ ڈال دیا گیا۔ انہیں منع کر دیا کہ وہ کوئی عیسائی غلام اپنے پاس نہ رکھیں ورنہ انہیں موت کی سزا دی جائے گی۔ اسی طرح عیسائی عورتوں سے شادی کی بھی ممانعت کی گئی۔ شہنشاہ ہیڈریان کے زمانہ کا ایک قانون دوبارہ نافذ کیا گیا جس کی رو سے بیت المقدس میں ان کا داخلہ روک دیا گیا۔ (۴) جولین کے زمانہ اقتدار میں یہودیوں نے سکھ کا سانس لیا۔ اس کے بعد جولین کے جانشینوں نے بھی قدیم حکمت عملی اختیار کر کے یہودیوں پر ظلم وستم روا رکھا۔ یمن میں زونواس کے ہاتھوں عیسائیوں کو کس طرح تہ وتیغ کیا گیا۔ قرآن میں اصحاب اخدود کا قصہ بیان کر کے اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

"خندق والے ہلاک ہو گئے اس حالت میں کہ اوپر سے ان پر آگ جلا دی گئی۔ آگ جلانے والا طبقہ خندق کے کنارے پر کھڑا ہوا اُن کے جلنے کا تماشا دیکھ رہا تھا۔۔ مومنوں کے ساتھ انہوں نے جو بے رحمانہ سلوک کیا اس سے خود ان کے دل بھی متاثر ہوئے۔ دشمنوں کا ان مومنوں پر یہ الزام تھا کہ وہ عزیز و حمید خُدا پر ایمان کیوں لے آئے؟" (البروج: ۸۔۴)

واقعہ یہ تھا کہ ایک پاکباز مسیحی قمیون روم سے ہجرت کر کے نجران میں سکونت پذیر ہو گیا تھا۔ قمیون کی تبلیغ کے اثرات کے نتیجے میں نجران کے باشندے مسیحیت کی طرف مائل ہونا شروع ہو گئے اور رفتہ رفتہ ان کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ اس وجہ سے ان کی طاقت بھی بڑھی تھی۔ زونواس جو یہودی خیالات کا مالک تھا خبر ہونے پر نجران پہنچا اور لوگوں کو دین موسوی کی دعوت دی لیکن کسی نے بھی

Marfat.com

اس دعوت کو قبول نہ کیا۔ لہذا اس نے انتقاماً خندق کھودنے کے احکام صادر کئے ۔ جب اس کام سے فراغت ہوئی تو خندق آگ سے بھر دی ۔ بعدازاں زونواس کے حکم سے ایک ایک عیسائی کو گرفتار کر کے آگ کے الاؤ میں جھونک دیا۔ جو عیسائی آگ میں جلنے سے بچ گئے انہیں بے دردی سے تہِ تیغ کیا گیا۔ جو عیسائی نذرِ آتش یا تہِ تیغ ہوئے ان کی تعداد کسی بھی صورت میں بیس ہزار سے کم نہ تھی ۔(۵) اسی کا بدلہ لینے کیلئے شہنشاہِ روم جستین کے کہنے پر شاہِ حبش نے یمن پر چڑھائی کی تھی۔

یہ تو تھا بیان مختلف مذاہب کے ایک دوسرے کو برداشت نہ کرنے کا۔ خود ایک مذہب کے ماننے والے بھی فرقوں میں بٹ کر مذہبی تعصب کا ثبوت دے رہے تھے۔ مسیحیت کے پیرو مختلف گروہوں میں بٹے ہوئے تھے۔ دین اور اصولِ دنیا سے متعلق ان میں سے ہر ایک کی رائے مختلف اور نظریہ جدا تھا۔ یہ فرقے ایک دوسرے کے عقائد کی کھلے بندوں تردید و تغلیط کرتے تھے۔ ان کے خیالات اکثر و بیشتر ذاتی عناد اور شخصی خصومت کا باعث بن جاتے تھے۔ ان فرقوں میں بعض کا عندیہ یہ تھا کہ حضرت مسیحؑ کی شخصیت عام مخلوق کے برعکس پیکرِ نور اور مجسمۂ لطافت ہے۔ بعض کہتے تھے کہ حضرت مسیحؑ کے جسم و روح میں ایک روحانی رابطہ پایا جاتا ہے۔ ایسا روحانی رابطہ جس کا تصور بھی ہمارے بس کی بات نہیں۔ بعض حضرت مریمؑ کی پرستش کرتے تھے اور بعض کا قول یہ تھا کہ ولادتِ مسیح کے بعد حضرت مریمؑ کی دوشیزگی قائم نہیں رہی تھی۔ جب کسی ملت کا زوال قریب آتا ہے تو اسی طرح کے لایعنی اور لاحاصل بحث و مباحثے ہوتے تھے۔ مسیحیت کے علاوہ دینِ زرتشت میں بھی اختلافات راہ پا گئے تھے۔ یزدان و اہرمن کے پیروں نے دینِ زرتشت میں بہت سے فرقوں کی داغ بیل ڈال دی تھی۔

(۵) تصورِ حیات

دنیا میں امن و سلامتی اور مسرت و کامرانی کا دارمدار اس پر ہے کہ انسان اپنی تخلیق اور زندگی کے منشاء و مقصد کو صحیح طور پر جانے کیونکہ حقیقی امن اور خوشی اس کے مقصدِ تخلیق کے حاصل ہونے پر ہی ہے جس کیلئے فی الحقیقت قدرت نے اسے پیدا کیا ہے۔ عہدِ نبویؐ کے آغاز کے وقت جو بڑے بڑے مذاہب اور تمدن باقی تھے ان میں انسان کی تخلیق اور مقصدِ حیات سے متعلق مختلف نظریات موجود تھے۔ وسطِ ہند کی قدیم ترین قوم سنتھال میں یہ روایت مشہور ہے کہ ٹھاکر جیو کے سوا دنیا میں ہر طرف پانی ہی پانی تھا۔ ٹھاکر جیو نے اپنے نوکروں کو حکم دیا کہ مالن بدھی کو بلوائیں جو پانی کے نیچے ایک چٹان میں رہتی ہے۔ جب مالن بدھی کو حکم پہنچا تو وہ سطحِ آب پر آئی، اسے کہا گیا وہ انسان بنائے۔ چنانچہ اس نے انسان کے دو پتلے بنائے انہیں خشک ہونے کیلئے دھوپ میں رکھ دیا۔ لیکن دن کے گھوڑے نے ان کو اپنے پاؤں تلے روند کر

Marfat.com

توڑ ڈالا ۔ان کے ٹکڑے سورانائے سبھ نائے میں پھینک دیئے گئے اور مالن بدھی کو دوبارہ انسانی پتلے بنانے کا حکم ملا۔اب اس نے جو پتلے بنائے اس نے غلطی سے پرندوں کی جان ڈال دی جس سے وہ اُڑ گئے ۔ان پرندوں کیلئے پانی میں زمین بنائی گئی جہاں انہوں نے انڈے دیئے جو راگوب بوآر نے کھالیے۔ جب ان پرندوں نے دوبارہ انڈے دیئے تو ان پر محافظ مقرر کر دیا۔ان انڈوں سے بلچورم (مرد) اور بلچو بدھی (عورت) پیدا ہوئے اور ان سے انسانی نسل چلی۔

قدیم بابلیوں کا خیال تھا کہ پہلے پانی ہی پانی تھا اور دیومردوک کے خون اور ہڈیوں سے آدمی بنایا گیا۔اژدہے طیامت کے بچے کنگسو کو قتل کر کے اس کا خون مٹی میں ملا دیا گیا اور اس سے آدمی کا پتلا بنایا گیا۔یونانیوں کے عقیدے کے مطابق پرومیتھس دیوتا نے یونان کے ایک ساحلی مقام نیوو پئیس کی مٹی سے انسان بنایا۔مصریوں کی روایت تھی کہ خنوم دیوتا نے جو سب دیوتاؤں کا باپ ہے انسان کا پتلا اس طرح مٹی سے بنایا تھا جس طرح کمہار چاک پر برتن بناتا ہے۔(٦)

تخلیقِ انسانی کے متعلق یہودیوں اور عیسائیوں کے عقائد محض خفیف سے جزوی اختلاف کے وہی تھے جن کو بعد میں اسلام نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ اور حوّا کی تخلیق کی اور بعد میں درخت کا پھل کھانے پر زمین پر بھیج دیئے گئے ۔اس کے باوجود عیسائیت میں ترکِ دنیا اور رہبانیت کے فلسفہ نے جگہ لے لی تھی جو پہلے ہی یونانیوں کے ہاں شدت سے موجود تھا۔نتیجتاً ہزاروں لاکھوں انسان جو اعلیٰ درجہ کی صلاحیتوں کو قوت سے فعل میں لا کر تمدن کی ترقی اور انسانیت کی خوشحالی میں اضافہ کر سکتے تھے، دنیا اور علائقِ دنیا سے الگ ہو کر خانقاہوں ،جنگلوں اور پہاڑوں میں ریاضت اور نفس کشی کے دن گزارنے لگ گئے تھے۔عیسائیت نے زندگی کو لعنت تو قرار نہیں دیا لیکن اس نے انسان کی پیدائشی گناہ گاری کے تصور سے ایک ہمت شکن اور تمدن کش طرزِ فکر پیدا کر دیا۔قیصر کی چیزیں قیصر کو دے دو اور خدا کی چیزیں خدا کو دے دو کے فلسفے کا نقصان یہ ہوا کہ دین و دنیا الگ الگ کر دیئے گئے اور سیاست کو اخلاق سے واسطہ نہ رہا۔اس طرح ظلم و ستم بڑھا اور فتنہ فساد پھیلا اور ستم ظریفی یہ کہ پھر اس فتنہ و فساد کو ختم کرنے والے دنیا کو چھوڑ کر جنگلوں میں روحانیت حاصل کر رہے تھے۔

یہ تھے وہ عوامل جو عہدِ نبوی ﷺ کے آغاز میں امنِ عالم کی تباہی کا باعث بنے ہوئے تھے۔پھر حضرت محمد ﷺ نے وہ اقدامات فرمائے کہ امن و سلامتی کی راہیں کھل گئیں۔درحقیقت آنحضرت ﷺ کی بعثت کا مقصد ہی یہ ہے کہ بنی نوعِ انسان پر سلامتی کی راہیں کھل جائیں۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

"بے شک تمھارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور روشن کتاب آچکی
ہے ۔اللہ اس کے ذریعہ ان لوگوں جو اس کی رضا کے طلب گار

Marfat.com

ہیں سلامتی کے راستوں کی ہدایت کرتا اور اندھیروں سے نکال
کر روشنی کی طرف لے آتا ہے۔" (۵ المائدہ: ۱۵۔۱۶)

رسول اللہ ﷺ کے انقلابی اقدامات

حضور ﷺ کے نزدیک سلامتی اور امن کے راستے دراصل روشنی کے راستے اور صراطِ مستقیم ہیں۔ ان کے سوا تمام وہ راستے جو بدامنی، بے چینی، فتنہ وفساد، ظلم و جور، زبردستی و زیادتی، خونریزی و سفاکی اور استحصال وغصب کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں اندھیروں اور ظلمتوں کے راستے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا تھا۔

"اللہ امن وسلامتی کے قیام میں کچھ اس طرح تمھارا حامی و مددگار ہوگا کہ گھر کی چار دیواری میں زندگی گزارنے والی پردہ نشین خاتون تنہا کسی محافظ ومعاون کے بغیر مدینہ سے الحمرا کا یا اس سے بھی لمبا سفر بلا تامل کر سکے گی۔ اور کوئی چور اور رہزن اسے خوف زدہ نہ کر سکے گا۔"

۱۔ دعوتِ توحید:

امن وسلامتی کے قیام کی اس منزل تک پہنچنے کیلئے رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلے انسانیت کو ایک خدا کی طاقت کو تسلیم کرنے اسی کی عبادت کرنے اور اسی ہی کے قوانین وضوابط پر عمل پیرا ہونے کا نظریہ دیا۔ کیونکہ یہ ہی ایک راستہ ہے جس پر چل کر انسان بے شمار مصنوعی آقاؤں کے ظلم وستم اور غلامی سے چھٹکارا پا سکتا تھا۔ دراصل فقر واحتیاج انسان کی سرشت میں داخل ہے۔ وہ ہزار ترقی کر جائے کسی کے آگے جھکنے اور کسی نہ کسی کو معبود بنانے سے باز نہیں آ سکتا۔ اس نے آگ کو دیکھا اس سے کتنی ہی انسانی ضروریات وابستہ ہیں تو اسے پوجنا شروع کر دیا۔ سورج اور چاند اسے دنیا کیلئے فیض رساں نظر آئے تو ان کے آگے گر پڑا۔ گنگا اور جمنا کے ذریعے فصلوں کو لہلہاتے اور انسانوں کو اپنی پیاس بجھاتے دیکھا اپنا حاجت روا اور مشکل کشا مان لیا اور کبھی کبھی اپنے سے برتر انسانوں کے آگے ماتھا ٹیکا۔ ان غلط راستوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ معاشرے کی تمام غلط طاقتیں انسان پر خدا بن بیٹھیں۔ (۷) رسول اللہ ﷺ نے ان تمام مشرک طاقتوں کو جو کہ دنیا میں فتنہ وفساد کا باعث بنی ہوئی تھیں اللہ کا یہ پیغام دے کر باطل کر دیا۔

Marfat.com

"تمھارا اللہ صرف ایک اللہ اور بجز اس اللہ کے کوئی اللہ نہیں ہے اور وہ بہت بڑا مہربان اور بہت زیادہ رحم والا ہے۔"
(سورۃ البقرہ:۱۲۶)

''بلاشبہ خدا کو چھوڑ کر تم جن کی عبادت کرتے ہو وہ بھی تمھارے جیسے بندے ہیں۔''
(سورۃ الاعراف:۱۹۴)

''اللہ ہی ہے جو اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے رزق کشادہ کرتا ہے اور جس کا چاہتا ہے اس کا تنگ کرتا ہے''
(سورۃ العنکبوت:۲۶)

اس عقیدہ کے تحت عرب وعجم، عدنانیوں قحطانیوں سب کا خدا ایک ہی ٹھہرا اور جب تک سارے جہاں کے انسانوں کا خدا ایک نہ ہو اس وقت تک مساواتِ انسانی کی کوئی حقیقی صورت قائم نہیں ہوسکتی۔ پھر فتحِ مکہ کے بعد حضورﷺ کعبہ میں داخل ہوئے تو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تصویریں مٹانے کا حکم دیا اور تین سو ساٹھ بتوں کو بھی ملیامیٹ کر دیا جو مشرکوں کے معبود تھے۔(۸) جن افراد نے نظریۂ توحید کو قبول کیا وہ اپنے ہی جیسے انسانوں کے آگے جھکنے کے نتیجے میں پہنچنے والی مصیبتوں سے آزاد ہوئے اور ذمہ داری اور احتساب کیلئے صرف خدا کی ذاتِ واحد کی طرف رجوع کر کے اپنے آپ کو امن اور سلامتی کی راہ پر ڈال لیا۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی کے مطابق

''آدمی کو قابو میں رکھنے والی چیز صرف ذمہ داری کا احساس ہی ہے۔ اگر کسی شخص کو یہ یقین ہو جائے کہ وہ جو چاہے کرے، کوئی اس سے جواب طلب کرنے والا نہیں اور نہ اس کے اوپر کوئی ایسی طاقت ہے جو اسے سزا دے سکے تو آپ یہ سمجھ سکتے ہیں کہ وہ شتر بے مہار بن جائے گا۔ یہ بات جس طرح ایک شخص کے معاملہ میں صحیح ہے اسی طرح ایک خاندان، ایک طبقہ، ایک قوم اور تمام دنیا کے انسانوں کے معاملہ میں بھی صحیح ہے۔ ایک خاندان جب یہ محسوس کرتا ہے

Marfat.com

کہ اس سے کوئی جواب طلب نہیں کرسکتا تو وہ قابو سے باہر ہو جاتا ہے۔ایک طبقہ بھی جب ذمہ داری اور جواب دہی سے بے خوف ہو جاتا ہے تو دوسروں پر ظلم ڈھانے میں اسے کوئی تامل نہیں ہوتا۔ایک قوم یا ایک سلطنت بھی جب اپنے آپ کو اتنا طاقتور پاتی ہے کہ اپنی زیادتی کے برے نتیجہ کا خوف اسے نہیں ہوتا تو وہ جنگل کے بھیڑیے کی طرح کمزور بکریوں کو پھاڑنا شروع کر دیتی ہے۔دنیا میں جتنی بدامنی پائی جاتی ہے اس کی ایک بڑی وجہ یہی ہے کہ جب تک انسان اپنے سے بالاتر کسی اقتدار کو تسلیم نہ کرے اور جب تک اسے یقین نہ ہو کہ مجھ سے اوپر کوئی ایسا ہے جس کو مجھے اپنے اعمال کا جواب دینا ہے اور جس کے ہاتھ میں اتنی طاقت ہے کہ مجھے سزا دے سکتا ہے،اس وقت تک کسی طرح ممکن نہیں کہ ظلم کا دروازہ بند ہو اور صحیح امن قائم ہو سکے!ایسی طاقت سوائے خداوندِ عالم کے اور کون سی ہو سکتی ہے؟

خود انسان میں سے کوئی ایسا نہیں ہو سکتا۔کیونکہ جس انسان یا انسانی گروہ کو بھی حیثیت دیں گے خود اس کے شتر بے مہار ہو جانے کا امکان ہے۔خود اس سے اندیشہ ہے کہ تمام فرعونوں کا ایک فرعون وہ خود بن جائے گا اور خود اس سے خطرہ ہے کہ خود غرضی اور جانبداری سے کام لے کر وہ بعض انسانوں کو گرائے گا اور بعض کو اٹھائے گا۔''(۹)

غرض رسول اللہ ﷺ عقیدۂ توحید کے تحت عرب کے اندر ایک ایسی جماعت تشکیل دینے میں کامیاب ہوئے جس کے ارکان خود بھی امن میں آ گئے تھے اور دوسروں کو بھی فتنہ و فساد اور بدامنی پھیلانے سے روکا تھا۔آنحضرت ﷺ کا مقصد چونکہ پورے عالم میں امن کا قیام تھا اس لئے آپ نے امن و سلامتی کا پیغام روم و فارس ،یمن ،حبشہ اور دیگر سلطنتوں تک بھی پہنچایا۔ان ممالک کے فرمانرواؤں کے نام آپ ﷺ کے خطوط اسی مقصد کیلئے تھے۔حضور ﷺ کے ان خطوط کے اثرات کے نتیجے میں پیدا ہونے والے حالات نے آپ ﷺ کے جانشینوں کیلئے ایسے مواقع پیدا کر دیئے کہ وہ روم

Marfat.com

اور ایران میں داخل ہو کر ظلم وستم اور بدامنی کا خاتمہ کر کے وہاں ایسے نظام کی بنیاد رکھتے جو امن وسلامتی کا سب سے بڑا داعی تھا۔

۲۔ خاندان کی اصلاح

آنحضرت ﷺ نے انسانوں کے اندر دائمی امن کے قیام کیلئے یہ طریقہ استعمال فرمایا کہ ابتدا فرد کے ضمیر میں امن وسلامتی برپا کرنے سے کی۔ پھر میاں بیوی، والدین اور اولاد اور رشتہ داروں کے باہمی حقوق وفرائض کا تعین کر کے اس کے دائرہ کار کو ایک خاندان کے اندر تک پھیلا دیا۔ پھر ایک گروہ کے دوسری جماعتوں، افراد کے حکومت اور ایک سلطنت کے دوسری سلطنتوں سے تعلقات کے ایسے اصول وضع فرمائے کہ امن کا پھیلاؤ پورے عالم تک ہو جائے۔ عورتوں کے ساتھ ہونے والے ظلم وستم اور جنس کی بنیاد پر عدمِ مساوات کے خاتمے کیلئے رسول اللہ ﷺ نے لڑکی کی پیدائش کو رحمت قرار دیا، جنت ماں کے قدموں کے نیچے ٹھہرائی اور میاں بیوی کو ایک دوسرے کا لباس قرار دیا، نکاح وطلاق میں اسے برابر کے حقوق دے کر اور وراثت میں حصہ دار بنا کر عورت کو جور وظلم سے آزادی دلائی۔ دورِ جاہلیت کے رواج کے برعکس آپ ﷺ نے عورتوں کے قتل کے قصاص میں مرد قاتل کے قتل کا قانون نافذ کیا اور یہ بھی طے فرمایا کہ اگر ایک عورت اپنے عزیز مقتول کے قاتل کو معاف کرنا چاہے اور رشتہ داروں میں اس پر اختلاف ہو اور وہ قصاص لینے پر مصر ہوں تو عورت قریبی عزیز ہونے کی وجہ سے اسے معاف کر سکتی ہے اور اس صورت میں قاتل کو قتل کی سزا نہیں دی جائے گی۔ عورت کو یہ بھی حق دیا گیا اگر مسلمان عورت کفار کو امان دے بیٹھے تو اسلامی لشکر اس کا احترام کرے گا۔ ایک غزوہ کے موقع پر حضرت ام ہانیؓ نے عرض کی کہ میں نے ایک کافر کو امان دی ہے لیکن حضرت علیؓ اسے قتل کرنا چاہتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا جسے تم نے امان دی اسے ہم نے امان دی ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ نے عورت کو ایسے اونچے مقام تک بلند کیا جس تک تمدن کی آخری حدود تک نہیں پہنچی تھی۔ خود آنحضرت ﷺ نے جو نکاح فرمائے ان سے عرب کی قبائلی عصبیتیں بے وقعت ہو گئیں، جہاں عرب عجم کا فرق تو ایک طرف عدنانی اور قحطانی قبائل کا باہمی تعصب شدت سے موجود تھا، پھر عدنانیوں میں حضری اور بدوی کا فرق بھی کچھ کم نہ تھا۔ ان حالات میں پیغمبر اسلام ﷺ نے جو عقد فرمائے وہ قبائلی اور جغرافیائی نقطۂ نظر سے دلچسپی رکھتے ہیں۔

حضور ﷺ پاک نے بنی اسد، بنی عبدالضریٰ، بنی عامر، بنی تمیم، بنی عدی، بنی مخزوم، بنی امیہ، بنی خزیمہ، بنو مصطلق، یہود عرب، بنو کلاب، کلب وسلیم اور بنو کندہ کے قبائل میں نکاح فرمائے تھے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ازواجِ مطہراتؓ کے حوالے سے ہر بڑے قبیلے کی نمائندگی تھی۔ اہلِ مکہ کے باہر بی بی

Marfat.com

زینبؓ بنت خزیمہ اور بی بی میمونہ بنت حارث دونوں کا تعلق یمن کے زبردست قبیلہ عامر بن صنعہ سے تھا۔ حضرت میمونہ سردارِ نجد کی اہلیہ کی بہن تھیں۔ حضورﷺ کے نکاح کے بعد اہلِ نجد مدینہ کے زیر اثر ہوتے گئے جو متعدد بار اسلام کے خلاف فتنہ انگیزیاں کر چکے تھے۔ ام المومنین حضرت جویریہؓ بنو مصطلق کے سردار کی بیٹی تھیں۔ حضرت جویریہؓ قیدیوں میں آئی تھیں۔ حضورﷺ نے ان سے نکاح فرمایا تو جماعت کے لوگوں نے پورے قبیلے کے قیدیوں کو رہا کر دیا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ پورا قبیلہ رہزنی چھوڑ کر امن پسند اور مطیعِ نظام بن گیا۔ (۱۰) ام حبیبہؓ قریش کے سردارِ اعلیٰ ابوسفیان کی صاحبزادی تھیں۔ اس نکاح کے بعد ابوسفیان حضورﷺ کے مقابلے پر میدان میں آنے سے کتراتا رہا۔ بی بی ماریہ قبطیہؓ مصر کی تھیں اور پہلے عیسائی رہ چکی تھیں۔ ان کا ایرانی الاصل ہونا خیال کیا جاتا ہے۔ بی بی صفیہؓ کا تعلق خیبر کے یہود سے تھا۔ اس مختصر مطالعہ سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ نکاحوں کے ذریعے سے مسلمانوں میں پرانی عصبیتوں کو دُور کرنے کی آنحضرتﷺ نے کتنی وسیع کوششیں فرمائیں بلکہ نتائج بتاتے ہیں کہ یہ کوششیں بیکار نہ رہیں۔

۳۔ مساواتِ انسانی کا قیام

حقیقی امن کے قیام کیلئے ضروری تھا کہ رنگ و نسل اور قومی عصبیتوں کو زک پہنچے اور ایسے اصول فراہم ہوں جو انسانوں کے درمیان مساوات پیدا کر سکیں۔ قرآن میں ارشاد ہوا۔

> ''لوگو! ہم نے تمھیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمھاری قومیں اور قبیلے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کی شناخت کر سکو۔ خدا کے نزدیک تم میں عزت والا وہ ہے جو پرہیزگار ہے۔'' (القرآن۔ ۴۹:۱۳)

حضورﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر اعلان فرمایا۔

> ''کسی عربی کو عجمی پر اور کسی گورے کو کالے پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقوی کی بناء پر۔ تم سب آدمؑ کی اولاد ہو آدم مٹی سے پیدا کئے گئے۔'' (۱۱)

رسول اللہﷺ نے چونکہ نظریات و نظائر میں فرق روا نہیں رکھا اس لئے آپﷺ کے ہاں آقا و غلام، قریشی و غیر قریشی، عربی و عجمی، حبشی و رومی و ایرانی ایک ہی صف میں شانہ بشانہ رہتے اور ان قدیم جاہلی اختلافات کا ذرا بھی لحاظ نہیں کیا جاتا تھا۔ حضرت بلال حبشیؓ غلام تھے آزاد کرائے گئے اور حضورﷺ

Marfat.com

کی قائم کردہ مساوات کے نتیجہ میں اس مقام پر پہنچے کہ آپ ﷺ ان سے فرماتے۔

''اے بلال! ہمیں (اذان کہہ کر) راحت پہنچا۔''

معاملاتِ حکومت میں بھی رسول اللہ ﷺ نے کسی قسم کے فرق کو روا نہیں رکھا۔ صلاحیت اور قابلیت کے مطابق تمام کو مشاورت میں شامل فرمایا۔ عدل وانصاف کے معاملے میں طبقاتی تفریق کو یہ کہہ کر ختم کر ڈالا کہ

''خدا کی قسم اگر محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کرتی تو اس کے بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔'' (۱۲)

پھر رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ایک قبلہ، قانون اور قیادت کی یکساں فراہمی نے بھی مسلمانوں کی تفاوتوں کو ختم کیا اور ان کا رخ ایک وحدت کی طرف موڑا۔ روزانہ پانچ وقت کی نماز، جمعہ، عید اور حج کے اجتماعات نے تو اس فرق کو بالکل ختم کر کے رکھ دیا تھا۔ آنحضرت ﷺ کے یہ تمام اقدامات عدمِ مساوات کے خاتمے اور افراد میں ہمدردی، محبت اور ربط قائم کر کے ایسے معاشرہ کے قیام کیلئے تھے جو امن وسلامتی کا بہترین نمونہ ہو۔

۴۔ معاشی عدل

دولت انسانی معاشرہ کیلئے خون کا درجہ رکھتی ہے۔ خون جسم کے کسی ایک حصے میں رک جائے گردش نہ کرے تو ہلاکت کا خطرہ ہے۔ اسی طرح دولت پورے معاشرے میں گردش نہ کرے اور مخصوص لوگوں کے پاس جمع ہو جائے تو یہ بھی صحت مند زندگی کی علامت نہیں۔ اس سے طرح طرح کے مفاسد جنم لیتے اور امنِ اجتماعیت کا شیرازہ درہم برہم کر کے رکھ دیتے ہیں۔ عرب جیسے کم پیداوار ملک میں دولت سیم وزر، اجناس، زرعی اراضی اور مویشوں کی شکل میں نہایت محدود حلقوں میں سمٹی ہوئی تھی۔ اس سمٹی ہوئی دولت کو عوامی طبقوں میں پھیلانا سب سے ٹیڑھا مسئلہ تھا۔ حضور ﷺ نے اسلام کے معاشی قوانین کے تحت ایسے اقدامات فرمائے جو دولت کو گردش میں رکھنے کیلئے بالکل کافی ثابت ہوئے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

''ان آبادیوں کا جو مال ومتاع اللہ نے اپنے رسول کو عطا کیا ہے وہ اللہ اس کے رسول، رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کیلئے مخصوص ہے تاکہ ایسا نہ ہو کہ دولت تمہارے صاحبِ ثروت لوگوں ہی کے درمیان چکر

Marfat.com

کھاتی رہے۔'' (الحشر:۷)

اسلام کا یہ اصول ایک ایسا معاشی نظام قائم کرتا ہے جس میں باعزت طور پر تمام لوگوں کی ضروریات پوری ہوسکیں اوران کے درمیان ایک قسم کا معاشی توازن پیدا ہو سکے۔ حضورﷺ نے یہودِ بنی نضیر سے حاصل ہونے والا مالِ فے پورے کا پورا ضرورت مند مہاجرین میں تقسیم کیا تھا۔ انصار کو اس میں اس وجہ سے شریک نہیں کیا گیا کہ وہ پہلے سے ہی خوشحال تھے۔ البتہ دو انصاریوں کو مال کی تقسیم میں شریک کیا گیا کہ وہ ضرورت مند تھے۔ ثقیف والوں کی دولت ان کے قبضے سے نکال کر پورے عرب میں پھیلا دی گئی۔ اسی طرح مدینہ کے گرد ونواح کے جن شر پسند قبائل نے شورش اٹھائی، ان کے شیوخ اور دولت مندوں کے اموال کا ایک بڑا حصہ غنیمت کے اصول کے تحت اسلامی فوج نے ان کے قبضے سے نکالا اور گردش میں ڈال دیا۔ حضورﷺ نے مالِ غنیمت کی تقسیم کے اصول میں اصلاح فرمائی اور بیس فیصدی حصہ اسلامی خزانہ کیلئے ٹھہرایا گیا۔ جس سے غرباء اور حاجت مند طبقوں کی ضروریات پوری کی گئیں اس طرح ملکی دولت میں ایک عمومی حرکت آتی گئی۔ پھر اسلامی ریاست نے تمام ان طبقوں سے جو زمینوں، مویشوں یا تجارتی سرمایہ کے مالک تھے، مسلم ہونے کی صورت میں زکوٰۃ اور غیر مسلم ہونے کی صورت میں خراج اور جزیہ کی آمدنیاں حاصل کیں اوران آمدنیوں (خصوصاً زکوٰۃ) کا ایک عظیم حصہ غریب طبقوں کیلئے مخصوص کر دیا۔ ہر سال غلے اور کھجوروں اور مویشوں کی ایک بھاری مقدار امراء سے غرباء کی طرف منتقل ہونے لگی۔ (۱۳)

اسلام سے پہلے کے مذاہب نے خیرات کی ترغیب تو بہت دی لیکن اس کیلئے جبر اور لزوم عائد نہیں کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دولت مندوں میں عموماً کنجوسی اور بے رحمی ہوتی ہے اس کا کوئی مؤثر علاج وجود میں نہ آسکا۔ افراد کی آزادی کے باعث حصول دولت پر عموماً کوئی روک نہیں رہی اور مالدار مالدار ہوتے چلے گئے اور مفلس مفلس تر۔ قبلِ اسلام غالباً ایک مرتبہ مزدک نے اس کے خلاف ردِعمل کیا اور اشتراکیت کی تعلیم دی۔ لیکن یہ تعلیم معقولیت پر نہیں بلکہ نفرت اور رشک وحسد پر مبنی تھی۔ (۱۴) حضورﷺ نے اس طرح کے اقتصادی اقدامات اٹھائے کہ کسی پر ظلم ہوئے بغیر اجتماعِ دولت کی جڑوں کو کاٹ دیا جائے۔ چنانچہ ہر قسم کے سود کی ممانعت کر دی گئی۔ وصیت پر پابندی عائد کی گئی کہ کوئی شخص اپنی پوری دولت کسی ایک شخص کو نہ دے دے بلکہ زیادہ سے زیادہ ایک تہائی وصیت کی جاسکتی ہے۔ پھر وراثت میں مردوں اور عورتوں دونوں کا حصہ رکھا گیا تا کہ ایک سے زیادہ خاندان میں دولت بٹتی رہے اور دس بارہ ایسے قریبی رشتہ دار نامزد کئے جو لازمی طور پر ترکے میں حصہ پائیں۔ پھر دولت مندوں کو صدقہ وخیرات کرنے کی ترغیب فرمائی آپﷺ نے ارشاد فرمایا:

Marfat.com

''جس نے اپنے بھائی کو پیٹ بھر کھانا کھلایا اور پانی سے اس کی پیاس بجھائی تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو جہنم سے سات خندقوں کے فاصلے پر رکھے گا اور ہر دو خندقوں کے درمیان پانچ سو سال کے سفر کا فاصلہ ہے۔''(۱۵)

قرآن میں ہے:

''جو لوگ سونا چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو انہیں دردناک سزا کی خبر دے دو، جس دن اسے جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا۔ پھر اس کے ساتھ ان کی پیشانیاں ان کے پہلو اور ان کی پشتیں داغی جائیں گی، یہی ہے جو تم نے اپنے لئے خزانہ جمع کیا تھا، سو جو کچھ تم جمع کرتے تھے، اس کا مزا چکھ لو۔''

(التوبہ:۳۴۔۳۵)

حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ

''جس شخص نے دینار یا درہم یا سونے یا چاندی کی ایک اینٹ یا چاندی جمع کی، اسے کسی قرض خواہ کی خاطر نہ رکھا یا راہِ خداوندی میں خرچ نہ کیا تو وہ کنز ہے، جس کے ساتھ قیامت کے دن داغ لگائے جائیں گے۔''(۱۶)

خود اسلامی ریاست کے سربراہ حضور ﷺ نے اپنی وفات کے وقت نہ کوئی درہم چھوڑا، نہ کوئی دینار، نہ کوئی غلام یا باندی اور نہ کوئی دوسری چیز، سوائے اس مادہ خچر کے جس کا رنگ سفید تھا۔ جس پر آپ ﷺ سواری کرتے تھے اور بجز اپنے ہتھیار اور کچھ زمین کے اور اسے بھی آپ ﷺ نے خدا کی راہ میں صدقہ کر دیا تھا۔(۱۷) حضور ﷺ کے سماجی مساوات اور اقتصادی اخوت کے نئے نظام نے امیر اور غریب سے اس واضح فرق کو کم کرنے میں اہم کردار ادا کیا جو انسانوں کے مابین کشمکش اور پھر بدامنی کا باعث بنتا ہے۔

۵۔ مذہبی رواداری، پُرامن بقائے باہمی

حضور ﷺ کی بعثت کے وقت عالمی امن کو تباہ و برباد کرنے والے اسباب میں سے ایک سبب

Marfat.com

یہ بھی تھا کہ قوموں کے افراد کے اندر مذہبی رواداری نہیں رہی تھی۔ ایک مذہب اپنے اندر دوسرے مذاہب کے افراد کا داخلہ روکتا ہے تو دوسرے مذاہب کے پیروکار دیگر مذاہب کو برداشت نہ کرتے ہوئے قتل و غارت تک اتر آتے ہیں _____ ! آنحضرت ﷺ نے جس دین کی تبلیغ فرمائی وہ پرامن بقائے باہمی اور مذہبی رواداری کے اصول کا قائل تھا۔ قرآن میں ہے۔

''اللہ ہمارا بھی مالک ہے اور تمھارا بھی، ہمارے اعمال
ہمارے لئے ہیں اور تمھارے تمہارے لئے، ہماری کچھ
بحث نہیں، اللہ ہم سب کو جمع کرے گا اور اس کے پاس جانا
ہے۔'' (الشوریٰ:۱۵)

حضور ﷺ نے لوگوں کو زبردستی دین قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا۔ آپ ﷺ نے "لَااِکْرَاہَ فِی الدِّیْن" یعنی دین میں کوئی جبر نہیں کے اصول کے تحت ہمیشہ رواداری کا مظاہرہ کیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

''اور اہل کتاب کے ساتھ صرف احسن طریقے سے بحث
کرو، سوائے ان لوگوں کے جو ان میں سے ظالم ہوں، اور
کہو کہ ہم ایمان لائے اس پر جو ہم پر اتارا گیا، اور ہمارا اور
تمھارا معبود ایک ہے اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں۔''
(العنکبوت: ۴۵)

قرآن حکیم میں رواداری کی یہی وہ تعلیم ہے جو احترامِ آدمیت کو ہمیشہ اہمیت دیتی ہے۔ نجران کے عیسائیوں کا وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے انہیں مسجدِ نبوی میں ٹھہرایا اور اس کا خیال نہیں کیا کہ یہ توحید کی بجائے تثلیث پر ایمان رکھتے ہیں۔ ایک یہودی کا جنازہ گزرا تو آپ ﷺ کھڑے ہو گئے، ایک صحابی نے گزارش کی یارسول اللہ ﷺ! یہ تو ایک یہودی کا جنازہ تھا! تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''کیا یہ ایک انسانی جان نہ تھی؟ جب تم کوئی جنازہ دیکھو تو کھڑے ہو جاؤ''۔ پھر حضور ﷺ نے بتوں کو برا بھلا کہنے سے بھی منع فرمایا کہیں مشرکین ناسمجھی کی وجہ سے اللہ رب العزت کی شان میں گستاخی نہ کر بیٹھیں۔ یہی نہیں حضور ﷺ نے دعوتِ اسلام کی غرض سے جو خطوط عیسائی اور یہودی حکمرانوں کے نام ارسال فرمائے ان کے آغاز میں عموماً یہ آیت (اے اہلِ کتاب آؤ اس بات کی طرف جو ہمارے اور تمھارے درمیان متفق علیہ ہے) تحریر فرمائی۔

گویا دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کو ان امور پر ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنے کی دعوت دی جو ان کے درمیان قدرِ مشترک کی حیثیت رکھتے ہیں۔ بعض مؤرخین اور مستشرقین کا خیال ہے

Marfat.com

کہ سورۂ توبہ کے نزول کے بعد عیسائیوں اور یہودیوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے طرزِ عمل میں تبدیلی واقع ہوگئی تھی۔ سورۂ توبہ میں یہودیوں اور عیسائیوں کے بارے میں فرمایا گیا۔

''اہلِ کتاب جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ قیامت کے دن پر اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے حرام ٹھہرایا ہے اور نہ سچے دین کو قبول کرتے ہیں ان سے اس وقت تک لڑو کہ ماتحت ہو کر تمھاری رعایا بن کر جزیہ دینا منظور کرلیں۔ یہود میں بعض کہتے ہیں کہ عزیرؑ اللہ کے بیٹے ہیں اور عیسائیوں میں سے اکثر کہتے ہیں کہ مسیحؑ اللہ کے بیٹے ہیں یہ ان کا قول ہے ان کے منہ سے کہنے کا (جس کا واقع میں کہیں نام و نشان نہیں) یہ بھی ان لوگوں سی کی باتیں کرتے ہیں جو ان سے پہلے کافر ہو چکے ہیں۔'' (التوبہ:۲۹۔۳۰)

مصری محقق ڈاکٹر محمد حسین ہیکل سیرۃ الرسول میں لکھتے ہیں کہ ''سورۃ توبہ کی ان آیات کے پیشِ نظر جو سرورِ کائنات ﷺ کی زندگی کے آخری دور میں نازل ہوئی تھیں۔ بہت سے مؤرخین کا یہ خیال ہے کہ اہلِ کتاب کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا موجودہ رویہ آپ ﷺ کے پچھلے رویہ سے بالکل مختلف تھا''۔ بعض مستشرقین نے بھی اس نظریہ کی تائید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان آیات میں اہلِ کتاب کو مشرکین کے ساتھ ایک سطح پر رکھا گیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ " محمد ﷺ یہودیت اور مسیحیت کی مدد سے جزیرہ عرب سے بُت پرستی کا قلع قمع کرنے میں کامیاب ہوئے تھے۔ آغازِ رسالت میں وہ بار بار اس امر کا اعلان کرتے رہے کہ وہ عیسیٰؑ، موسیٰؑ، ابراہیمؑ اور گزشتہ انبیاء کے ادیان کو دوبارہ دنیا میں قائم کرنے کیلئے آئے ہیں۔ لیکن بعض مشرکین کے مقابلے میں انہیں پے در پے کامیابیاں نصیب ہوئیں اور یہ نظر آنے لگا کہ وہ قلیل عرصہ میں ان پر کامل فتح حاصل کرلیں گے تو انہوں نے یہود سے چھیڑ چھاڑ شروع کردی اور ان پر عرصۂ حیات تنگ کرنے لگے حتیٰ کہ انہیں جزیرہ نمائے عرب سے نکال کر ہی دم لیا۔

تاہم اس دوران میں انہوں نے مسیحوں سے رشتۂ الفت و مودت کو پوری طرح استوار رکھا اور لوگوں کے سامنے ایسی آیات بھی پیش کرتے رہے جو مسیحوں کی تعریف و توصیف سے پُر ہوتی تھیں ـــــ لیکن فتحِ مکہ کے بعد جب انہیں عرب میں کامل اقتدار حاصل ہوگیا اور ان کی راہ میں کوئی رکاوٹ باقی نہ رہی تو انہوں نے عیسائیوں سے بھی وہی سلوک کرنے کا ارادہ کیا جو اس سے قبل مشرکین

Marfat.com

اور یہود سے کر چکے تھے اور انہوں نے عیسائیوں کو بھی انہی لوگوں کے زمرے میں شامل کرلیا جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں لاتے۔ حالانکہ ان کی کامیابی میں بہت بڑا دخل عیسائیوں کی امداد و معاونت کو بھی ہے۔ یہ حبشہ کے عیسائی ہی تھے جنہوں نے محمد ﷺ کے پیروں کو اس وقت اپنے ہاں پناہ دی جب اللہ کی یہ زمین ان کیلئے تنگ ہو چکی تھی۔ بعد میں خود محمد ﷺ نے اہلِ نجران اور دوسرے عیسائیوں کو یہ عہد نامہ لکھ کر دیا تھا کہ

"انہیں اسلامی ریاست کے تحت بدستور اپنے دین پو قائم رہنے اور اپنی عبادات پر اور رسوم بجالانے کی مکمل آزادی ہوگی"۔(۱۸)

حقیقت میں یہودیت اور عیسائیت کے بارے میں اسلام اور بانیٔ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کا رویہ آغاز سے لے کر حضور ﷺ کی وفات تک یکساں رہا اور اس میں کسی قسم کی تبدیلی رونما نہیں ہوئی۔ ابتداء ہی سے قرآن کریم نے حضرت مسیحؑ ابن مریم کو دنیا کے سامنے اللہ کے بندے اور رسول کی حیثیت سے پیش کیا اور ان کی الوہیت کے عقیدے کی سخت مذمت کی۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے دین کے معاملے میں کبھی مدافعت نہیں کی اور عیسائیوں سے امداد لینے کی خاطر بے جا تعریف اور خوشامد سے بھی کبھی کام نہیں لیا۔ مزید یہ کہ حضور ﷺ شروع ہی سے عیسائیوں کے دین میں تبدیلی اور اس کے اندر خود ان کے طرف سے نئی چیزوں کے اضافہ کی خرابیوں کی نشاندہی کرتے آئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی پوری زندگی میں کبھی بھی مذہبی تعصب کا مظاہرہ نہ فرمایا بلکہ پرامن بقائے باہمی کے اصول کے تحت دیگر مذاہب کے ماننے والوں کے حقوق کا ہمیشہ خیال رکھا۔

جنگ اور امن

امن کیلئے جنگ ناگزیر ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی جنگیں "حربِ مبادلہ" کی حیثیت رکھتی ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ جنگیں تمام تر دفاعی تھیں نہ کہ جارحانہ، ان کا مقصد دائمی طور پر امن و عافیت کو قائم رکھنا تھا۔ ان کی غرض انسانیت کا احترام تھا نہ کہ بے گناہوں کی جان و مال کو نقصان پہنچانا، اور جنگ میں اسیرانِ جنگ اور رہائن و یرغمال کے ساتھ عمدہ اور بہتر سلوک روا رکھا گیا۔

رسول اللہ ﷺ کی حکمت عملی ہمیشہ جنگ سے احتراز پر مبنی رہی اور خود کبھی ایسے اسباب فراہم نہ کئے تھے کہ نوبت جنگ تک پہنچ جائے۔ ہجرت کے بعد مدینہ سے گزرنے والے قریش کے تجارتی قافلوں کی ناکہ بندی بھی اس لئے کی گئی تھی کہ قریش کا روانی تجارت سے حاصل ہونے ولے منافع کی رقم سے

Marfat.com

ہتھیار حاصل کریں گے اور مدینہ پر حملہ آور ہوں گے۔

جنگ ایک استثنائی حالت ہے۔ اسلام صلح و سلامتی کا علمبردار ہے اور صلح اس کا بنیادی کام ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ہر اُس قبیلہ سے صلح کی جس نے بھی صلح کیلئے رغبت کا اظہار کیا۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے بنو ضمرہ سے غزوہ ودان میں کیا اور بنو مدلج سے غزوہ عشیرہ میں اور قریش سے غزوہ حدیبیہ میں۔ رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ کے مقام پر جنگ سے بچنے کیلئے ہر ممکن کوششیں کیں۔ حتیٰ کہ آپ ﷺ نے اس سفر میں عام راستہ چھوڑ کر ایک غیر معروف راستہ اختیار کیا تھا جو کہ نہایت مشکل اور دشوار تھا تا کہ آپ ﷺ جنگ سے بچ سکیں۔ یہاں تک آپ ﷺ اپنا لشکر حدیبیہ لے آئے اور یہاں پہنچ کر بھی امن کو قائم رکھنے کے مقصد پر مصر رہے۔ آپ ﷺ نے گفتگو کا میدان بڑا فراخ کر دیا اور جب مشرکین کے کچھ آدمیوں نے مسلمانوں پر حملہ کر دیا تو پھر بھی آپ ﷺ قریش سے جنگ نہ کرنے کے مقصد پر قائم رہے یہاں تک کہ آپ ﷺ نے صلح حدیبیہ کا معاملہ پورا کر لیا۔ حالانکہ آپ ﷺ کے بعض صحابہؓ اس صلح کی بعض شرائط کو ناپسند کرتے تھے۔

یہ حقیقت ہے کہ حضرت محمد ﷺ نے سوائے اُحد اور خندق کے باقی تمام غزوات میں خود پیش بندی کے طور پر دشمن پر حملہ کیا لیکن اس پہلو کی وجہ سے حضور ﷺ کو جنگ شروع کرنے کا ذمہ دار قرار دینا اصل حقائق سے چشم پوشی کے مترادف ہو گا۔ حضور ﷺ کے تمام غزوات کے اسباب کا حقیقی اور غیر جانبدارانہ تجزیہ کرنے والا ہمیشہ اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ آپ ﷺ کی تمام جنگیں دفاعی نوعیت کی تھیں۔ پیش بندی کے طور پر دشمن پر پہلے حملہ کرنے کا مقصد دشمن کو خود چھیڑنا نہ تھا بلکہ یہ آنحضرت ﷺ کی جنگی حکمت عملی کا ایک اہم اصول تھا جس میں دشمن پر اس کے حملہ کرنے سے پہلے غلبہ حاصل کر لینے کی روح مضمر ہوتی ہے۔

بعض مستشرقین نے عہدِ رسالت کے غزوات کو کشت و خون سے تعبیر کیا ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ عہدِ نبوی ﷺ میں غزوات کی تعداد کچھ زیادہ نظر آتی ہے۔ مگر ان جنگوں میں کشت و خون کس حد تک ہوا؟ کتنے آدمی مارے گئے اور کتنے گرفتار ہوئے۔ پھر اس تعداد کا موزانہ دنیا کی مشہور جنگوں سے کرنے کے بعد واضح ہو جاتا ہے کہ عہدِ نبوی ﷺ میں جنگی کارروائیوں کی زیادتی کو بنیاد بنا کر کشت و خون کا جو افسانہ تراشا گیا ہے۔ اس میں کہاں تک صداقت ہے۔ عہدِ نبوی ﷺ کی تمام لڑائیوں میں طرفین کا جو نقصان ہوا اس کی تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

Marfat.com

غزوات وسرایا	شہدائے اسلام	مقتولینِ کفر
۱۔ غزوہ بدر، رمضان ۲ ہجری	۲۲	۷۰
۲۔ غزوہ سویق، ذی الحجہ ۲ھ	۲	x
۳۔ غزوہ بنو سلیم، محرم ۲ھ	۲	؟
۴۔ سریہ محمد بن مسلمہ، ربیع الاول ۳ھ	x	۱
۵۔ غزوہ احد، شوال ۳ھ	۷۰	۳۰
۶۔ سریہ عبداللہ بن انیس، محرم ۴ھ	x	۱
۷۔ سریہ رجیع، صفر ۴ھ	۱۰	x
۸۔ سریہ بئرِ معونہ، صفر ۴ھ	۶۹	x
۹۔ سریہ عمرو بن امیہ الضمری، ربیع الاول ۴ھ	x	۲
۱۰۔ غزوہ بنو مصطلق، شعبان ۵ھ	x	۱۰
۱۱۔ غزوہ احزاب، ذیقعد ۵ھ	۲	۱۰
۱۲۔ سریہ عبداللہ بن عتیک، ذیقعد ۵ھ	x	۱
۱۳۔ غزوہ بنو قریظہ، ذی الحجہ ۵ھ	۴	۴۰۰
۱۴۔ غزوہ ذی قردہ، ربیع الثانی ۶ھ	۳	۱
۱۵۔ سریہ ذی القصہ، ۶ھ	x	
۱۶۔ سریہ وادی القریٰ، ۶ھ	۹	
۱۷۔ سریہ عبداللہ بن رواحہ، ۶ھ	x	۳۰
۱۸۔ غزوہ عرینیین، ۶ھ	x	۸
۱۹۔ غزوہ خیبر، ۷ھ	۱۸	۹۳
۲۰۔ غزوہ وادی القریٰ، ۷ھ	۱	۱۱
۲۱۔ سریہ حسمی، ۷ھ	x	۱
۲۲۔ سریہ ابن ابی العوجا، ۷ھ	۴۹	x
۲۳۔ سریہ ذات اطلح، ۸ھ	۱۴	x
۲۴۔ سریہ موتہ، ۸ھ	۱۲	نامعلوم
۲۵۔ غزوہ فتحِ مکہ، ۸ھ	۲	۱۲

Marfat.com

۲۶۔	سریہ خالد بن ولیدؓ، ۸ھ	x	۹۵
۲۷۔	غزوہ حنین، ۸ھ	۶	۷۱
۲۸۔	غزوہ طائف، ۸ھ	۱۳	x
		۳۲۲	۸۴۸

جن جنگوں میں باقاعدہ فریقین میں معرکۂ کارزار گرم ہوان میں مقتولین کی تعداد درج ذیل ہے۔

غزوات		مسلمان	دشمن
۱۔	غزوہ بدر	۲۲	۷۰
۲۔	غزوہ اُحد	۷۰	۳۰
۳۔	غزوہ احزاب	۶	۱۰
۴۔	غزوہ بنوقریظہ	۴	۴۰۰
۵۔	غزوہ خیبر	۱۸	۹۳
۶۔	غزوہ موتہ	۱۲	نامعلوم
۷۔	غزوہ مکہ	۲	۱۲
۸۔	غزوہ حنین	۶	۷۱
۹۔	غزوہ طائف	۱۲	x
		۱۵۲	۶۸۶

اس کے مقابلے میں دیکھئے کہ نپولین کی جنگوں میں ۲۰ لاکھ افراد موت کے گھاٹ اتر گئے۔ اور ۲ کروڑ زخمی اور بے کار ہوئے۔ پہلی جنگِ عظیم میں مقتولین کی تعداد ایک محتاط اندازہ کے مطابق ۸۵ لاکھ ۲۸، ہزار کے لگ بھگ، مجروحین قیدی اور لاپتہ لوگوں کی تعداد اس سے کہیں زیادہ ہے۔ مصارفِ جنگ اربوں ڈالر تک جا پہنچے اور اس کا نتیجہ کیا نکلا؟ صرف یہ کہ بڑی بڑی طاقتوں نے بندر بانٹ کے ذریعہ چھوٹی سلطنتوں کی آزادی کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ (۱۹)

دوسری جنگِ عظیم (۱۹۳۹۔۴۵ء) میں ۲۸ ممالک شریک ہوئے۔ مقتولین کی تعداد ایک کروڑ ۵۰ لاکھ کے لگ بھگ ہے۔ جاپان کے شہر ہیروشیما پر ایٹم بم پھینک کر جان و مال کی جو بربادی کی گئی وہ سب کے سامنے ہے۔

نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جنگوں میں کشت وخون سے قطعی پرہیز فرمایا کیونکہ آپ ﷺ کی جنگوں کا مقصد ہی عالمی امن کا قیام تھا۔ یہی وجہ ہے کہ چند سو جانیں ضائع ہوئیں مگر نو لاکھ مربع

Marfat.com

میل کے علاقے پر امن و امان قائم ہو جاتا ہے۔۲۷۶ مستقل سیاسی اکائیاں ایک ریاست اور ایک وحدت میں مدغم ہو جاتی ہیں اور ۸۲ لاکھ ۵ ہزار آدمی (حضورﷺ کی زندگی میں) خدائے واحد کے پرستار بن جاتے ہیں۔

●○●○●○●

Marfat.com

حوالہ جات باب نہم

۱۔ سید سلیمان ندوی، ''تاریخِ عرب'' (ترجمہ)، ص ۴۸۴۔
۲۔ ڈاکٹر گستاؤلی بان، ''تمدنِ عرب''، ص ص ۳۷۷۔۳۷۸۔
۳۔ مظہر الدین صدیقی، ''اسلام اور مذاہبِ عالم''، ص ۲۳۶۔
۴۔ Deam Melman,"History of the Jews," p 191.
۵۔ محمد حسین ہیکل، ''سیرۃ الرسول ﷺ''، ص ص ۹۷۔۹۸۔
۶۔ قاضی عظیم اللہ، ''امن وسلامتی''، ص ص ۳۱۔۳۸۔
۷۔ کوثر نیازی، ''بنیادی حقیقتیں''، ص ص ۳۴۔۳۵۔
۸۔ ابن الاثیر (۲/۱۰۵)۔
۹۔ ابوالاعلیٰ مودودی، سلامتی کا راستہ، ص ص ۲۷۔۲۸۔
۱۰۔ نعیم صدیقی، ''محسنِؐ انسانیت''، ص ص ۵۴۵۔۵۴۶۔
۱۱۔ مسند احمد بن حنبل بحوالہ شبلی نعمانی، ''سیرۃ النبی ﷺ''، جلد ۲، ص ۱۹۲۔
۱۲۔ صحیح بخاری، کتاب الحدود، باب اعتاقہ الحدود۔
۱۳۔ نعیم صدیقی، ''محسنِؐ انسانیت''، ص ۵۳۳۔
۱۴۔ ڈاکٹر حمید اللہ، ''رسولِ اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی''، ص ۳۳۱۔
۱۵۔ طبرانی، بحوالہ زادِ راہ، ص ۶۹۔
۱۶۔ تفسیرِ قرطبیؒ بحوالہ امنِ عالم اور اسلام، سید قطب۔
۱۷۔ بخاری، بحوالہ زادِ راہ، ص ص ۲۹۵۔۲۹۶۔
۱۸۔ محمد حسین ہیکل، ''سیرۃ النبی ﷺ''، ص ص ۶۰۱۔۶۰۴
۱۹۔ شمیم حسین قادری، ''اسلامی ریاست''

Marfat.com

حبشہ کی دوسری ہجرت کے شرکاء کے اکثر نام

۱۔ حضرت عثمان بن عفانؓ
۲۔ ابوحذیفہؓ
۳۔ عبداللہ بن جحشؓ
۴۔ شجاع بن وہبؓ
۵۔ عتبہ بن غزوان
۶۔ طلیب بن عمیرؓ
۷۔ عبدالرحمٰن بن عوفؓ
۸۔ عبداللہ بن مسعودؓ
۹۔ مقداد بن عمروؓ
۱۰۔ ابوسلمہ بن عبدالاسدؓ
۱۱۔ مصعب بن عوفؓ
۱۲۔ عامر بن ربیعہؓ
۱۳۔ قیس بن حذافہؓ
۱۴۔ عثمان بن مظعونؓ
۱۵۔ عبداللہ بن مظعونؓ
۱۶۔ قدامہ بن مظعونؓ
۱۷۔ سائب بن عثمانؓ
۱۸۔ ابوصبرہ بن ابی رہمؓ
۱۹۔ عبداللہ بن مخرمہؓ
۲۰۔ حاطب بن عمروؓ
۲۱۔ عبداللہ بن سہلؓ
۲۲۔ سعد بن خولہؓ
۲۳۔ ابوعبیدہ بن جراحؓ
۲۴۔ سہیل بن بیضاءؓ
۲۵۔ معمر بن ابی سرحؓ
۲۶۔ عیاض بن زہیرؓ
۲۷۔ جعفر بن ابی طالبؓ
۲۸۔ خالد بن سعیدؓ
۲۹۔ معیقیب بن ابی فاطمہؓ
۳۰۔ خالد بن حزامؓ
۳۱۔ اسود بن نوفلؓ
۳۲۔ عمرو بن امیہؓ
۳۳۔ یزید بن زمعہؓ
۳۴۔ ابوالروم بن عمیرؓ
۳۵۔ خراس بن نغرءؓ
۳۶۔ جہم بن قیس
۳۷۔ ابوفکیہؓ
۳۸۔ مطلب بن ازہرؓ
۳۹۔ عقبہ بن مسعودؓ
۴۰۔ شرجیل بن حسنہؓ
۴۱۔ حارث بن خالدؓ
۴۲۔ عمرو بن عثمانؓ
۴۳۔ عباس بن ابی ربیعہؓ
۴۴۔ ہاشم بن ابوحذیفہؓ
۴۵۔ ہبار بن سفیانؓ
۴۶۔ عبداللہ بن سفیانؓ
۴۷۔ معمر بن عبداللہؓ
۴۸۔ عبداللہ بن حذافہؓ

Marfat.com

۴۹۔ قیس بن حذافہؓ
۵۰۔ ہشام بن عاصؓ
۵۱۔ ابوقیس بن حارثؓ
۵۲۔ سائب بن حارثؓ
۵۳۔ حجاج بن حارثؓ
۵۴۔ تمیم بن حارثؓ
۵۵۔ سعید بن حارثؓ
۵۶۔ سعید بن عمروؓ
۵۷۔ محمیہ بن جزوؓ
۵۸۔ حاطب بن حارثؓ
۵۹۔ حطاب بن حارثؓ
۶۰۔ سفیان بن معمرؓ
۶۱۔ خالد بن سفیانؓ
۶۲۔ جنادہ بن سفیانؓ
۶۳۔ شماس بن عثمانؓ
۶۴۔ سلیط بن عمروؓ
۶۵۔ سکران بن عمروؓ
۶۶۔ مالک بن زمعہؓ
۶۷۔ عمرو بن حارثؓ
۶۸۔ عثمان بن عبدالغنمؓ

۶۹۔ سودہ بنت زمعہؓ
۷۰۔ فاطمہ بنت علقمہؓ
۷۱۔ عمیر بنت سعدیؓ
۷۲۔ حقہ ام شرجیلؓ
۷۳۔ امِ حبیبہ بنت ابوسفیانؓ
۷۴۔ ام سلمہ بنت ابی امیہؓ
۷۵۔ ریطہ بنت حارثؓ
۷۶۔ رملہ بنت ابی عوفؓ
۷۷۔ لیلیٰ بنت ابی حثمہؓ
۷۸۔ سہلہ بنت سہیلؓ
۷۹۔ اسماء بنت عمیسؓ
۸۰۔ فاطمہ بنت صفوانؓ
۸۱۔ امینہ بنت خلفؓ
۸۲۔ خزیمہ بنت جہم
۸۳۔ ام حرملہؓ بنت عبدالاسود
۸۴۔ فاطمہ بنت مجللؓ
۸۵۔ فکیہہ بنت یسارؓ
۸۶۔ برکہ بنت یسارؓ
۸۷۔ اسماء بنت عمیسؓ

Marfat.com

مہاجرینِ مدینہ کے بعض نام

۱۔ عبداللہ بن جحشؓ
۲۔ ابواحمد بن جحشؓ
۳۔ عکاشہ بن محصنؓ
۴۔ شجاع بن وہبؓ
۵۔ عقبہ بن وہبؓ
۶۔ ارہب بن حمیرہؓ
۷۔ منقذ بن مناتہؓ
۸۔ یزید بن رقیشؓ
۹۔ سعید بن رقیشؓ
۱۰۔ محرز بن تفصلہؓ
۱۱۔ قیس بن جارؓ
۱۲۔ عمرو بن محصینؓ
۱۳۔ ملک بن عمروؓ
۱۴۔ صفوان بن عمروؓ
۱۵۔ ثقیف بن عمروؓ
۱۶۔ ربیعہ اکثمؓ
۱۷۔ زبیر بن عبیدہؓ
۱۸۔ تمام بن عبیدہؓ
۱۹۔ سجزہ بن عبیدؓ
۲۰۔ مجر بن عبداللہ بن جحشؓ
۲۱۔ عمرو بن خطابؓ
۲۲۔ عیاش بن ابی ربیعؓ
۲۳۔ زید بن خطابؓ
۲۴۔ عمرو بن سراقہؓ
۲۵۔ مالک بن ابی خولیؓ
۲۶۔ ایاس بن بکیرؓ
۲۷۔ عامر بن بکیرؓ
۲۸۔ عاقل بن بکیرؓ
۲۹۔ خالد بن بکیرؓ
۳۰۔ طلحہ بن عبیداللہؓ
۳۱۔ صہیب بن سنانؓ
۳۲۔ حمزہ بن عبدالمطلب
۳۳۔ زید بن حارثہؓ
۳۴۔ کنانہ بن حصینؓ
۳۵۔ آنسہؓ
۳۶۔ ابوکبشہؓ
۳۷۔ عبیدہ بن حارثؓ
۳۸۔ طفیل بن حارثؓ
۳۹۔ حصین بن حارثؓ
۴۰۔ مسطح بن اثاثہؓ
۴۱۔ سویبط بن سعدؓ
۴۲۔ طلیب بن عمیرؓ
۴۳۔ جناب مولیٰ عتبہ بن غزوانؓ
۴۴۔ زبیر بن عوامؓ
۴۵۔ ابوسبرہؓ
۴۶۔ مصعب بن عمیرؓ
۴۷۔ ابوحذیفہؓ
۴۸۔ سالم مولیٰ ابوحذیفہؓ

Marfat.com

۴۹۔ عبداللہ بن سراقہؓ
۵۰۔ خنیس بن حذافہؓ
۵۱۔ سعید بن زیدؓ
۵۲۔ عمرو بن نفیلؓ
۵۳۔ واقد بن عبداللہؓ
۵۴۔ خولی بن ابی خولیؓ
۵۵۔ ام حبیب بنت ثمامہ
۵۶۔ امنہ بنت رقیش
۵۷۔ سنجرہ بن تمیمؓ
۵۸۔ عتبہ بن غزوانؓ
۵۹۔ عثمان بن عفانؓ
۶۰۔ زینب بن جحشؓ
۶۱۔ ام حبیب بنت جحشؓ
۶۲۔ جذامہ بنت جلالؓ
۶۳۔ ام قیس بنت محصنؓ
۶۴۔ حمنہ بنت جحشؓ
۶۵۔ امِ سلمہؓ

Marfat.com

بیعتِ عقبہ ثانی کے شرکاء کے نام

۱۔ اسید بن حضیر
۲۔ ابو بردہ بن تیار
۳۔ عبداللہ بن جبیر
۴۔ سلمۃ بن سلامہ
۵۔ ابوالہیثم بن القیہان
۶۔ ظہیر بن رافع
۷۔ نیر بن الہیثم
۸۔ رفاعہ بن عبدالمنذر
۹۔ سعد بن خثیمہ
۱۰۔ ابن ثعلبہ
۱۱۔ معن بن عدی
۱۲۔ ابوایوب خالد بن زید
۱۳۔ معاذ بن الحارث
۱۴۔ عوف بن الحارث
۱۵۔ معوذ بن الحارث
۱۶۔ عباس بن عبادہ
۱۷۔ عمارہ بن حزم
۱۸۔ اسعد بن زرارہ
۱۹۔ سہل بن عتیک
۲۰۔ اوس بن ثابت
۲۱۔ ابوطلحہ
۲۲۔ قیس بن ابی صعصعہ
۲۳۔ عمرو بن غزیہ
۲۴۔ سعد بن ربیع
۲۵۔ ذکوان بن عبد قیس
۲۶۔ عبادہ بن قیس
۲۷۔ حارث بن قیس
۲۸۔ ابراء بن معرور
۲۹۔ بشر بن ابرار
۳۰۔ سنان بن صیفی
۳۱۔ طفیل بن نعمان
۳۲۔ معقل بن منذر
۳۳۔ یزید بن مندر
۳۴۔ مسعود بن یزید
۳۵۔ ضحاک بن حارثہ
۳۶۔ جبار بن صخر
۳۷۔ طفیل بن مالک
۳۸۔ یزید بن خذام
۳۹۔ کعب بن مالک
۴۰۔ سلیم بن عمرو
۴۱۔ قطبہ بن عامر
۴۲۔ یزید بن عامر
۴۳۔ ابوالیسر
۴۴۔ صیفی بن اسود
۴۵۔ ثعلبہ بن عنمہ
۴۶۔ عمرو بن عنمہ
۴۷۔ عبس بن عامر
۴۸۔ عبداللہ بن انیس

Marfat.com

۴۹۔ خارجہ بن زید
۵۰۔ عبداللہ بن رواحہ
۵۱۔ بشیر بن سعد
۵۲۔ عبداللہ بن زید
۵۳۔ خلاد بن سوید
۵۴۔ عقبہ بن عمرو
۵۵۔ زیاد بن لبید
۵۶۔ فردہ بن عمرو
۵۷۔ خالد بن قیس
۵۸۔ رافع بن مالک
۵۹۔ خالد بن عمرو
۶۰۔ عبداللہ بن عمرو
۶۱۔ جابر بن عبداللہ
۶۲۔ معاذ بن عمرو
۶۳۔ ثابت بن الجذع
۶۴۔ عمیر بن الحارث
۶۵۔ معاذ بن جبل
۶۶۔ اوس بن عباد
۶۷۔ عباد بن صامت
۶۸۔ عباس بن عبادہ

Marfat.com

غزوۂ اُحد میں ستر شہداء کے نام

۱۔ حمزہ بن عبدالمطلبؓ
۲۔ عبداللہ بن جحش
۳۔ مصعب بن عمیر
۴۔ عباس بن عثمان
۵۔ عمرو بن معاذ بن نعمان
۶۔ حارث بن انس بن رافع
۷۔ عمارہ بن زیاد بن سکن
۸۔ سلمہ بن ثابت بن وقش
۹۔ عمرو بن ثابت بن وقش
۱۰۔ ثابت بن وقش
۱۱۔ رفاعہ بن وقش
۱۲۔ حسیل بن جابر
۱۳۔ صیفی بن قیظی
۱۴۔ حباب بن قیظی
۱۵۔ عباد بن سہل
۱۶۔ حارث بن اوس بن معاذ
۱۷۔ ایاس بن اوس
۱۸۔ عبید بن تیہان
۱۹۔ حبیب بن یزید بن تمیم
۲۰۔ یزید بن خاطب بن امیہ بن رافع
۲۱۔ ابوسفیان بن حارث بن قیس بن زید
۲۲۔ حنظلہ بن ابوعامر
۲۳۔ انیس بن قتادہ
۲۴۔ ابوحیہ
۲۵۔ کیسان
۲۶۔ سلیم بن حارث
۲۷۔ نعمان بن عبدعمرو
۲۸۔ خارجہ بن زید ابوزہیر
۲۹۔ سعد بن الربیع بن عمرو
۳۰۔ اوس بن ارقم بن زید
۳۱۔ مالک بن سنان
۳۲۔ سعید بن سوید بن قیس
۳۳۔ عتبہ بن ربیع بن رافع
۳۴۔ ثعلبہ بن سعد بن مالک
۳۵۔ ثقف بن فروہ
۳۶۔ عبداللہ بن عمرو بن وہب
۳۷۔ صخرہ بن عمرو
۳۸۔ نوفل بن عبداللہ
۳۹۔ عباس بن عبادہ
۴۰۔ نعمان بن مالک بن ثعلبہ
۴۱۔ مجذر بن زیاد
۴۲۔ عبادہ بن حسحاس بن عمرو
۴۳۔ رفاعہ بن عمرو
۴۴۔ عبداللہ بن عمرو بن حرام
۴۵۔ عمرو بن جموح بن زید بن حرام
۴۶۔ خلاد بن عمرو بن جموح
۴۷۔ ابوایمن
۴۸۔ سلیم بن عمرو بن جدیدہ

Marfat.com

۴۹۔ عبداللہ بن جبیر بن نعمان
۵۰۔ خثیمہ ابوسعد بن خثیمہ
۵۱۔ عبداللہ بن سلمہ
۵۲۔ سبیع بن حاطب بن حارث بن قیس
۵۳۔ عمرو بن قیس
۵۴۔ قیس بن عمرو بن قیس
۵۵۔ ثابت بن عمرو بن زید
۵۶۔ عامر بن مخلد بن حارث
۵۷۔ ابوہبیرہ بن حارث بن علقمہ
۵۸۔ عمرو بن مطرف بن علقمہ
۵۹۔ اوس بن ثابت
۶۰۔ انس بن نضر
۶۱۔ قیس بن مخلد
۶۲۔ عنترہ
۶۳۔ سہل بن قیس بن ابی کعب
۶۴۔ ذکوان بن عبد قیس
۶۵۔ عبید بن معلیٰ بن لوذان بن حارثہ
۶۶۔ مالک بن نمیلہ
۶۷۔ حارث بن عدی بن خرشہ
۶۸۔ مالک بن ایاس
۶۹۔ ایاس بن عدی
۷۰۔ عمرو بن ایاس

Marfat.com

غزوۂ اُحد میں قریش کے مقتولین کے نام

۱۔ طلحہ بن ابوطلحہ
۲۔ ابوسعید بن ابوطلحہ
۳۔ عثمان بن ابوطلحہ
۴۔ مصافح بن طلحہ
۵۔ جلاس بن طلحہ
۶۔ کلاب بن طلحہ
۷۔ حارث بن طلحہ
۸۔ ارطاۃ بن عبدشرجیل بن ہاشم
۹۔ ابویزید بن عمیر بن ہاشم
۱۰۔ صواب، ابویزید کا حبشی غلام
۱۱۔ قاسط بن شریح بن ہاشم
۱۲۔ عبداللہ بن حمید بن زہیر
۱۳۔ ابوالحکم بن الاخنس بن شریف
۱۴۔ سباع بن عبدالغری
۱۵۔ ہشام بن ابی امیہ بن مغیرہ
۱۶۔ ولید بن العاص بن ہشام
۱۷۔ ابوامیہ بن ابوحذیفہ
۱۸۔ خالد بن الاعلم
۱۹۔ عمرو بن عبداللہ
۲۰۔ ابی بن خلف بن وہب
۲۱۔ عبیدہ بن جابر
۲۲۔ شیبہ بن مالک بن مضرب

غزوۂ خندق کے شہداء کے نام

۱۔ انس بن اوس بن عتیک
۲۔ عبداللہ بن سہیل بن زید
۳۔ ثعلبہ بن عتمہ بن عدی
۴۔ طفیل بن مالک بن نعمان
۵۔ کعب بن زید بن قیس بن مالک
۶۔ سعد بن معاذ بن نعمان

Marfat.com

غزوۂ خیبر کے شہداء کے نام

۱۔ ربیعہ بن اکثم بن سنجرہ
۲۔ عبداللہ بن ہبیب بن اُہب
۳۔ مسعود بن سعد بن عامر بن عدی
۴۔ محمود بن مسلمہ
۵۔ ثقیف بن عمرو
۶۔ رفاعہ بن مسروح
۷۔ ابوضیاح بن ثابت
۸۔ حارث بن حاطب
۹۔ عروہ بن مرہ بن سراقہ
۱۰۔ اوس بن عائذ
۱۱۔ انیف بن حبیب
۱۲۔ ثابت بن واثلہ
۱۳۔ طلحہ
۱۴۔ عمارہ بن عقبہ
۱۵۔ عامر بن اکوع
۱۶۔ اسود راعی
۱۷۔ مسعود بن ربیعہ
۱۸۔ اوس بن قتادہ

جنگِ موتہ کے شہداء کے نام

۱۔ جعفر بن ابی طالب
۲۔ زید بن حارثہ
۳۔ مسعود بن اسود بن حارثہ
۴۔ وہب بن سعد بن ابوسرح
۵۔ عبداللہ بن رواحہ
۶۔ عبادہ بن قیس
۷۔ حارث بن نعمان
۸۔ سراقہ بن عمرو
۹۔ جابر بن ابی صعصعہ
۱۰۔ ابوکلاب بن ابی صعصعہ
۱۱۔ عباد بن قیس
۱۲۔ مسعود بن الاسود
۱۳۔ سوید بن عمرو
۱۴۔ ہویجہ بن بجیر بن بن عامر

Marfat.com

پہلی اور دوسری جنگ عظیم میں تباہی کے اعداد وشمار

پہلی جنگِ عظیم ۱۹۱۴ء۔۱۹۱۸ء

دوسری جنگِ عظیم ۱۹۳۹ء۔۱۹۴۰ء

	ہلاک (پہلی جنگِ عظیم)	قیدی یا لاپتہ	ہلاک (دوسری جنگِ عظیم)
آسٹریلیا			
ہنگری صرف پہلی جنگ			۲۶۹۷۶
آسٹریا	۱۲،۰۰،۰۰۰	۲۲،۰۰،۰۰۰	۲۸۰
اٹلی	۶۵۰	۶۰۰	۱۴۹۴۹۶
امریکہ	۱۲۶	۴۵۰۰	۲۹۱۵۵۷
برطانیہ	۹۰۸۳۷۱	۹۹۱۶۵۲	۳۵۷۱۱۶
بلجیم	۱۳۷۱۶	۳۴۶۵۹	۸۴۶۰
بلغاریہ	۸۷۵۰۰	۲۷۰۲۹	۶۶۷۱
پرتگال	۷۶۶۶	۱۲۳۱۸	
پولینڈ			۶۶۴
ترکی	۳۲۵	۲۵۰	
جاپان	۳۰۰	۳	۱۲۷۰
جرمنی	۱۷۷۳۷۰۰	۱۱۵۲۸۰۰	۳۲۵۰
جنوبی افریقہ			۶۶۸۳
برازیل			۹۴۳
چیکوسلواکیہ			۶۶۸۳

Marfat.com

چین			۱۳۲۴۵۱۶
ڈنمارک			۴۳۳۹
روس	۱۷۰۰	۲۵۰۰	۶۱۱۵۰۰۰
رومانیہ	۳۳۵۷۰۶	۸۰	۳۵۰
سربیہ	۴۵	۱۵۲۹۵۸	
فرانس	۱۳۵۷۰۸۰۰	۵۳۷	۲۰۰۵۶۸
فن لینڈ			۷۹۰۴۷
کینیڈا			۳۲۴۱۲
ناروے			۴
نیدرلینڈ			۶۵۰۰
نیوزی لینڈ			۱۱۶۲۵
ہندوستان			۳۲۱۲۱
ہنگری			۴۷۴۳۵
یوگوسلاویہ			۳۰۵
یونان	۵	۱	۱۷۰۲۴
	۸۵۲۸۳۱۵	۸۵۴۳۹۱۹	۱۴۹۴۲۹۶۲

(عالمی معلومات، فیروز سنز لاہور، ۱۹۷۶، ص ص ۳۷۷ تا ۳۷۹)

Marfat.com

انسانی حقوق کا عہد آفرین چارٹر ''خطبہ حجۃ الوداع''

اے اللہ کے بندو، میں تمھیں اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں اور اس اطاعت کی دعوت دیتا ہوں اور ابتدا کرتا ہوں اس سے جو مکمل خیر ہے۔ لوگو غور سے سنو! میں یہ بات وضاحت سے تمھارے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں۔ شاید اس سال کے بعد میں تمھیں اس جگہ نہ مل سکوں۔

تمھارا خون تمھارا مال ایک دوسرے پر حرام ہے یہاں تک کہ تم خدا کے سامنے پیش ہو جیسا کہ یہ دن، یہ مہینہ اور یہ شہر تمھارے لئے قابلِ احترام ہے۔ بتاؤ، کیا میں نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا ہے؟ اے خدا تو گواہ رہنا۔

جس کے پاس کسی کی امانت ہو وہ اسے اس کے مالک کے حوالے کر دے۔ دورِ جاہلیت کے سودی کاروبار آج سے ممنوع قرار دے دیئے گئے اور سب سے پہلے میں اپنے چچا (حضرت) عباسؓ کی سودی رقمیں معاف کرتا ہوں۔

جاہلیت کے تمام مفاخر ختم کئے جاتے ہیں۔ صرف کعبہ کی تولیت اور حاجیوں کو پانی پلانے کا عہدہ باقی رکھا جائے گا۔ قتلِ عمد کا قصاص ضروری ہے۔ عمد کا مشابہ وہ قتل ہے جو لاٹھی یا پتھر سے واقع ہو۔ اس کی دیت سو اونٹ ہیں۔ جو زیادہ چاہے گا وہ اہلِ جاہلیت میں سے ہوگا۔

لوگو، شیطان اس بات سے تو مایوس ہو گیا کہ سرزمین پر اس کی عبادت کی جائے لیکن وہ اس پر بھی مطمئن ہے کہ چھوٹی چھوٹی باتوں میں اس کی تعمیل کی جائے گی۔

لوگو، مہینے کو اپنی جگہ سے ہٹا دینا کفر میں زیادتی کرنا ہے۔ کافر اس کی گمراہی پھلاتے ہیں۔ ایک سال جس مہینے کو حلال کرتے ہیں دوسرے سال اسی کو حرام کر دیتے ہیں تاکہ جو گنتی اللہ نے رکھی ہے اسے کسی نہ کسی طرح پورا کر لیں۔ زمانہ گھوم پھر کر وہیں آ گیا جہاں سے کائنات کی پیدائش کا دن شروع ہوا تھا۔ خدا کے نزدیک مہینوں کی تعداد بارہ ہے اور اس نے اسے اپنی کتاب میں لکھ دیا تھا جس دن آسمان اور زمین پیدا ہوئے تھے۔ اس دن سے چار مہینے محترم ہیں۔ تین مہینے پے در پے ہیں اور چوتھا الگ ہے۔ ذیقعد، ذی الحجہ، محرم اور رجب جو جمادی الآخر اور شعبان کے درمیان آتا ہے۔

Marfat.com

لوگو، عورتوں کے تم پر حقوق ہیں اور تمھارے ان پر حقوق ہیں۔ تمھارے حقوق یہ ہیں کہ وہ تمھارے بستر پر کسی اور کو نہ سلائیں اور تمھاری اجازت کے بغیر ایسے لوگوں کو گھر میں نہ آنے دیں جن کو تم پسند نہیں کرتے اور فحش کلام نہ کریں۔ اگر وہ ایسا کریں تو خدا نے تمھیں ان سے علیحدہ ہونے، ان سے الگ سونے کا، اعتدال کے ساتھ مارنے کی بھی اجازت دے رکھی ہے۔ اور اگر ایسا کرنے سے رک جائیں اور تمھاری اطاعت شروع کر دیں تو ان کا نان نفقہ اور لباس تمھارے ذمے ہے۔ تمھارے پاس عورتیں قیدیوں کی طرح ہیں خود کچھ نہیں کر سکتیں۔ تمھارے پاس وہ خدا کی امانت کی طرح ہیں اور تم اس کے نام سے اس کو اپنے لئے حلال کرتے ہو پس ان کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو اور ان کے لئے بھلائی سوچا کرو۔
کیا میں نے بات پہنچا دی؟ اے خدا گواہ رہنا۔

لوگو، سب مومن بھائی بھائی ہیں۔ کسی مومن کو اپنے بھائی کا مال اس کی مرضی کے بغیر لینے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔

لوگو، میرے بعد کافر ہو کر ایک دوسرے کے قتل کے درپے نہ ہو جانا۔ میں تمھارے پاس ایسی چیز چھوڑتا ہوں جس پر عمل کرنے سے تم کبھی گمراہ نہ ہو گے وہ چیز قرآنِ مجید ہے۔

لوگو، تمھارا پروردگار ایک اور تمھارا باپ ایک ہے اور تم سب آدمؑ کی اولاد ہو اور آدمؑ مٹی سے بنے تھے۔ تم میں اللہ کے نزدیک محترم و مکرم وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ کسی عربی کو عجمی پر تقویٰ کے سوا کوئی برتری حاصل نہیں۔

کیا میں نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا؟ گواہ رہنا۔ حاضرین کو چاہئے کہ وہ یہ باتیں دوسروں تک پہنچا دیں۔

●○●○●○●

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

رسول اللہ کی خارجہ پالیسی

اسد سلیم شیخ

Marfat.com